شرعۃ الحق

حسبنا کتاب اللہ کے مطابق چند اہم احکام القرآن کا بیان

شمس العلماء

حافظ محب الحق حسینی عظیم آبادی

مکتبہ قاسم العلوم

Marfat.com

Marfat.com

شرعۃ الحق

یعنی حسبنا کتاب اللہ کے مطابق چند اہم احکام القرآن کا بیان

قرآن مجید مکمل اور مفصل کتاب ہے جو انسانی رائے اور روایات کی پابند و ماتحت نہیں ہے اور بکمالہٖ
"..... اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ....."
کا مظہر کامل ہے۔

شمس العلماء
حافظ محب الحق صاحب حسینی عظیم آبادی

مکتبہ قاسم العلوم

M.3035

Marfat.com

297.16
ش 249 م
159150

جملہ حقوق محفوظ ہے

نام کتاب: شرعة الحق
مصنف: حافظ محب الحق صاحب حسینی عظیم آبادی
اہتمام: ملک اسد علی قاسمی
ناشر: مکتبہ قاسم العلوم
مطبع: گنج شکر پرنٹرز
تعداد: 500
قیمت: 640

واحد تقسیم کار

ملک اینڈ کمپنی

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

042-37248209

Marfat.com

فہرست مضامین

تاریخ اہل قرآن واہل حدیث کا ایک باب	11
حمد باری تعالیٰ	49
نعت خاتم المرسلین منزل من رب العلمین	51
غرض تصنیف کتاب	52
التماس مصنف	56
عرض حال	60
مقدمہ	62

فصل اول

قرآن وحدیث وفقہ کا تعارف

قرآن مجید	63
حدیث	72
فقہ	77
عمل متواتر	79
ایک خدشہ	81
حکم	82

فصل دوم

مختلف مذاہب کا مختصر تاریخی پس منظر

حقیقت کتب سماوی	85

Marfat.com

توریت 57

انجیل 90

تحقیق توریت و انجیل از روئے قرآن مجید 94

[illegible] 98

تحریف کتاب 100

اختلاف کتاب 102

[illegible] 107

قانون فطرت اور قانون قدرت 109

حصہ اول

چند اصولی مباحث بعنوان حل طلب مسائل

باب اول

خداوند عالم نے سارے رسولوں کے ذریعے سے ایک ہی صراط مستقیم کی ہدایت کی اور ایک ہی دین بھیجا یا مختلف ۔ اور اپنے بھیجے ہوئے دین اور اس کے پیروؤں کا نام اس نے کیا رکھا ہے؟ 113

باب دوم

دین الٰہی ایک دوسرے کا ناسخ ہے یا ایک دوسرے کا مصدق ۔ ناسخ ہے تو ہر ایک دین دوسرے ماسبق دین کا ، یا ہر ایک دین کے بعض بعض احکام دوسرے دین کے بعض بعض احکام کے ناسخ ہیں ۔ یا قرآن مجید ہی سارے ادیان کا ناسخ اور قرآن مجید ہی کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے کی ناسخ ہیں ۔ اور اگر ہر ایک دین دوسرے دین کا مصدق ہے تو بالکل ہے یا بالجزو ہے ، یا صرف دین الٰہی کے دین الٰہی ہونے کا مصدق ہے؟ 119

Marfat.com

باب سوم

وحی نزول کی حقیقت کیا ہے اور اس کا عنوان کیا رہا اور ما یوحیٰ اور ما انزل اللہ کیا ہے؟ 134

ما انزل اللہ کی آیتیں 137

ما یوحیٰ کی آیتیں 140

باب چہارم

بعد اس کے کہ احکام و ہدایات کی راہ بذریعہ وحی و نزول کھولی گئی دین الٰہی میں حکم خدا ہی کا واجب التعمیل ہے یا کسی اور کا بھی؟ 149

باب پنجم

جو کوئی بما انزل اللہ حکم نہ دے تو اس کے لیے کوئی تہدید بھی ہے یا نہیں؟ 152

باب ششم

اگر اطاعت ما انزل اللہ یعنی قرآن مجید ہی فرض ہے تو اطاعت رسول کے معنی کیا ہیں۔ اور من حیث رسالت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کون سی منزلت ہے؟ 155

باب ہفتم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین الٰہی میں متبع قرآن مجید تھے یا اپنی رضا و خواہش سے بھی حکم دیتے تھے اور آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام قرآنی کو منسوخ کرنے یا کم و بیش کرنے، حدود اللہ یا حلال و حرام کی فہرست گھٹانے بڑھانے کے بھی مجاز من اللہ تھے یا نہیں؟ 162

باب ہشتم

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء نے دین الٰہی کی تبلیغ کس کتاب کے ذریعہ سے کی، اور کون سی کتاب ان کی دستور العمل رہی اور ان کی یہ تبلیغ ناقص تھی یا کامل، اگر تبلیغ 169

Marfat.com

کامل کرنے کے لیے حدیث کی بھی تبلیغ کی گئی تھی تو صحابہ کو کل حدیثیں پہنچی ہوئی تھیں یا نہیں، اگر پہنچی ہوئی تھیں اور تبلیغ بھی کی گئی تھی تو وہ تبلیغ شدہ کتاب کہاں ہے، اور اگر پہنچی ہوئی نہ تھیں اور تبلیغ بھی نہ ہوئی تھیں تو کیا تبلیغ ناقص کی گئی، اور اس صورت میں تبلیغ کامل کرنے کے لیے خود آنحضرت ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث کے لیے کیا اہتمام کیا، اگر کوئی اہتمام نہ کیا تو کیا تبلیغ کی تکمیل جمع حدیث تک دو ڈھائی سو برسوں کے لیے ملتوی رہی، اور کیا رسالت کا کام ناتمام رہا اور مسلمان اطیعوا الرسول کے نافرمان رہے؟

باب نہم

174 رسول اللہ ﷺ نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا یا منع فرمایا تھا۔ اگر حکم دیا تھا تو خود آپ کے زمانہ باسعادت میں اس کی تعمیل کیوں نہ کی گئی۔ اور اگر منع فرمایا تھا تو یہ بدعت کس نے گھڑی اور کب گھڑی اور حدیث کے ساتھ خلفائے راشدین اور صحابہ کا کیا سلوک رہا اور ان کی حقیقت کیا ہے؟

ہم محدثین کے ممنون احسان ہیں

باب دہم -- حقیقت حدیث

193 حدیث کی حقیقت جیسا کہ مقدمہ میں بیان ہوئی اور جو مسلمہ علمائے کرام ہے اس کی رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو کس کس قسم کی حدیثیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کہی جانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور کس کس قسم کی حدیثیں، حدیث ہی نہیں ہیں مگر حدیث سمجھی جاتی ہیں؟

احقاق حق: میں صحیح حدیثوں کا قائل ہوں۔ قرآن کے مطابق حدیثوں کی مثالیں

باب یازدہم

203 جو اقوال و افعال حضرت رسول ﷺ کے ثابت ہو جائیں وہ حدیث ہیں یا جو مشتبہ رہیں وہ بھی۔ یا جو صحابہ تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی۔ جو تابعین تک سلسلہ

Marfat.com

نسبت رکھتے ہوں وہ بھی۔ جو تبع تابعین تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی یا جن کو علماء نے حدیث تسلیم کرلیا ہو وہ بھی۔ یا حدیث کے معنی کتاب حدیث کے ہیں؟

باب دوازدہم

206 قرآن مجید مجمل ہے یا مفصل۔ کامل ہے یا ناقص۔ محتاج تفسیر ہے یا نہیں۔ اگر محتاج تفسیر ہے تو رسول ﷺ نے یا خلفا نے یا صحابہ نے کوئی تفسیر لکھی یا لکھوائی یا نہیں۔ نہیں لکھی تو قرآن مجید کو مجمل نا قابل عمل درآمد کیوں چھوڑا۔ یہ تبلیغ دین کی تکمیل کی خدمت جو سب کاموں سے خلافت کے جھگڑوں اور فتح شام و مصر سے بھی مقدم تھی ترک کیوں کی گئی۔ درآں حالیکہ ختم رسالت کے بعد کوئی نبی آنے والا ہی نہیں جو قرآن مجید کے اجمال کو کھولے۔ اور اگر قرآن مجید مجمل اور محتاج تفسیر نہیں ہے تو مجمل اور محتاج تفسیر بالاتفاق کیوں تسلیم کیا جاتا ہے۔ آیا کسی آیت کی رو سے، یا کسی حدیث مرفوع متصل کی رو سے یا کسی عالم کے کہہ دینے سے؟

باب سیزدہم

215 تفاسیر جو موجود ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ اور اگر کوئی ان تفسیروں کے خلاف کوئی تفسیر بیان کرے تو چونکہ وہ تفسیروں کے خلاف ہے گرچہ وہ عربی زبان کے مطابق ہی کیوں نہ ہو تو کیا وہ تفسیر بالرائے ہوگی؟ اور تفسیر بالرائے کس آیت کی رو سے ممنوع ہے۔ اور ممنوع ہے تو تفسیروں میں اختلافات کیوں پائے جاتے ہیں؟

باب چہاردہم

222 قرآن و حدیث و فقہ تینوں کی کیا کیا منزلتیں ہیں اور خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ تینوں کی کیا کیا نسبتیں ہیں اور تفقہ رسول ﷺ کی کیا منزل ہے؟

تفقہ رسول کی مثالیں (مجاز یعنی جن میں اختیار ہے)

باب پانزدہم

230 قرآن مجید عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے یا اپنی کوئی مخصوص

Marfat.com

اصطلاح میں، یا فرشتوں کی اصطلاح میں، یا کوئی خاص خدائی اصطلاح میں، اگر عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے تو اس کی اصطلاح کے کھولنے اور واضح کرنے کا کوئی فرشتہ مجاز و مستحق ہے یا مصطلحات عرب؟

تنبیہ

حصہ دوم

(احکام القرآن کے چند اہم عنوانات پر گفتگو)

باب اول

عبادات 236

طہارت 236

غسل 238

وضو 242

تیمم 245

اذان 246

صلوٰۃ 247

زکوٰۃ 271

منکرین زکوٰۃ 276

سید اور زکوٰۃ 279

صوم 281

حج وعمرہ 286

Marfat.com

باب دوم

حلال وحرام 299

باب سوم

اصلاح تمدن 313

معاشرت زن وشو (نکاح) 317

لونڈی غلام 323

ازواج مطہرات 325

طلاق وخلع وایلا وظہار 333

باب چہارم

فوجداری احکام 341

زنا 344

قذف 346

لعان 347

باب پنجم

احکام مالی 348

تعریف اسراف۔ بخل اور سخاوت 350

اسراف 350

بخل 352

سخاوت یعنی میانہ روی 357

صدقہ 360

نفقہ (یعنی انفاق اور اس کے متعین مصارف) 363

قرض حسن 369

Marfat.com

ربوٰا 375

باب ششم

وصیت 387
وراثت 395
باغ فدک 401
مناجات ودعا 402

Marfat.com

تاریخ اہل قرآن واہل حدیث کا ایک باب

''تاریخ اہل قرآن واہل حدیث اور حنفی مسلک اعتدال'' مؤلفہ مفتی محمد طاہر مکی صدر قرآنی مرکز کراچی تیس ابواب پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے جس میں دور صحابہ وتابعین کے بعد دوسری صدی ہجری سے اب تک کے اہل قرآن واہل حدیث کی فکری کشمکش کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دونوں طرف کے دلائل خود انہی کے الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں۔ دونوں طرف کے اہم اور نمایاں نمائندوں کا تعارف کرایا گیا ہے پھر فیصلہ قارئین کی عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

یہاں اس غیر مطبوعہ کتاب کا ایک باب پیش خدمت ہے:

ہم ابتدائی ابواب میں یہ بات تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ تاریخ اسلام میں بنیادی طور پر فکری دھارے دو ہی ہیں۔ آسانی کے لیے ہم انھیں اہل سنت اور اہل تشیع کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اہل سنت کا اصولی نقطۂ نظر حسبنا کتاب اللہ ہے (بخاری و مسلم) یعنی قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔

جب کہ شیعوں کا اصولی نقطۂ نظر امامت ہے جس کا سلسلہ حضرت علیؓ سے شروع ہوتا ہے پھر بہت سی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں ایک شیعہ مورخ نوبختی کے سروے اور تحقیق کے مطابق اس کے زمانہ تک شیعہ فرقوں (شاخوں) کی تعداد ستر سے اوپر ہو چکی تھی جن کا باقاعدہ تعارف اس نے اپنی کتاب فرق الشیعہ (مطبوعہ عراق) میں کرایا ہے۔

اس وقت شیعوں کی اکثریت جعفری اثناعشری حضرات کی ہے۔ یہ خود کو ملت جعفریہ (یا تحریک جعفریہ) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان کی پہلی مذہبی کتاب اصول کافی سے لے کر آج تک ہر سرکاری یا غیر سرکاری مذہبی کتاب میں ان کے ایمانیات یا بنیادی عقائد یا اصول دین یہ پانچ بتائے گئے ہیں:

Marfat.com

۱- توحید

۲- عدل

۳- رسالت

۴- امامت

۵- آخرت

ان ایمانیات یا اصول دین میں رسالت کے بعد امامت کا تذکرہ ہے۔ مگر شیعوں کے ان پانچ بنیادی عقائد میں قرآن کریم کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ جب کہ غیر شیعہ مسلمانوں کی ایمانیات خمسہ یا بنیادی عقائد میں جو قرآن کریم کی کئی آیتوں میں بار بار بیان کیے گئے ہیں قرآن کریم کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔ امامت کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ مثلاً آیہ بر دیکھیے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷)

(فرمایا انتظامی چیزیں بنیادی نہیں ہوتیں مثلاً نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ اصل چیز تو فکری بنیادیں ہیں) ''یعنی اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، ملائکہ پر، اللہ کی کتاب پر اور انبیاء پر ایمان رکھنا'' نیز سورہ بقرہ آیت ۲۸۵ سورہ نساء آیت ۱۳۶ وغیرہ میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔

ان آیات کے حوالہ سے اہل سنت کے ہاں قرآن کریم کو ایمانیات میں شمار کیا گیا ہے اور امامت پر ایمان لانے کا تذکرہ پورے قرآن کریم میں کہیں ایک جگہ بھی نہیں ہے اس لیے اہل سنت نے اسے اپنے بنیادی عقائد یا ایمانیات میں داخل ہی نہیں کیا۔

حامل قرآن ﷺ نے بھی ہر اہم موقع پر اپنے بعد قرآن کریم ہی کو تھامنے اور اسے معیار بنانے کا حکم دیا ہے۔ تمام صحابہ متفق ہیں کہ اَوْصٰی بِکِتَابِ اللّٰهِ (بخاری) صحابہ کرام کے سب سے بڑے اجتماع حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے اسی کتاب اللہ کو تھامنے کا اعلان فرمایا (خطبۂ حجۃ الوداع بروایت باقر عن جابر، مسلم، ابوداود، ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ کی اسی آرزو اور وصیت کے مطابق آپ ﷺ کے آخری وقت میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حسبنا کتاب اللہ کا اعلان فرمایا جس کے متعلق مصور پاکستان علامہ اقبال نے اپنے خطبات مدراس میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر مسلمان اپنی نشاۃ ثانیہ چاہتے ہیں تو انھیں فاروق اعظمؓ کے اس اعلان کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

Marfat.com

O

جعفری شیعہ اپنے عقائد، اصول دین اور ایمانیات کے مطابق حسبنا کتاب اللہ کے نقطہ نظر کو درست نہیں سمجھتے۔ برصغیر میں شیعہ نشاۃ ثانیہ کے ایک اہم علمبردار، سر علی امام کے والد سر امداد امام اثر اپنی مذہبی کتاب مصباح الظلم میں لکھتے ہیں:

''ہر چند رسول اللہ نے اپنی رحلت کے قریب یہ فرمایا کہ ہم تم میں دو امر بزرگ چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ ایسے ہیں کہ اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ دونوں امر بزرگ قرآن اور دوسرے اہل بیت ہیں۔ مگر شان کبریائی سے حضرت عمر بن خطاب کے قول حسبنا کتاب اللہ کے عشر عشیر کے برابر بھی یہ قول نبوی عمل تاثیر نہیں پیدا کر سکا...... میں اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں رکھتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطاب کا قول حسبنا کتاب اللہ اچھا تھا یا برا مگر اس کی تاثیر پر نظر ڈالنا اس کتاب کے احاطہ مقاصد سے ہے۔'' (ص ۵)

''حضرت عمرؓ کے صرف ان تین چار لفظوں نے ایک ایسی نئی اسلامی دنیا قائم کر دی ہے کہ آج تک بڑے نو وردوں کے ساتھ قائم ہے۔ ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید کے ساتھ خبر دیتا ہے مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشاد نبوی ایک قولی حیثیت تک محدود رہ گیا۔ اس حدیث پر عامہ مسلمانان یعنی مسلمانان غیر امامیہ کا نہ کبھی سابق میں عمل درآمد رہا ہے اور نہ آج ہے۔ یہ حدیث نبوی ڈیڈ لیٹر یعنی ایک قول مردہ کی طرح کتابوں میں حوالہ قلم پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ حیثیت کبھی اس کو حاصل نہیں رہی ہے۔'' (ص ۱۰)

''کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان غیر امامیہ از وقت خلیفۂ اول تا ایں دم حسبنا کتاب اللہ کے متمسک رہے ہیں۔ اور یہ وہ قول ہے کہ جس نے اہل بیت نبوی کے نابود کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اہل بیت نبوی کی علیحدگی کے ساتھ ایک ایسے مذہب خاص کی بنا ڈالی کہ جس میں تمام غیر امامیہ داخل ہیں اور غیر امامیہ بہت سے فرقے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے آپ کی

Marfat.com

عزت یا قرآن کے برابر ہے یا قرآن سے کم۔ تنزلاً اگر قرآن سے کم بھی ہے تو اتنی ضرور ہے کہ دو امر بزرگ سے ایک امر بزرگ ہے۔ .... راقم کی تجویز میں عترت نبی قرآن سے افضل ہے اس لیے کہ قرآن قرآنِ صامت ہے اور عترت نبوی قرآن ناطق ہے۔" (ص ۱۱)(۱)

"المختصر قول حسبنا کتاب اللہ سے جب امامت قرار پا سکتی ہے تو من جانب الناس قرار پا سکتی ہے جیسا کہ فرقہ غیر امامیہ کے ائمہ عموماً من جانب الناس کی حیثیت رکھا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی۔ اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا۔" (ص ۱۲)

"آخر میں راقم کا یہ عرض کر دینا خلاف محل نہ ہوگا کہ قول حسبنا کتاب اللہ کس اعلیٰ درجہ کا پولیٹیکل وزن رکھتا ہے۔ اللہ اکبر اس قول نے کیا کیا پولیٹیکل نتائج تاریخ عرب میں پیدا کیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ قول حضرت عمر بن الخطاب کے لب مبارک پر نہ آیا ہوتا تو اس وقت عرب کی تاریخ نہ صرف تمدن، بلکہ مذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے رنگ کی دکھائی دیتی۔ حق یہ ہے کہ قابل آدمی دنیا میں کیا نہیں کر سکتا ہے؟ امر واقعی یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب کی پولیٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان گو ایک بہت بڑے مدبر، ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمر بن خطاب کے پولیٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے۔ یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا۔" (ص ۱۹)

اسی کتاب مصباح الظلم کے ص ۱۴ سے ص ۱۹ تک قرآن کے محرف ہونے کا بڑے

---

(۱) ان صاحب کو قرآن سے کوئی خصوصی دشمنی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ قرآن ہی کیا؟ ہر کتاب صامت ہے اور ہر انسان ناطق۔ لہٰذا نہج البلاغہ اور شیعوں کی حدیث کی تمام کتابیں کافی وغیرہ بھی صامت ہیں اور تمام شیعہ ناطق۔ لہٰذا تمام شیعہ نہ سہی کم از کم شیعہ علماء تو نہج البلاغہ اور اپنی حدیث کی کتابوں سے افضل ہوتے ہوں گے؟

Marfat.com

شدومد سے بیان کیا گیا ہے۔ظاہر ہے جب قرآن کا مرتبہ اہل بیت سے کم بھی ہے پھر قرآن محرف بھی ہے اور صامت (خاموش) بھی تو ائمہ اہل بیت (بارہ امام) کے اقوال و احکام کے مقابلہ میں قرآن کی کیا عزت ہوسکتی ہے؟

سرامداد امام اثر کی یہ کتاب مصباح الظلم ۱۳۳۶ھ کے لگ بھگ ریاست رامپور کے سرکاری خرچ پر نہایت اعلیٰ کاغذ اور بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوئی۔اس پر اس دور کے دو اہم شیعہ علماء مولانا نجم الحسن [1] صاحب مجتہد لکھنو اور مولانا مقبول حسین دہلوی (مترجم و مفسر قرآن) نے نظرثانی کر کے مہر تصدیق ثبت کی اور تبلیغی نقطہ نظر سے تمام اہم مقامات پر مفت عطیہ کی گئی۔

یہ کتاب اپنے زمانہ کے پٹنہ (بہار) کی اونچی شیعہ سوسائٹی کی آواز تھی کیوں کہ انگریزی اقتدار کے نتیجہ میں اقلیتی نقطہ نظر کو ابھارنا غیر ملکی اقتدار کے مفادات کے عین مطابق تھا۔یہی

---

(۱) مولانا نجم الحسن شیعہ کانفرنس کے صدر تھے۔ریاست رامپور کے محکمہ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے۔لکھنو کے سب سے بڑے شیعہ مدرسہ کے سربراہ تھے۔مدرستہ الواعظین کے متولی تھے۔ماہنامہ الواعظ اور انگریزی میں مسلم ریویو کے بانی تھے۔انگریز حکومت نے انھیں بھی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا تھا۔خود نجم الحسن صاحب نے تحرک مدح صحابہ کے زمانہ میں السپ کمیٹی کے سامنے اپنا تعارف اس طرح کرایا تھا:

''میں شیعوں کا مجتہد ہوں اور مجھ کو گورنمنٹ سے شمس العلماء کا خطاب ملا ہے اور میں مدرسہ ناظمیہ لکھنو کا صدر بھی ہوں جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا اور سب سے بڑا شیعوں کا کالج ہے اور ۴۸ سال سے قائم ہے۔میں ابتدا سے اس کا صدر مدرس ہوں۔اس کالج میں فقہ و اصول وغیرہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس مدرسہ سے اب تک ہزاروں لوگ فارغ ہوکر نکل چکے ہیں۔شیعوں کی کوئی درسگاہ اس کے مقابل کی نہیں ہے، اس کالج کو گورنمنٹ سے امداد بھی ملتی ہے۔میں مدرستہ الواعظین لکھنو کا متولی اور منتظم بھی ہوں، اس مدرسہ میں وہ لوگ داخل کیے جاتے ہیں جو اکتساب علوم دینی سے فارغ ہو چکے ہیں، یہاں ان کو مذہبی وعظ و تبلیغ کا کام سکھایا جاتا ہے۔میں مجلس علماء شیعہ کا صدر بھی ہوں اور بحیثیت مجتہد فتویٰ بھی دیتا ہوں اور حکومت کی مہربانی سے عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ ہوں۔

پنجتن پاک میں محمد ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین شامل ہیں۔شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور ان کے اہل بیت، رسول کے بعد سب سے افضل تھے۔جو شخص ان حضرات سے بغض و عداوت رکھتا ہو ہم اس سے نفرت و بیزاری کرتے ہیں۔

خلیفہ اول و دوئم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو بہت اذیتیں پہنچائیں، بڑے بڑے ظلم کیے، خلیفہ ثالث کے زمانہ میں قرآن جلایا گیا، حضرت عمار کو پٹوایا گیا اور اتنا پٹوایا گیا کہ ان کو ایک مرض لاحق ہوگیا۔

Marfat.com

کیفیت دوسرے مقامات خصوصاً برصغیر کے دوسرے کونے پنجاب میں قادیانیت وغیرہ کے حوالہ سے تھی۔ یہ ماحول اور یہ زمانہ تھا جس میں مولانا حافظ محب الحق صاحب نے اپنی شاہکار کتاب شرعۃ الحق لکھی۔

O

مولانا حافظ محب الحق صاحب پٹنہ بہار کے ایک حنفی خاندان میں 1853ء میں پیدا ہوئے اور ذوق علم، تجسس اور تقابلی مطالعہ کے نتیجے میں اُس مقام پر پہنچے کہ ان کے علم و فضل کی شہرت دیکھ کر حکومت نے بھی انھیں شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔ اپنے دور کے مشاہیر علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ سے ان کے روابط و تعلقات تھے۔ جس زمانہ میں مولانا آزاد نظر بند تھے اس زمانہ میں بھی ان سے خط و کتابت جاری رہی (کچھ مزید اہل علم کا تذکرہ ان کی تقریظات اور تبصروں کے حوالہ سے آگے آ رہا ہے)

حضرت ابوذر کو شہر بدر کیا گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں صاحبان حضرت علیؓ کے دوست تھے اور ان کی مدح کرتے تھے۔ حضرت عثمان نے باغ فدک اپنے عزیزوں کو دے دیا۔ حقیقتاً یہ باغ حضرت فاطمہ کو ملنا چاہیے تھا، چنانچہ جب حضرت فاطمہ کو اس باغ سے محروم کیا گیا تو وہ ان حضرات سے مرتے دم تک ناراض رہیں اور اسی وجہ سے وہ افلاس و فقر میں مبتلا رہیں۔ اگر فاطمہ کے دروازے پر آگ نہ لگائی جاتی اور حقوق غصب نہ کیے جاتے تو دوسروں کی اتنی ہمت نہ ہوتی کہ حضرت حسین کو کربلا میں بلا کر شہید کرتے۔

شیعوں میں تولاّ اور تبرّا کے عقیدے واجبات میں سے ہیں، تولاّ محبت اور تبرّا بیزاری کو کہتے ہیں، یہ دونوں جزو ایمان ہیں۔ دشمنان اہل بیت پر ائمہ بھی لعن طعن کرتے رہے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں۔ ان پر لعنت کرنے کا حکم قرآن میں بھی مجملاً لکھا ہوا ہے اور ان عقائد کا مدار قرآن و حدیث ہیں۔ اگر خلفائے ثلاثہ کی مدح شیعوں کے سامنے ہوگی تو یہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔

یہ روایت کہ آنحضرت کی دو بیٹیاں خلیفہ ثالث سے منسوب تھیں بالکل غلط ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں نبی کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ حضرت خدیجہ کے ہمراہ آئی تھیں۔ اسی لیے لوگ ان کو بھی آنحضرت کی بیٹیاں کہتے تھے، اسی طرح خلیفہ ثانی کو بھی حضرت علی کی کوئی لڑکی منسوب نہ تھی، حضرت عمر نے درخواست ضرور کی تھی مگر وہ مسترد کر دی گئی تھی۔ حضرت علی اور دیگر ائمہ نے خلفائے ثلاثہ کی مذمت کی ہے، مدح کبھی نہیں کی، مذہب شیعہ کے مطابق قرآن یا احادیث میں خلفائے ثلاثہ کی کوئی مدح نہیں ہے۔ قرآن میں جو بھی آیات مدح کے لیے آئی ہیں وہ دیگر صحابہ کے لیے ہیں۔ محمد بن ابی بکر، مالک اشتر اور ابولولو فیروز ہمارے ممدوح ہیں۔" (النجم، لکھنو، ۱۳ اپریل ۱۹۳۷ء)

Marfat.com

مولانا حافظ محب الحق نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر زیادہ شہرت ان کے حقانی سلسلہ کو حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب دعوۃ الحق ہے جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کا عنوان تقابل ادیان ہے۔ اس کا مفصل دیباچہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے قلم سے ہے اور تقریظ مشہور عالم دین امیر شریعت بہار، اور سجادہ نشین پھلواری شریف شاہ بدرالدین صاحب کے قلم سے ہے۔ (ان کی تقریظ بعد میں پیش کریں گے)

سلسلہ حقانی کی دوسری کتاب ''شرعۃ الحق'' ہے۔ جو حسبنا کتاب اللہ کی تائید میں لکھی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ کی ماسٹر پیس ہے۔

تقابل ادیان پر ان کی پہلی کتاب دعوۃ الحق بھی اگر چہ بہت پسند کی گئی مگر یہ دوسری کتاب شرعۃ الحق بہت زیادہ معرکہ آراء ثابت ہوئی۔ جہاں حسبنا کتاب اللہ کے مخالفین نے انھیں منکر حدیث کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا وہاں بعض نمایاں اہل علم نے ان کی تائید بھی کی۔ (ان کے اقتباسات بھی ہم بعد میں دیں گے)

مولانا حافظ محب الحق صاحب کو ان کے مخالفین نقصان اس لیے نہیں پہنچا سکے کہ مولانا کے برادر نسبتی سید عبدالعزیز صاحب بہت اہم عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے یتیم ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت یہاں تک کہ ان کے یورپ جانے آنے کا خرچہ بھی مولانا نے برداشت کیا تھا۔

سید عبدالعزیز صاحب جو اپنے کارناموں کی وجہ سے بعد میں عزیز ملت کے لقب سے مشہور ہوئے، ۱۹۳۱ء میں بہار کے وزیر تعلیم اور وزیر زراعت تھے۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پٹنہ اجلاس ہوا تو اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے اور خطبہ صدارت پیش کیا۔ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء حیدر آباد دکن کے صدر رہے۔ وہ قدیم و جدید کے جامع تھے۔ جس طرح لندن سے بار ایٹ لاء کیا اسی طرح مقامی علماء سے عربی کی مہارت پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

اپنے ہم عصر قائدین میں ان کے قائد اعظم اور بہادر یار جنگ سے بڑے گہرے روابط و تعلقات تھے۔ انھوں نے اپنے مربی و محسن بہنوئی کے ہم فکر و ہم خیال ہونے کی وجہ سے اہم موڑ پر اپنے اس محسن کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے مولانا حافظ محب الحق کی زندگی میں

Marfat.com

زہر گھولنے کی آرزو رکھنے والے پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی فکری ہم آہنگی کی وجہ سے تحریک مدح صحابہ کے موقعہ پر اپنے بہنوئی کی فرمائش پر تحریک مدح صحابہ کی پوری قوت سے وکالت کی۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی کے پوتے جناب عبدالحی فاروقی امام اہل سنت کی سوانح میں لکھتے ہیں:

> ''۲۰، اپریل ۱۹۳۷ء کو چیف کورٹ لکھنو میں جسٹس السپ نے مدح صحابہ کمیشن کے لیے سنی علماء اور وکلاء کے بیانات لینے شروع کیے۔ پورے شہر میں ان حالات کی بڑی شہرت تھی جس کی وجہ سے چیف کورٹ میں ہجوم کی کثرت کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ کارروائی کا آغاز کرتے وقت سنیوں کے بیرسٹر جناب عبدالعزیز سابق منسٹر صوبہ بہار نے سنیوں کے دعویٰ مدح صحابہ پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔'' (ص ۳۰۲)

O

حقانی سلسلہ کی تیسری کتاب ''منہاج الحق'' ہے جس میں تصوف کو قرآن کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا حافظ محب الحق مجددی نقشبندی تھے اور خشک احکام کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے۔ اسی ذوق کے زیر اثر یہ کتاب لکھی گئی ہے اس میں مولانا کتنے کامیاب ہوئے اس کا فیصلہ قارئین کے ذوق پر منحصر ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہی بات پسندیدہ ہے کہ مسلمان حسبنا کتاب اللہ کے عین مطابق تمام علوم وفنون کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں کریں اور قول فیصل قرآن کریم کو قرار دیں۔ اس محنت میں اگر خطا بھی ہو جائے (بشرطیکہ بددیانتی پر مبنی نہ ہو) تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ:

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

علم کلام اور قرآن:

کبھی قاضی ابن رشد نے اپنی کتاب ''کشف الادلہ'' میں علم کلام کو قرآن کریم کی روشنی میں لکھا تھا۔ ہمارے زمانہ میں یہی کام علامہ سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ عقائد میں کیا۔

Marfat.com

سیرت اور قرآن:

استاد عزت دروزہ شامی۔ مرزا حیرت۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ نے سیرۃ النبی کو قرآن کی روشنی میں دیکھا۔ سیرت صحابہ کو شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں اور مولانا عبدالشکور لکھنوی نے مجموعہ تفاسیر میں قرآن کی روشنی میں پیش کیا۔ ہم نے بھی سیرۃ النبی اور تاریخ صحابہ و تابعین پر قرآنی اصولوں کی روشنی میں کام کیا ہے جو کئی مجلدات پر مشتمل ہے۔

فقہ اور قرآن:

فقہ میں استاد عزت دروزہ نے الدستور القرآنی کے نام سے اور ہم نے فقہ القرآن کے نام سے یہی کام کیا۔

تفسیر اور قرآن:

تفسیر کے حوالہ سے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عربی میں ''تفسیر القرآن بکلام الرحمان'' (مکمل قرآن کریم کی) اور حافظ عنایت اللہ اثری نے چند پاروں کی لکھی۔ اردو میں مولانا امین احسن اصلاحی نے قرآن کی روشنی میں تفسیر لکھنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

تصوف:

اسی طرح اگر مولانا حافظ محب الحق صاحب نے تصوف کو قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ کرنے اور دیکھنے کی کوشش کی تو اس میں کیا حرج ہے؟ ان کے علاوہ اسی حوالہ سے ایک کتاب ''تائید الحقیقہ من الآیات العتیقہ'' ہے ایک اور کتاب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی ''دلائل السلوک من کلام ملک الملوک'' ہے۔ علامہ سلیمان ندوی نے بھی سیرۃ النبی حصہ ششم میں اخلاقیات پر قرآن کی روشنی میں کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جو اپنی اپنی دلچسپی کے علوم کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ رہا ان کے نتائج فکر سے متفق ہونا یا نہ

Marfat.com

ہونا یہ بعد کی بات ہے۔[1]

حقانی سلسلہ کی چوتھی کتاب بلاغ الحق ہے جسے کم ضخامت میں عام قارئین کی سہولت کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اسے شرعۃ الحق کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں۔

O

حقانی سلسلہ کا شاہکار ''شرعۃ الحق'' کا تعارف

کتاب میں حمد ونعت کے بعد غرض تصنیف اور التماس مصنف ہے جس میں اپنا مسلک بتایا گیا ہے۔ اس کے بعد مقدمہ ہے جس میں پہلے قرآن، حدیث، فقہ اور عمل متواتر پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر مختلف مذاہب کا مختصر پس منظر بتایا گیا ہے۔

مقدمہ کے بعد کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ کے پندرہ ابواب میں چند اصولی مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ کے چھ ابواب میں قرآنی احکام کے چند اہم عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بنیادی سوچ: مولانا قرآن کریم کو ضروریات دین کے لیے مجمل نہیں مفصل مانتے ہیں۔ مگر بعض اہل قرآن کی طرح خود ساختہ ایجادات کو قرآن کے سر نہیں تھوپتے۔ وہ اس معاملہ کو اس اصول کے تحت حل کرتے ہیں کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ اسی طرح عربوں کی جانی بوجھی چیزیں اور اصطلاحات ہیں جس طرح طہارت، جنابت، حیض اور غائط کو بغیر تفصیل بتائے وہ سمجھتے تھے اسی طرح صلوٰۃ وزکوٰۃ کو بھی سمجھتے تھے۔ خود مولانا کے الفاظ میں:

> ''اتنے بیان سے میری غرض یہ ہے کہ محاورۂ زبان سے جسے اہل زبان سمجھتے ہیں وہ مجمل نہیں کہا جاتا اور جب محاورہ کے مفہوم سے سامع مطمئن ہوا تو وہ مفصل

---

(۱) قرآنی حاکمیت کے قائل اہل علم اگر اس قسم کی محنتوں میں دلچسپی لیں اور قرآنی دلائل کی روشنی میں ان پر تبصرے کریں تو وہ عمومی تنقید کرنے یا گڑے مُردے اکھیڑنے سے بہتر ثابت ہوگا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی دلائل السلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے اسی قسم کے اپنے دوست سے کہا کہ تصوف کے مستند نمائندوں نے اب قرآنی کچھار میں داخل ہو کر آپ کے لیے کام میں سہولت پیدا کر دی ہے۔ براہ کرم قرآن کی روشنی میں اس پر مفصل تبصرہ کریں۔ لیکن اب تک صدائے برنخواست۔

Marfat.com

ہے۔ جیسے خدا نے سرقہ کو نہ بیان کیا۔ زنا کو نہ بیان کیا۔ ربٰو کو نہ بیان کیا۔ اسی طرح صلوۃ وزکوۃ کو نہ بیان کیا۔ حج وطواف کو نہ بیان کیا۔ کیوں کہ یہ قوم کے مصطلح الفاظ ہیں۔ ان اصطلاحوں سے وہ کماحقہ واقف تھے۔ یہ کوئی فرشتوں کی اصطلاح نہیں ہے۔ عربی زبان میں قرآن اترا ہے۔ عربی زبان کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ اس لیے حکم صریح ہے صاف اور واضح ...... اسی لیے کبھی کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ یا رسول اللہ ما الصلوٰۃ؟ وما الزکوٰۃ؟ ...... اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وغیرہ احکام کی اصطلاح معلوم القوم تھی''۔ (زیر عنوان صلوٰۃ)

''صلوٰۃ کا لفظ قرآن مجید میں جہاں جہاں امر کے ساتھ یا صیغہ مضارع کے ساتھ آیا ہے الف لام کے ساتھ آیا ہے مثلاً اقیموا الصلوۃ۔ یقیمون الصلوۃ۔ یہ الف لام بھی بتا رہا ہے کہ صلوٰۃ معلوم القوم ہے۔ کوئی انوکھی لامعلوم اصطلاح نہیں ہے۔ قرآن لامعلوم اصطلاح میں نہیں اترا۔ عربی اصطلاح میں اترا ہے۔'' (زیر عنوان صلوٰۃ)

معجزات:

سرسید سے پرویز تک تمام جدیدیت پسند معجزات کی توجیہہ وتاویل کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے استاد اور نہایت کٹرے اہل حدیث عالم حافظ مولانا عنایت اللہ اثری گجراتی کا رنگ بھی یہی ہے مگر حافظ محب الحق صاحب اس نقطہ نظر کے بجائے الفاظ کی حاکمیت کو برقرار رکھتے ہیں اور عربی زبان کے محاورہ کے اعتبار سے جو معنی بنتا ہے اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اپنی کتاب دعوۃ الحق میں معجزات کا عنوان قائم کر کے انھوں نے اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے بیان کیا ہے۔ شرعۃ الحق میں بھی قانون فطرت اور قانون قدرت کے تحت اس پر گفتگو کی ہے۔

اہل قرآن:

پنجاب کے چکڑالوی اہل قرآن سے بھی انھیں اختلاف ہے۔ وہ اپنی کتاب شرعۃ الحق میں لکھتے ہیں:

''یہ نہ سمجھو کہ میری نسبت کلام ربانی قرآن مجید سے ہے تو میں اہل قرآن اس فرقہ کا ایک فرد ہو گیا جو فرقہ پنجاب میں نکلا ہے اور اہل قرآن ہونے کا مدعی

Marfat.com

ہے۔ کیوں کہ میں اہل قرآن، اہل حدیث، اہل فقہ وغیرہ سب ناموں کو بدعتی نام سمجھتا ہوں۔ جو نام رسول خدا ﷺ کے بعد نکلے اور جن ناموں کا نشان قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا، وہ نام خدا اور رسول کے دفتر میں نہیں ہیں۔''

۲۔ ''میں ہرگز اہل قرآن نہیں کیوں کہ اہل قرآن کا فرقہ بمقابلہ اہل حدیث اور بمقابلہ آریہ سماج نکلا ہے، اور اس نے قرآن کو چیستان اور معمٰی بنا کر اسے کھینچ تان کر، اس کی ہڈیاں مروڑ کر ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی ہے۔ الفاظ کے جوڑ توڑ سے ایسے معانی نکالے ہیں کہ قرآن کو سو دفعہ پڑھ جاؤ مگر وہ معانی کبھی سمجھ میں نہیں آنے کے۔

تیرہ سو برسوں کی نماز جو عمل متواتر سے ثابت ہے اس کے لیے یہ اصول گھڑ لیا گیا کہ نماز میں قرآنی ہی الفاظ ہوں ...... فرقہ اہل قرآن کی تمام تصانیف میری نظر سے نہیں گزریں، جو تین رسالے پڑھے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ وہ قرآن کی ہڈیاں مروڑنے، نئے احکام پیدا کرنے، نئی شریعت قائم کرنے اور اس دین میں جو تفرقہ مٹانے آیا تھا، تفرقہ ڈالنے کو کھڑا ہوا ہے اور میرا مقصد خدائی دین اسلام کو بیان کرنا ہے جو خود تفرقہ شکن ہے۔''

۳۔ ''نہ میں اہل حدیث ہوں جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیعوں کی طرح تبرائی ہیں، کہ کمزور ضعیف اور مشتبہ حدیثوں کو بھی رسول خدا ﷺ کے ساتھ منسوب کر کے جب تک اس میں قطعیت پیدا نہ ہو، اپنا ٹھکانہ خطرناک بناؤں اور قرآن کو بایں ہمہ تواتر حدیث سے منسوخ کرنے یا حدیث سے مخصوص و محدود کرنے یا قرآن پر اضافہ کرنے کو کھڑا ہو جاؤں کہ یہ بھی نسخ قرآن ہے۔''

۴۔ ''فقہ کی اصلیت تو قرآن میں پائی جاتی ہے، اس لیے تفقہ سے مجھے انکار نہیں ...... دین میں سمجھ پیدا کرنا تفقہ ہے اور حسب فرمان خداوندی ایک جماعت ایسی ہر زمانہ میں ہونی ضرور ہے۔ تفقہ ختم رسالت کی طرح اختتام پذیر نہیں۔''

۵۔ ''ہاں میں مسلمان ہوں اور خالص مسلمان۔ الا للہ الدین الخالص نہ

1591556

Marfat.com

میں اس کے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہوں کیوں کہ وہ خود ہی شریک نہیں کرتا ولا یشرك فی حكمه احدا (سورہ کہف) اس کے حکم میں کسی کو بھی شریک کرنا ممنوع اور شرک فی الحکم ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دلی مقصود یہی تھا کہ خدا کے بندے خدا کے ہو رہیں۔ اس لیے خدا کی محبت عین رسول خدا ﷺ کی محبت ہے۔ تو خدا کی محبت نے، اس کی عظمت وجلالت نے، اس کی قدوسیت وتنزہ نے میرے دل میں کسی کی جگہ نہیں چھوڑی تو اس کے سوا میں کتنے معبود بناؤں اور اس کے سوا کس کس کے آگے جھکوں؟''

۶۔ ''قوم کی نسبت خدا سے ٹوٹ گئی ہے...... وہ خدا کے فرمان پر چلنے کو تیار نہیں بلکہ اپنے احبار ورھبان کی فرماں بردار ہوگئی ہے اسی لیے وہ برے حال کو پہنچ گئی ہے۔ حقیقی اسلام آشکارا کرنے سے میری نیت یہی ہے کہ بندوں کی نسبت خدا سے پھر جوڑوں اور قوم کو شرک فی الحکم اور شرک فی النبوت کے گڑھے سے نکالوں تاکہ وہ روشنی جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں ضوفشاں تھی وہ پھر تاباں ہو۔''

(یہ چھ اقتباسات شرعۃ الحق کے شروع میں التماس مصنف سے لیے گئے ہیں)

مؤلف کے مسلک اور ان کے نقطۂ نظر کی خود ان کے الفاظ میں مختصر تفصیل ملاحظہ کرنے کے بعد اب ان کے متعلق ان کے بعض ہم عصر اہل علم کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

۱۔ شاہ بدرالدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ پھلواری شریف اور امیر شریعت صوبہ بہار دعوۃ الحق پر ان کی تقریظ کے الفاظ یہ ہیں:

تقریظ

جامع علوم ظاہری منبع علوم باطنی قدوۃ السالکین مولانا شاہ محمد بدرالدین صاحب قادری دامت برکاتہ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری ضلع پٹنہ وامیر شریعت صوبہ بہار

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا و مولانا محمد داعی الخلق الی الاسلام و علیٰ آلہ و اصحابہ و متبعہ و احبابہ الی یوم

Marfat.com

القیامہ۔ اس رسالہ دعوۃ الحق کو ربع کے قریب خود جناب حافظ محب الحق صاحب مصنف رسالہ کی زبان سے میں نے سنا اور بہت محظوظ ہوا۔ بقیہ کو آخر تک مطالعہ کیا۔ حق یہ ہے کہ جس مضمون میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور جس خوبی کے ساتھ اول سے آخر تک تمام کیا گیا ہے آج تک میں نے نہ دیکھا تھا اور نہ سنا۔ میں جس قدر اس کے مضامین سے خوش ہوا ہوں اس کی شہادت میری اس دعا سے ظاہر ہے جس کو معزز و کامیاب مصنف کے حق میں لکھتا ہوں جزاہ اللہ تعالیٰ عنی و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء مجھے امید واثق ہے کہ طالبان راہ حق اس دعوت کو ضرور لبیک کہیں گے اور کل افراد اسلام بلا تخصیص مذہب جن کے پاس یہ رسالہ پہنچے گا شوق سے مرحبا کہہ کر اس کا خیر مقدم کریں گے۔ میرے حسن ظن کے موافق اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبولیت تام کا درجہ عطا فرمائے والحمدللہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم و شرف و کرم۔

خادم رسول اللہ الامین محمد بدرالدین قادری پھلواروی
اصلح اللہ حالہ۔ ۱۲ صفر شبہ ۱۳۲۴ ہجری نبویؐ

شرعۃ الحق اور منہاج الحق کے متعلق یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''میں نے وعدہ کیا تھا کہ عنداللہ اپنی رائے دوں گا تو مجھے کہیں بھی اختلاف نہیں۔ صرف پیری مریدی کے مسئلہ میں جو منہاج الحق میں ہے مجھے اختلاف ہے۔'' (اقتباس از مقدمہ بلاغ الحق)

۲۔ مولانا عین الحق صاحب پھلواروی کا شرعۃ الحق کے متعلق تاثر:

''بھئی اس سے میرے بہت سے عقائد کی صحت ہوگئی۔ للہ یہ کتاب مجھے دو کہ میں بار بار دیکھوں تاکہ یہ آیتیں دماغ میں اتر جائیں کیونکہ وہ بھولتی جاتی ہیں اور جمے ہوئے عقائد رفتہ رفتہ پھر اپنی جگہ بنالینا چاہتے ہیں۔'' (مقدمہ بلاغ الحق)

۳۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کا ارشاد:

''مجھ کو تو اس کتاب سے کہیں بھی اختلاف نہیں۔ قرآن مجید کی آیتوں سے کون مسلمان اختلاف یا انحراف کرسکتا ہے۔ حدیث کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ انکار نہیں تنقید ہے۔ رسول کے فرمان سے انکار اور بات ہے اور رسول کے فرمان

Marfat.com

ہونے سے انکار اور بات ہے۔ یہ کہنا کہ فلاں حدیثیں رسول کی نہیں یا قرآن کے خلاف حدیثیں صحیح نہیں، تنقید ہے۔ فرمانِ رسول کا انکار نہیں۔ حدیث کی تنقید شروع سے چلی آ رہی ہے۔ اسی بنا پر حدیثیں جمع ہوئیں۔ بہرحال قرآن کے مقابلہ میں تو کوئی چیز سند نہیں ہوسکتی۔" (مقدمہ بلاغ الحق)

ان تینوں حضرات میں سے شاہ بدرالدین صاحب مشہور حنفی اور خانقاہی عالم ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے والد کی کتاب "نزھۃ الخواطر" کی آٹھویں جلد میں ان کے متعلق اپنے والد کی تحریر کی تکمیل کی ہے۔

والد نے یہ الفاظ لکھے ہیں الشیخ العالم الفقیہ الزاھد ...... احد کبار المشائخ اور علی میاں نے لکھا ہے کہ بہار میں انھیں زبردست مقبولیت حاصل تھی۔ ان کے حق کہنے کی جرأت، پاکیزگی نفس، زہد اور علم کی بڑی شہرت تھی اور امت کو ان سے بہت نفع ہوا۔ اسی لیے ان کو امیر شریعت بہار کا منصب عطا کیا گیا۔ ۱۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ (ص ۸۹)

مولانا عین الحق پھلواروی کے متعلق الفاظ یہ ہیں:

الشیخ العالم المحدث۔ احد العلماء الربانین کان من اھل بیت العلم والمشیخه یعنی نہ صرف علماء ومشائخ کے گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ خود بھی عالم ومحدث اور خدا رسیدہ علماء سے تھے۔ اسی خدا رسیدگی کی وجہ سے سجادہ نشینی چھوڑ کر خانقاہی معاملات سے الگ ہو گئے تھے۔ ۱۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ (نزھۃالخواطر ج ۸ ص ۳۳۸)

مشہور اہل حدیث عالم مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے لیے تراجم علماء حدیث مؤلفہ ابویحییٰ خاں نوشہروی میں استاذ الاساتذہ کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اہل حدیثوں کے ہاں اپنے علم وفضل اور درس وتدریس میں شہرت کے حوالہ سے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی کے بعد انہی کا مقام ہے۔ ان کے شاگردوں میں ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (جو مولانا امین احسن اصلاحی کے استاذ حدیث ہیں) سیرۃ البخاری کے مصنف مولانا عبدالسلام مبارک پوری۔ مولانا عین الحق پھلواروی۔ جماعت اہل حدیث کے صدر اور سیاسی قائد مولانا داؤد غزنوی وغیرہ سیکڑوں اہل حدیث علماء ومشاہیر شامل ہیں۔

نزھۃ الخواطر میں الشیخ الصالح العلامہ کے القاب سے ان کے تذکرہ کی ابتدا کی گئی ہے

Marfat.com

اور انھیں احسن العلماء المبرزین فی الفقہ والحدیث قرار دیا گیا ہے۔ یعنی حدیث وفقہ میں نہایت نمایاں علماء میں سے ایک ہیں۔

جائزہ:

آخر میں ہم حافظ صاحب کا امام شافعی کے نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

ہم کتاب کے شروع میں تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ امام شافعی (اور اکثر اہل حدیث بھی اس معاملہ میں انہی کے مقلد ہیں) کے نزدیک منکر حدیث کون ہیں اور اہل قرآن کے نزدیک منکر قرآن کون ہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ:

امام شافعی کے (اور اکثر اہل حدیث کے) نزدیک منکرین حدیث تین قسم کے ہیں:

۱۔ اول درجہ کے منکر حدیث وہ ہیں جن کے نزدیک رسول اللہ اور صحابہ نے کس طرح قرآن پر عمل کیا، اس کے لیے بھی کسی حدیث یا روایت کی ضرورت نہیں۔

۲۔ دوسرے درجہ کے منکر حدیث وہ ہیں جو قرآن پر رسول اللہ اور صحابہ کے اجماعی متواتر عمل کو تو اہمیت دیتے ہیں۔ باقی کسی اور کام کے لیے احادیث و روایات کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یعنی خبر واحد کو مذہبی طور پر وہ اہمیت نہیں دیتے۔

۳۔ تیسرے درجہ کے منکر حدیث وہ ہیں جو نہ صرف رسول اللہ اور صحابہ سے متواتر عمل قرآن کو اہمیت دیتے ہیں بلکہ اجماع کو بھی مانتے ہیں اور باقی غیر متواتر روایات کو بھی جو سند کے اعتبار سے صحیح ہوں بعض شرائط کے ساتھ مانتے ہیں جن میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کریم کی کسوٹی کے مطابق ہوں۔

امام شافعی اس آخری شرط کو حدیث کی توہین قرار دیتے ہوئے اسے استقلال حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب کوئی روایت سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہوگئی تو وہ حدیث رسول ہوگئی۔ اس کے لیے قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی شرط لگانا دراصل رسول کی توہین کرنا ہے۔ اور انکار حدیث ہی کی ایک شکل ہے۔ حدیث کے قرآنی کسوٹی سے آزاد ہونے کا نام ان کے نزدیک استقلال حدیث ہے۔

چوں کہ قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کی بات حنفی اصول فقہ کی اہم ترین بات ہے (حنفی کتب کے حوالہ سے اس پر تفصیلی گفتگو کتاب کے ابتدائی ابواب میں کی گئی ہے) اس لیے حنفی تیسرے

Marfat.com

درجہ کے منکر حدیث ہوئے۔ تاریخ فقہ اسلامی میں علامہ خضری مصری امام شافعی کی کتاب الام سے تینوں قسم کے منکرین حدیث کی تفصیل درج کر کے تیسرے نمبر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''فقہاء عراق یعنی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا رجحان اسی طریقہ کی طرف ہے، اور امام ابو یوسف نے سیر الاوزاعی کی تنقید میں جو کتاب لکھی ہے اور امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں جس کو نقل کیا ہے (اور اس کی تردید کی ہے) اس کے باب ''سوار اور پیادہ'' کے حصہ مال غنیمت میں اس معنی کی توضیح ہے۔

چنانچہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ تم صرف اس حدیث کو لو جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو، اور شاذ حدیث کو چھوڑ دو۔ کیوں کہ ہم سے ابن ابی کریمہ نے انھوں نے ابوجعفر (باقر) سے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے یہود کو بلایا اور انھوں نے آپ سے حدیث بیان کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا کہ عنقریب (میرے نام سے) حدیث پھیلے گی تو (مجھ سے منسوب) جو حدیث قرآن کے مطابق ملے وہ تو میری حدیث ہے لیکن جو قرآن کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں۔''

(ص ۲۶۳)

''تو تم شاذ حدیث سے احتراز کرو، اور وہ حدیث لو جس پر جماعت کا اتفاق عام ہے اور اس کو فقہا جانتے ہیں اور جو چیز قرآن کے مخالف ہو گو اس کی روایت کی جائے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔'' (پھر اپنی تائید میں ایک حدیث پیش کی ہے)

امام ابو یوسف کا یہ اقتباس اور کئی طویل اقتباسات مزید نقل کر کے مؤلف کتاب خضری لکھتے ہیں ''امام شافعی نے اس رائے پر نکتہ چینی کی ہے اور اس کو رد کیا ہے۔ اور جمہور اہل حدیث بھی اس (حنفی اصول) کے مخالف ہیں۔'' (ص ۲۶۶)

(تاریخ فقہ اسلامی مترجم مولانا عبدالسلام ندوی۔ دارالمصنفین ایڈیشن کا عکس نیشنل فاؤنڈیشن کراچی)

Marfat.com

امام شافعی کی اس درجہ بندی کے مطابق خاندانی حنفی ہونے کی وجہ سے شرعۃ الحق کے مؤلف حافظ محب الحق صاحب تیسرے درجہ کے منکر حدیث تو ہیں ہی۔ ممکن ہے بعض علماء کی زودحسی انھیں اس سے بھی اونچے درجہ دوم کا منکر حدیث قرار دے۔ اگرچہ شاہ بدرالدین جیسے حنفی امیر شریعت اور مولانا عبداللہ غازی پوری اور شاہ عین الحق پھلواری جیسے مشہور اہل حدیث علماء نے ان کے تحریری خیالات جاننے کے بعد بھی انھیں منکر حدیث قرار دینے کے بجائے ان کی تائید کی ہے۔ ان کی کتاب شرعۃ الحق کے مطالعہ کے بعد اس کی روشنی میں درست فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں۔

O

برصغیر میں حافظ صاحب کے نقطہ نظر کو پھیلنے کا خاصا موقعہ ملا۔ ان کے سب سے اہم موید تو اہل حدیث گھرانے کے ایک مشہور عالم مؤرخ اور مولانا محمد علی جوہر و علامہ اقبال کی پسندیدہ شخصیت مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری ہیں جو مولانا جوہر کی جامعہ ملیہ کی ابتدا سے اپنی وفات تک استاد رہے۔ ان کا تذکرہ ہم اگلے باب میں کریں گے۔

ان کے علاوہ دوسری نمایاں شخصیت بھوپال کے جناب مولانا اسدالرحمن قدسی کی ہے جو خانقاہی سلسلہ سے منسلک تھے۔ ان کی سوانح تذکرہ قلندر زماں کی تفصیلات کے مطابق ان کے بڑے گہرے روابط پیر جماعت علی شاہ اور خواجہ حسن نظامی سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی صاحب تک سب سے تھے۔

قدسی صاحب نے نہ صرف حافظ صاحبؒ کی سلسلۂ حقانیہ کی کتابوں کو دوبارہ شائع کیا بلکہ خود بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں جو پاک و ہند میں بار بار چھپتی رہیں۔ پاکستان آنے کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ ان کی خانقاہ یا مزار جہلم میں کسی مقام پر ہے۔ (ان کی وفات پر فکرونظر اسلام آباد میں ان کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا تھا)

تیسری نمایاں شخصیت مولانا عبداللہ یاسین حسنی کی ہے۔ جن کا سلسلہ مشیخیت جنوبی ہند میں معروف رہا ہے۔ بہار، دکن، ...... اور صوبہ بمبئی میں لاکھوں کی تعداد میں مریدین اور معتقدین ہیں۔ حسنی صاحب نے فارسی اور عربی کی تکمیل کے بعد خاندانی ذمہ داریاں پوری تندہی سے انجام دینی شروع کیں اور خاصی عزت و شہرت پائی۔ بالآخر قرآن کی چوکھٹ تک

Marfat.com

پہنچے اور بقول ان کے:

''مجھے محسوس ہونے لگا کہ حسبنا کتاب اللہ اور اس کی تعمیلی شکل لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ہے جو قرآن میں اور ان صحیح حدیثوں میں موجود ہے جو قرآن کے خلاف نہیں ہیں۔ بقول اقبال:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(مقدمہ روح القرآن)

قرآن کریم سے اس محبت و عقیدت کے نتیجہ میں انھوں نے بڑی محنت سے ایک کتاب ''روح قرآن'' کے نام سے مرتب کی جس کے تین حصے ہیں۔ بقول ان کے ''یہ کتاب گویا قرآن شریف کا مختصر سا تعارف نامہ ہے......'' جہاں تک معلوم ہے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ اس میں دنیائے انسانیت کے پیش آمدہ مسائل اور اصول اور احکام دین کو قرآنی حکمت و عرفان اور فرقانی دلائل و براہین کے ذریعے بصورت مکالمۂ انسان و قرآن نہایت آسان اور دلنشین انداز میں قرآن ہی کی زبان سے حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حسب حال موزوں اور برمحل آیات کی تلاش و جستجو میں جس قدر دیدہ ریزی اور جگر سوزی سے کام لیا گیا ہے اس کا اندازہ اہل نظر خود کر سکیں گے۔'' (مقدمہ روح القرآن حصہ اول)

پاکستان میں یہ کتاب حسن لائبریری اقبال روڈ، ٹنڈو آدم سندھ سے شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کا کچھ حصہ ماہنامہ روحانی دنیا کے مالک و مدیر جناب کاش البرنی نے شائع کیا جو حسنی صاحب کے معتقد تھے۔

اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے لاہور کے جناب رفیق چودھری صاحب نے بھی ایک کتاب ''قرآن سے انٹرویو'' مرتب کی ہے مگر افسوس حسنی صاحب کا اعتراف نہیں کیا۔

O

Marfat.com

حنفی مسلک اعتدال

امام شافعی کے حوالہ سے منکرین حدیث کے جن تین درجوں کی بات ہم نے تفصیل سے پیش کی ہے اور جس میں تیسرا درجہ حنفیوں کا ہے اس کی وضاحت گزر چکی۔ بات کے تسلسل کے لیے اس کا خلاصہ پھر عرض کر دیتے ہیں کہ اگرچہ حنفی قرآن سنت متواترہ اور اجماع کے ساتھ اخبار آحاد یعنی غیر متواتر روایات کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کے لیے سند کے ساتھ کچھ اور شرائط بھی لگاتے ہیں جن میں ایک شرط یہ ہے کہ روایت قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق ہو۔ امام ابو یوسف کے الفاظ میں:

فما خالف القرآن فليس عن رسول الله ﷺ و ان جاءت به الروايه

جو بات قرآن کریم کے خلاف ہو، وہ رسول اللہ کی حدیث ہو ہی نہیں سکتی اگرچہ اسے آپؐ کی طرف منسوب کر کے ہی کیوں نہ روایت کیا گیا ہو۔

روایت پسندوں کی طرف سے اس اصول کی بنا پر حنفیوں پر تنقید کی جاتی ہے اور انھیں تیسرے نمبر کا منکر حدیث قرار دیا جاتا ہے (نئے اہل حدیثوں کی زبان میں گلابی منکر حدیث)

امام شافعی اپنی کتاب الام کی آخری جلد میں جہاں امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کی عبارتیں نقل کر کے اس پر تنقید کرتے ہیں وہاں اس حنفی اصول پر بھی انھوں نے تنقید کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بغیر نام لیے ایک اور کتاب ''جماع العلم'' اور ''کتاب الرسالہ'' میں تنقید کی ہے۔ اہل حدیثوں کا عام نقطہ نظر یہی ہے حتی کہ حنفی اپنے اس قرآنی اصول کی تائید مزید میں جس روایت کو پیش کرتے ہیں اس کے لیے اہل حدیث حضرات **وضعته الزنادقه** کہتے ہیں۔ شاید ان کے نزدیک حنفی ائمہ ہی وہ زندیق ہیں جنھوں نے یہ روایت گھڑی ہے۔ کیوں کہ وہی قرآنی کسوٹی کے اصول کو اور اس کی تائید میں اس روایت کو پیش کرتے ہیں۔

حنفی مسلک اعتدال کو جاننے اور قرآنی کسوٹی والے ان کے عظیم اصول سمجھنے کے لیے اس دور کا ماحول معلوم ہونا ضروری ہے۔ ایک طرف اہل قرآن ہیں جو سنت متواترہ کو تو تسلیم

Marfat.com

کر لیتے ہیں لیکن غیر متواتر روایات یعنی اخبار آحاد کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ دوسری طرف وہ روایتی انتہا پسند ہیں جو متواتر اور غیر متواتر میں فرق کرنے کے لیے ہی تیار نہیں۔ ان کے نزدیک ان کے زعم کے مطابق جو روایت سند کی رو سے صحیح ثابت ہوگی وہ یقینی قول رسول ہے۔ اس میں چوں و چرا کرنا، قول رسول سے انکار کرنا ہے۔ لہٰذا کیا عقائد اور کیا احکام، ان غیر متواتر، ظنی اور غیر یقینی روایات سے تمام چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے لیے قرآنی کسوٹی یا کوئی اور مزید شرط لگانا گمراہی ہے۔

حنفی اور مالکی:

ان دونوں انتہا پسندوں کے مقابلہ میں حنفی اور مالکی مکاتب فکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح قرآن کے سامنے سر تسلیم خم ہے اسی طرح اس کی متواتر شرح رسول پر بھی سر تسلیم خم ہے۔ لیکن جو رسول اللہ ﷺ کی باتیں ہم تک اس طرح تواتر سے نہیں پہنچیں ان پر اعتماد کے لیے سند کے ساتھ مزید احتیاطی پہلو بھی پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ ان مزید شرائط میں حنفیوں کے ہاں ایک نمایاں شرط، اس غیر متواتر روایت کا قرآنی کسوٹی پر پورا اترنا بھی ہے۔ مالکیہ کے احتیاطی پہلوؤں میں یہ قرآنی کسوٹی کی شرط بھی ہے مگر زیادہ مشہور شرط یہ ہے کہ روایت "عمل اہل مدینہ" کے خلاف نہ ہو۔ کیوں کہ یہ رسول اللہ اور خلافت راشدہ کا مرکز رہا ہے۔ اگر یہاں والے کسی روایت کو نہیں جانتے تو اس کی حیثیت معیاری نہیں رہتی۔

امام شافعی:

ان کے بعد امام مالک اور حنفی امام محمد کے شاگرد امام شافعی آئے اور انھوں نے ان غیر منظم روایت پسندوں کی قائدانہ نمائندگی کی جن کا اب تک کوئی طاقتور نمائندہ سامنے نہیں آ پایا تھا۔

امام شافعی نے اگرچہ اتنی انتہا پسندی تو نہیں دکھائی جتنی بعض کٹر روایت پسند مثلاً امام یحییٰ بن کثیر اور امام اوزاعی دکھاتے تھے کہ **السنة قاضية على كتاب الله** (دارمی) جو اہل قرآن کے نزدیک تو تحریف قرآن کے قائل شیعوں کی طرح اگر اول مرتبہ کے منکر قرآن نہ بھی قرار دیے جائیں تب بھی حدیث کو قرآن پر قاضی قرار دینے کی وجہ سے دوسرے نمبر کے

Marfat.com

منکر قرآن تو بہر حال ہیں۔ غرض امام شافعی نے اس انتہائی غلو کا تو مظاہرہ نہیں کیا مگر استقلال حدیث کے نام پر اپنے استاد امام مالک کے اصول عمل اہل مدینہ کی اور حنفیوں کے اصول "قرآنی کسوٹی" پر روایات کو پرکھنے کی سخت مخالفت کی۔ اس کے بعد ان کے شاگردوں کی دوسری نسل میں امام داؤد ظاہری اور امام بخاری آئے جو نہ صرف اپنے نقطہ نظر کے مخالفوں کے لیے اپنے استاذ الاساتذہ سے بھی زیادہ سخت تھے بلکہ علامہ انور شاہ کی تحقیق کے مطابق امام بخاری بھی اپنے ساتھی کی طرح چوتھے ماخذ قیاس کے منکر تھے۔ (فیض الباری)

امام داؤد کی کتابیں تو اب نہیں ملتیں، ان کے نمائندے امام ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ کی ملتی ہیں مگر امام بخاری کی حدیث و رجال پر کئی کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت بخاری شریف کو حاصل ہے۔ امام بخاری کی شدت پسندی کا آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کو اسلام کا دشمن اور تاریخ اسلام کا سب سے بدترین شخص قرار دیتے ہیں۔ ان کے اصل الفاظ ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔ ان کے نزدیک ہر وہ شخص جو رفع یدین نہیں کرتا (یعنی تمام حنفی اور مالکی) وہ دشمن سنت ہیں۔ (جزء رفع الیدین مؤلفہ امام بخاری)

O

مخالفین احناف:

حنفی مسلک اعتدال کے خلاف مخالفین نے اتنے جارحانہ انداز میں مسلسل پروپیگنڈہ کیا ہے (اب بھی بعض اہل حدیث حضرات اس میں لگے ہوئے ہیں) کہ اپنے نقطۂ نظر سے ناواقف بعض حنفی علماء بھی اس کا شکار ہو گئے۔

ایسے وسیع النظر علماء تو خال خال ہی ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے ائمہ کی کتابیں مثلاً الرد علی سیر الاوزاعی براہ راست پڑھی ہوں یا کم از کم امام شافعی کی کتاب الام کی وساطت سے اس کا اور اس پر کی گئی امام شافعی کی تنقید کا تقابلی مطالعہ کیا ہو۔ (شاید حنفی علماء میں ہزاروں میں ایک شاہ ولی اللہ دہلوی تھے جنھوں نے کتاب الامؒ کا مطالعہ کیا تھا۔ اسی ضمن میں الرد علی سیر الاوزاعی اور اس پر امام شافعی کی تنقید کا بھی مطالعہ کیا ہوگا)

ایسے علماء بھی کم ہیں جنھوں نے متوسط دور کے ائمہ احناف کی کتب مثلاً چوتھی صدی ہجری کے امام جصاص رازی کی احکام القرآن یا پانچویں صدی کے امام بزدوی اور امام سرخسی

Marfat.com

کی اصول فقہ پر کتابوں کا مطالعہ کیا ہو جن میں عرض علی القرآن (قرآنی کسوٹی) کا اصول پیش کیا گیا ہے۔ البتہ اصول شاشی ہمارے درس نظامی کی بنیادی اصول فقہ کی کتاب ہے۔ اس میں یہ حنفی اصول اور اس کی تائید مزید کے لیے حدیث پیش کی گئی ہے۔ مگر ابتدائی دور کا یہ مطالعہ عموماً یاد نہیں رہتا۔ البتہ آخری سال کے دورہ حدیث کے مباحث نسبتاً تازہ ہوتے ہیں اور وہی ذہن نشین رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ عام مدرس یا واعظ اور صوفی علماء احناف کا اپنے مخالفین کے برپا کردہ اس سیلاب کی رو میں بہہ جانا ان کے غیر مفکرانہ مزاج کی وجہ سے تعجب کی بات نہیں۔ ہاں اگر صاحب فکر علماء بھی اس رو میں بہہ جائیں تو یہ تعجب کی بات ہے۔

ایک معاصر کا تجزیہ:

حال ہی میں ایک کتاب ہماری نظر سے گزری جس کے دیباچے میں ایک معاصر صاحب علم وفکر نے موجودہ مسلم معاشرے کا فکری پس منظر بتاتے ہوئے بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے۔ اس کے بعد اپنی طرف سے تین اصولی گزارشات تحریر کی ہیں جن میں سے تیسری پر ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اس توقع کے ساتھ کہ شاید:

رفتہ رفتہ آئے گا ان کو خیال
رفتہ رفتہ بے خیالی جائے گی

معاصر محترم کی ان اصولی گزارشات میں تیسرے نمبر پر ان کا ارشاد گرامی یہ ہے:

ایک رجحان آج کل عام طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ سنت مستقل ماخذ قانون نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت ثانوی ہے اور قرآن کریم کے ساتھ اس کی مطابقت کی صورت میں ہی اسے احکام وقوانین کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بظاہر بہت خوب صورت بات ہے، لیکن اس صورت میں اصل اتھارٹی سنت نہیں بلکہ مطابقت تسلیم کرنے یا نہ کرنے والے کا ذہن قرار پاتا ہے کہ وہ جس سنت کو قرآن کریم کے مطابق سمجھ لے، وہ قانون کی بنیاد بن سکتی ہے اور جس سنت کو اس کا ذہن قرآن کریم کے مطابق قرار نہ دے، وہ احکام وقوانین کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

یہاں ایک بات یہ بھی مغالطہ کا باعث بنتی ہے کہ قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کے ارشادات میں مطابقت کے لیے عقل عام کو معیار تسلیم کر لیا جائے تو معاملہ قرین قیاس ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ مگر یہ سراسر مغالطہ ہے، اس لیے کہ عقل عام کی بنیاد میسر معلومات، مشاہدات اور تجربات پر ہوتی ہے جن کے دائرے زمان و مکان، دونوں حوالوں سے تغیر پذیر رہتے ہیں، اس لیے عقل عام کو قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح یا ان کے درمیان تطبیق وتوفیق کا حتمی معیار قرار دینے کا مطلب قرآن وسنت کو کسی ایک دور یا علاقہ کی عقل عام کا پابند بنا دینے یا ہر زمانہ اور علاقہ کے لیے الگ الگ تعبیر وتشریح کا دروازہ کھول دینے کے مترادف ہوگا، اس لیے صحیح راستہ یہی ہے کہ سنت کو ثانوی درجہ کا ماخذ قانون قرار دینے کے بجائے اسلامی قانون سازی کا مستقل ماخذ اور قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کا حتمی معیار تسلیم کیا جائے۔'' (دیباچہ از شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی صاحب ص ۱۰۔۱۱۔ یہ دیباچہ صاحبزادہ مولانا عمار ناصر کی فاضلانہ کتاب ''حدود وتعزیرات'' پر ہے جسے المورد لاہور نے شائع کیا ہے۔)

معاصر محترم کی اس تیسری اصولی گزارش میں قرآنی کسوٹی کے جس اصول کی، ذوق و رجحان کے حوالہ سے مذمت کی گئی ہے اور حدیث کو قرآن کے ماتحت رکھنے کی مخالفت کرتے ہوئے امام شافعی کے استقلال حدیث کے فلسفہ کی تائید کی گئی ہے، ہم اس پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ قرآنی کسوٹی والے اس عظیم حنفی اصول کی ہمارے نزدیک بڑی زبردست اہمیت ہے۔

وضاحت:

ہم اپنی گزارشات پیش کرنے سے قبل ابتدا ہی میں ایک مغالطہ سے بچنے کے لیے دوبارہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ متفقہ سنت متواترہ جو قرآن کی طرح ہم تک یقین سے پہنچی شرح رسول ہے، ان دونوں چیزوں (لاریب فیہ کلام اللہ اور یقینی شرح رسول) پر کسی مسلمان کے چون و چرا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اجماعی متواتر سنت امام شافعی جیسے کٹر روایتی بزرگ کے نزدیک صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج وغیرہ کی متفقہ ہیئت تک ہی محدود ہے۔ غرض متفقہ سنت رسول پر (اور ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک متفقہ متواتر اجماع صحابہ پر بھی) تو یہاں گفتگو ہے ہی نہیں۔

گفتگو اس حصہ کے متعلق ہے جسے یقین کا یہ مقام حاصل نہیں ہے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی جو بینات میں سے نہیں ہے (تدوین حدیث) اور جنھیں محدثین کی زبان میں اخبار

Marfat.com

آحاد کہا جاتا ہے۔ ان روایات کے لیے عام سند کے ساتھ اگر احناف نے بعض اور شرائط کی بھی ضرورت محسوس کی جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان غیر متواتر روایات کو قرآنی اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس اصول کو ناپسند کرنا اور ان غیر یقینی روایات کو قرآنی کسوٹی پر پرکھنے سے انکار کرنا اور اسے سنت کے استقلال کے منافی قرار دینا کس حد تک درست ہے؟

اگر ہم قرآنی اصول و قواعد کو ان غیر متواتر اور غیر قطعی روایات کے لیے معیار نہیں بنائیں گے تو پھر کسے بنائیں گے؟

آخر ظنی کو اگر قطعی کے ماتحت نہیں رکھیں گے تو کیا اسے قاضی علی القرآن[1] قرار دیں گے؟

O

رہا ذوق و رجحان کا خدشہ تو اس سے ظنیات اور غیر قطعیات میں مکمل گریز ممکن ہی نہیں۔ یہ تو ہر معاملہ میں اثر انداز رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ آخر فقہی مسالک اربعہ (یا ظواہر و اہل حدیث، خارجی اور شیعوں کی زیدی و جعفری و بوہری فقہوں کو ملا کر مسالک عشرہ جن کا مطالعہ جامعہ ازہر میں کرایا جاتا ہے) کی رنگارنگی کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہی تو ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ۔

اگر کم از کم مسالک اربعہ والے ہی اس معیار (لاریب فیہ قرآن و سنت) پر متفق ہو جائیں تو غیر متفقہ روایات کی تصحیح و تضعیف کے لیے نسبۃً آسان اور عام فہم حل یہی ہو سکتا ہے۔

O

ذوق اور رجحان کو اگر اسی طرح ہوّا بنایا گیا تو اس سے تو کہیں بھی پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا۔ کیوں کہ جہاں روایت کے متن کو قرآنی کسوٹی پر پرکھنے کے خطرات گنوائے جا رہے ہیں۔ اسی طرح سند کے حوالہ سے بھی یہ تمام بلکہ اس سے زیادہ خطرات موجود ہیں۔ اس لیے کہ روایت کے متن کو اگر قرآنی اصولوں کی روشنی میں پرکھتے ہوئے ذوقی اختلافات پیدا

---

(۱) قرآن اس معاملہ میں واضح ہے کہ کل دین عقائد و ایمانیات قرآن میں بیان کر دیے گئے ہیں سورہ یونس: ۳۷، سورہ یوسف: ۱۱۱، سورہ النحل: ۸۹، قرآن اس معاملہ میں بھی صریح ہے کہ تمام اختلافی امور میں قرآن ہی کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے سورہ طارق: ۸۶، سورہ البقرہ: ۱۸۵، سورہ انعام: ۱۱۴، سورہ اعراف: ۱۸۵، سورہ النساء: ۱۰۵، سورہ النحل: ۴۴، ۶۴، سورہ النمل: ۷۶، سورہ شوریٰ: ۱۰ وغیرہ

Marfat.com

ہوں گے تو قرآنی معیار تو سب کے سامنے موجود ہے ہی۔ اس کی روشنی میں تیسرا شخص خود تقابلی مطالعہ کر کے کسی فیصلہ تک پہنچ سکتا ہے لیکن روایتی یا سندی تحقیق میں جو ذوق، رجحان اور ماحول کے پس منظر کا اثر پڑتا ہے اسے بعد والے کس طرح چیک (Check) کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے محدثین کی تصحیح و تضعیف بھی بنیادی طور پر اجتہادی ہی ہوتی ہے۔ یہ بات حنفی اصول حدیث کی کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں دیکھی جا سکتی ہے جسے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ایڈٹ کیا ہے جو دراصل مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی کی اعلاء السنن کا مقدمہ انہاء السکن ہے۔

غرض یہ کہ ایک محدث کسی راوی کے متعلق اپنے جو تاثرات قائم کرتا ہے وہ اس کے ذوق و رجحان سے بالا نہیں ہوتے۔ ایک ہی راوی کے متعلق مختلف حضرات کے تاثرات میں اختلاف کی ایک اہم وجہ یہی ہے۔

امام اعظم اور امام بخاری:

اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں:

امام اعظم ابوحنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ کی ہے اور امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ کی ہے۔ یعنی دونوں کی وفات کے درمیان ۱۰۶ سال کا فرق ہے۔ حنفیوں کی تحقیق کے مطابق امام اعظم صغار تابعین میں سے ہیں اور امام بخاری کو تابعی تو کیا، تبع تابعی ہونے کا شرف بھی حاصل نہیں ہے۔ یعنی امام اعظم تابعی ہوں یا تبع تابعی، خیرالقرون کے دور کے ہیں اور امام بخاری خیرالقرون کا دور ختم ہو جانے کے بعد کے ہیں۔

حنفیوں کے لیے امام اعظم اور امام بخاری دونوں محترم ہیں اگرچہ امام اعظم کا مقام کیا حدیث میں، کیا فقہ میں، کیا علم الکلام میں اور کیا بردباری اور اخلاق میں ان کے شاگردوں کی چوتھی نسل کے معاصر امام بخاری سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حنفی علماء و محدثین کے اس نقطہ نظر کے برخلاف امام بخاری اپنے اساتذہ اور اپنے تعلیمی ماحول کے زیر اثر امام اعظم ابوحنیفہ کے لیے تلخ ترین تبصرے کرتے ہیں۔

تاریخ رجال کے متعلق اپنی کتاب ''تاریخ صغیر'' میں جو عرب سے بھی شائع ہوئی ہے اور پاکستان میں بھی اہل حدیثوں نے شائع کی ہے، امام بخاری نعمان بن ثابت کوفی متوفی

Marfat.com

۱۵۰ھ یعنی امام ابوحنیفہ کے متعلق چند سطریں لکھتے ہیں مگر قلم توڑ دیتے ہیں۔ نقل کرتے ہیں:

کان ینقض الاسلام عروۃ عروۃ ما ولد فی الاسلام اشأم منه

وہ اسلام کی ایک ایک کڑی توڑتا تھا۔ تاریخ اسلام میں اس سے زیادہ بدترین شخص پیدا نہیں ہوا۔

سبحان اللہ! امام بخاری کے نزدیک مدینہ کے ابن ابی منافق اور یمن کے ابن سبا سے لے کر ان کے اپنے زمانہ تک کوئی شخص انھیں امام اعظم سے بدتر نظر نہیں آیا۔ یہ محتاط اور متوازن انداز ہے یا تعصب کی انتہا؟ یہ کسی عادل و منصف کا فیصلہ ہے یا کسی مغلوب الغضب شخص کا تبصرہ؟ ہوبہو یہی تبصرہ امام بخاری نے اپنی دوسری کتاب ''تاریخ وسط'' میں کیا ہے جو عرب دنیا سے شائع ہو چکی ہے۔ اپنی تیسری کتاب رجال یعنی تاریخ کبیر میں جو حیدرآباد دکن اور عرب دنیا سے شائع ہو چکی ہے امام بخاری لکھتے ہیں تَرَکُوْا رَأیَهٗ وَ حَدِیْثَهٗ یعنی ان (ابوحنیفہ) کی حدیثی تحقیقات ہوں یا فقہی تحقیقات، اہل علم نے کسی کو قبول نہیں کیا۔ یہ بات حقائق کے بالکل برخلاف ہے۔ کیونکہ امت کی عظیم ترین اکثریت نے جس میں ہزاروں حنفی و غیر حنفی علماء و محدثین بھی شامل ہیں، امام بخاری کے زمانہ سے آج تک امام اعظم کی دینی عظمت و اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور ان کی حدیثی و فقہی تحقیقات قبول کرنے والے بھی امت کی دوتہائی اکثریت رکھتے ہیں۔

امام اعظم اور ان کی حدیث و فقہ کی تحقیقات کے لیے امت کے اس تَلَقِّی بِالقُبُول نے امام بخاری کے اور ان کے اساتذہ کے معاندانہ تبصروں کو اللہ کے فضل و کرم سے اس طرح کالعدم قرار دے دیا کہ آج سوائے امام بخاری اور ان کے مقلدین کی اسماء الرجال کی کتابوں کے ان تبصروں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ ہم نے بھی انھیں عبرت حاصل کرنے کے لیے درج کیا ہے کہ روایتی اور سندی فن اسماء الرجال میں بھی ذوق و رجحان اور ماحول کے پس منظر کا کس قدر اثر ہوتا ہے۔

اہل حدیثوں کے ہاں اسماء الرجال کی اہمیت:

صرف سند پر مدار رکھنے والے روایتی حضرات کے ہاں فن اسماء الرجال کی جو اہمیت ہے وہ اس سے واضح ہے کہ اساتذہ کے انھیں تاثرات اور اقوال الرجال کی بنیاد پر سند کے راویوں

Marfat.com

کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور اس چھلنی سے گزرنے کے بعد اس راوی کی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع قرار دیا جاتا ہے۔ امام بخاری نے بھی اپنی رجال کی ان تینوں کتابوں کی بنیاد پر اپنی حدیث کی کتابیں بخاری شریف وغیرہ مرتب کی ہیں اور چوں کہ امام اعظم (اور ان کے شاگردوں امام ابویوسف و امام محمد وغیرہ) کے متعلق ان کی اور ان کے اساتذہ کی ''تحقیق'' آپ دیکھ چکے اس لیے وہ ان سے بخاری یا کسی دوسری کتاب میں کوئی روایت نہیں لیتے۔ اور چوں کہ امام بخاری حدیثوں کی باقی کتب ستہ میں سب سے پرانے ہیں اس لیے صحاح ستہ کی باقی کسی کتاب میں بھی امام اعظم سے کوئی روایت نہیں لی گئی۔

کوئی ٹھکانہ ہے ذوق ورجحان کی اس لامحدود حکمرانی کا!!

امام بخاری کے اسی ذوق ورجحان کی تقلید کرتے ہوئے اس وقت سے آج تک کے مخالفین احناف اور اہل حدیث بھائی ان ذوقی ورجحانی اقوال الرجال کو اچھالتے پھرتے ہیں۔ ورنہ ان اقوال کی بے حقیقتی اسی سے ظاہر ہے کہ امام اعظم، امام ابویوسف، امام محمد یا ان کے بعد آنے والے امام طحاوی میں سے کسی کی کتاب سے یہ الزامات قطعاً ثابت نہیں ہوتے جنھیں یہ حضرات اقوال الرجال کی شکل میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ آج بھی استقلال حدیث کے علمبردار خواہ انڈیا کے اہل حدیثوں کی مرکزی جامعہ (بنارس) کے شیخ الحدیث مولانا رئیس ندوی ہوں جو ''اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات'' کے مصنف ہیں، خواہ پاکستان کے شاہ بدیع الدین راشدی اور ان کا حلقہ ہو، یہ حضرات بھی صرف حنفیوں کی حدیثی وفقہی تحقیقات کی تنقید پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد جیسے صف اول کے حنفی ائمہ پر ان کی کتابوں کے حوالہ سے نہیں بلکہ الزام تراشیوں اور ذوق ورجحان پر مبنی اقوال الرجال کے حوالہ سے ان کی ذاتیات پر حملے کرتے ہیں (بے حس حنفی علماء پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اس کا اظہار انڈیا کی جمعیۃ علماء ہند نے تو کچھ کیا ہے مگر پاکستانی علماء سے شاید اتنی توقع بھی پوری نہ ہو سکے)[1]

---

[1] ''وکیل سلفیت علامہ محمد رئیس ندوی'' کی ایک ضخیم کتاب مجموعہ مقالات کے نام سے پاکستان میں ایک گمنام (بغیر پتہ کے) مکتبہ فضیل سے شائع ہوئی ہے جو اہل حدیثوں کے ادارہ فضلی سنز کراچی سے مل جاتی ہے، اس میں بھی مندرجہ بالا تمام خصوصیات دو آتشہ، سہ آتشہ ہو کر پوری طرح موجود ہیں۔ اپنے عظیم اصول کی اہمیت محسوس نہ کرنے والے اگر اس کا مطالعہ کر لیں تو شاید فائدہ ہو۔

Marfat.com

سندی روایت پسندوں کی ''اخلاقی'' اصول پسندی کا عالم یہ ہے کہ وہ خود تو یہ سب کچھ کرتے ہیں لیکن اگر کوئی امام بخاری کی کتاب پر تنقید وتبصرہ کے حوالہ سے امام جصاص رازی اور امام دارقطنی یا علامہ مقبلی اور مولانا عبدالرشید نعمانی کی تحقیقات کا تذکرہ بھی کر دے تو اسے توہین بخاری کی تحریک چلانے کا مرتکب اور منکر حدیث قرار دے کر ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔''ذوق ور جحان'' کی اس گہرائی و گیرائی کا بھی کسی کو کچھ احساس ہے یا بس یک طرفہ طور پر حنفیوں کی قرآنی کسوٹی والی بات میں ہی ذوق ور جحان کی تمام فتنہ سامانیاں محدب شیشے کے بغیر ہی نظر آیا کرتی ہیں؟

فتنہ خلق قرآن کی ایک اور مثال:

خلق قرآن کے معرکہ کے حوالہ سے محدثین کی جو تحریک چلی اور جس کے نتیجہ میں معاصرانہ کشمکش کی وجہ سے سینکڑوں حضرات کو جس طرح موردالزام قرار دیا گیا، اور وہی باتیں کتب جرح وتعدیل کا سرمایہ بنیں، آج ان کی حقیقت تک کون رسائی حاصل کر سکتا ہے؟ اس کشمکش کے اثرات کی کچھ جھلکیاں اگر دیکھنی ہوں تو ترکی خلافت کے آخری شیخ الاسلام کے وکیل علامہ زاہد الکوثری مصری کے شاگرد شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے خلق قرآن سے متعلق کتابچہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔اس کا خلاصہ حنفی اصول حدیث کی کتاب قواعد فی اصول الحدیث میں بھی دے دیا گیا ہے۔

علامہ مقبلی کی تحقیقات سے ایک اور مثال:

مشہور اہل حدیث عالم علامہ شوکانی کی طرح یمن ہی کے ایک اور اہل حدیث عالم مقبلی ہیں۔یہ بھی شوکانی کی طرح زیدی فقہ چھوڑ کر غیر مقلد ہوئے اور محدثانہ ذوق میں شوکانی ہی کی طرح نمایاں شہرت حاصل کی۔علامہ شوکانی نے اپنی کتاب ''البدر الطالع'' میں ان کی سوانح بھی لکھی ہے۔

علامہ مقبلی نے اپنی تحقیقات پر مشتمل کئی کتابیں لکھی ہیں۔جن میں ''العلم الشامخ'' اور اس کی شرح ''الارواح النوافخ'' کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اسی ''الارواح النوافخ'' میں ایک جگہ وہ امام بخاری کے راویوں پر داد تحقیق دیتے ہوئے کئی صفحات پر مفصل بحث کرتے ہیں۔اور آخر میں روایتی علماء کی طرح ایک خواب درج کرتے ہیں جس کی

Marfat.com

رو سے رسول اللہ ﷺ امام بخاری کے خلاف علامہ مقبلی کی تحقیقات کو درست قرار دیتے ہیں۔

ہمارے دور کے مشہور حنفی عالم و محقق مولانا عبدالرشید نعمانی نے (جو جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تخصص فی الحدیث کے شعبہ کے صدر تھے اور جن کی تحقیقات سے شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی نے لامع الدراری شرح بخاری کے مقدمہ میں استفادے کا اظہار کیا ہے۔) مقبلی کی یہ تحقیقات دراسات اللبیب مؤلفہ ملا معین سندھی کی کتاب ایڈٹ کرتے ہوئے اپنے حاشیہ میں درج کردی ہیں۔ اس میں یہ خواب والا حصہ بھی ہے۔ یہاں یہ آخری حصہ ملاحظہ ہو (اس کا اردو مفہوم ہم نے پیش کیا ہے)

معلوم نہیں سندھ کے اس نیم سرکاری ادارے نے یہ عربی کتاب دوبارہ شائع کی یا نہیں۔ البتہ کچھ عرصہ قبل تک مولانا نعمانی کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عبدالرحمن غضنفر کے مکتبہ سے مل جاتی تھی۔ ہمارے پاس جو نسخہ ہے وہ بھی انہی کے مکتبہ سے خریدا گیا ہے۔ شاید مزید معلومات مولانا نعمانی کے دوسرے بھائی محقق عالم مولانا عبدالحلیم چشتی استاذ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی سے معلوم ہوں۔

کیا دوتہائی بخاری غلط ہے؟

قال المقبلی فی الارواح النافخ۔ ولقد قرأ علی بعض اهل الصلاح التام الفية العراقی و جری شئی من هذا البحث فرأی النبی صلی الله علیه وسلم فی النوم و ساله کیف حقیقة الامر فی هذا الکتاب یعنی البخاری بالخصوص لانه الذی وقع فیه البحث قال فقال له النبی ﷺ الثلثان غیر حق قال و التبس هل ثلث الاحادیث ام ثلث الرواة و اکثر ظنه ثلث الرواة یعنی انهم غیر عدول لانه الذی وقع فیه البحث کما ذکر هنا والله اعلم انتهی ماقاله المقبلی فی الارواح (صفحہ ۶۸۹ و ۶۹۰)

فهذا ما یتعلق باصحیتهما من حیث الصناعة والکشف۔

ترجمہ: علامہ مقبلی اپنی کتاب "الارواح النافخ" میں لکھتے ہیں: ایک نہایت دیندار اور باصلاحیت شخص نے مجھ سے عراقی کی "الفیہ" (جو اصول حدیث میں ہے) پڑھی اور

Marfat.com

ہمارے درمیان صحیحین کے مقام و مرتبہ خصوصاً بخاری کی روایات کے متعلق بھی گفتگو ہوئی ...... تو ان صاحب نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ سے دریافت کیا کہ اس کتاب یعنی خصوصاً بخاری کی کتاب کے متعلق حقیقت امر کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''دو تہائی غلط ہے'' خواب دیکھنے والے کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ ارشاد نبوی بخاری کے راویوں کے متعلق ہے یعنی ان میں سے دو تہائی غیر عادل ہیں، کیونکہ بیداری میں ہمارا موضوع بحث بخاری کے راوی ہی تھے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے مقبلی کی کتاب ''الارواح النوافح'' صفحہ ۹۸۹، ۹۹۰ یہ ہے بخاری و مسلم کے فنی طور پر اور خواب (کشف) کی رو سے سب سے زیادہ صحیح ہونے کی حقیقت۔ (دراسات اللبیب مؤلفہ ملا معین سندھی پر محمد عبدالرشید نعمانی کے حواشی صفحہ ۵۸۳ ناشر لجنۃ احیاء الادب السندھی، ۱۹۷۵ء)

غیر مقلد اہل حدیث عالم علامہ مقبلی کی اس تحقیق اور حنفی شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی کی اس تائید پر اہل حدیث مقلدین کو تو اعتراض ہونا ہی تھا، کیوں کہ جس طرح عام مقلدین فقہ اپنے ائمہ کی تحقیقات کے مقلد ہوتے ہیں اسی طرح عام اہل حدیث امام بخاری اور ان کی کتاب بخاری کے مقلد ہوتے ہیں۔ لیکن حنفیوں یا غیر اہل حدیث محقق علماء کے نزدیک بخاری شریف کے متعلق یہ تقلیدی نقطہ نظر درست نہیں ہے۔ ان کے نزدیک درجہ اول کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ[1] موطا شریف ہے جسے یہ عظیم مقام خیر القرون کے تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حاصل ہوا اور ائمہ اربعہ نے مؤطا شریف کی اس عظمت کو تسلیم کیا۔ امام شافعی نے تو یہ نعرہ سب سے زیادہ بلند آہنگی سے لگایا ہی تھا اور ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل ان کے ہم خیال تھے ہی۔ حنفی امام محمد بھی اس مؤطا کی عظمت کے قائل اور اس کے راوی ہیں۔ جب اس درجہ اول کی، خیر القرون کی، متقدمین کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا شریف کی کسی روایت پر تنقید کرنا جرم نہیں ہے (امام محمد کے تبصرے اور امام طحاوی کی مشکل الآثار دیکھ لیجیے) تو متاخرین کی اصح الکتب بخاری شریف جو خیر القرون کے بعد کی ہے اس کی کسی روایت پر یا امام بخاری کی تحقیقات پر بحث کرنا جرم کیوں ہو؟ اور کیوں انکار حدیث قرار پائے؟

---

[1] حق بات یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے اس لیے یہ بحث ہی غیر درست ہے کہ قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب کون سی ہے؟ امتیاز

Marfat.com

ہماری اس بات کے ثبوت کے لیے جس کا جی چاہے حنفی امام ابوبکر الجصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ کی کتاب احکام القرآن کا مطالعہ کر لے۔ امام (ابوبکر الجصاص) نے اپنی اس کتاب کی جلد اول میں بخاری و مسلم کی ان روایات پر سخت تنقید کی ہے جن میں رسول اللہ ﷺ پر جادو ہونا بتایا گیا ہے۔ امام بخاری تیسری صدی کے آدمی ہیں اور امام ابوبکر الجصاص رازی چوتھی صدی کے آدمی ہیں۔ اس چوتھی صدی کے ایک اور بڑے محدث امام دارقطنی نے بھی امام بخاری کی ایک سو کے قریب روایات پر تنقید کی ہے۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو وہ ان دونوں حضرات کو منکر حدیث قرار دینے کی جرأت کر کے دکھائے۔

ان کے علاوہ بھی اس وقت سے اب تک علامہ مقبلی اور مولانا عبدالرشید نعمانی حنفی سمیت بہت سے اہل علم نے بخاری شریف کی روایات پر تنقید کی ہے۔ کیا یہ سب منکر حدیث ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ والی روایتِ بخاری پر امام رازی نے تفسیر کبیر میں تنقید کی ہے۔ اسی روایت پر مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن جلد دوم میں تنقید کی ہے۔ کیا یہ حضرات منکر حدیث ہیں؟

امام بخاری کی جادو والی روایت پر سید قطب نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں اور مشہور بریلوی عالم مولانا غلام رسول سعیدی نے تنقید کی ہے۔ لہٰذا یہ دونوں تو پکے منکر حدیث ہوئے؟

علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری شرح بخاری میں امام بخاری کی کتاب التفسیر پر تنقید کی ہے۔ اب کیا ارشاد ہے علماء دین و مفتیان شرع متین کا؟

جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ۹۹ بیویوں سے ایک ہی رات میں تعلق قائم کرنے کی روایت پر تنقید کی ہے۔ لہٰذا سنت کی آئینی حیثیت کے حق میں کتاب لکھنے کے باوجود یہ صاحب بھی منکر حدیث ہوئے۔

اگر کوئی اپنی اندھی تقلید کی وجہ سے امام بخاری اور ان کی تحقیقات کو معصوم سمجھتا ہے اور ان سے زیادہ اونچے درجہ کے ائمہ کرام، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور ان کی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا شریف کی تحقیقات پر تنقید کرنے کو جائز سمجھتا ہے مگر ان سے درجے اور رتبہ میں کم امام بخاری یا ان کی کتاب کی کسی روایت پر تنقید کرنے کو گمراہی اور انکار حدیث سمجھتا ہے تو اس کی مرضی۔ ورنہ امت کی عظیم اکثریت نے امام بخاری کے احترام کے باوجود، امام بخاری یا

Marfat.com

ان کی روایات پر تنقید کرنے والے اہل علم کو کبھی منکر حدیث نہیں کہا۔ اگر اہل حدیثوں کی طرح کسی محدث کی تحقیقات سے اختلاف کو انکار حدیث قرار دینا صحیح مان لیا جائے تو پھر امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی تحقیق کردہ احادیث کے منکرین کو کیوں نہ منکر حدیث قرار دیا جائے؟ جب کہ حنفیوں کے نزدیک یہ تینوں حضرات اور حنفی غیر حنفی تمام اہل علم کے نزدیک امام مالک امام بخاری سے زیادہ بلند پایہ محدث وفقیہہ ہیں۔ اور ان کی حدیثی وفقہی تحقیقات کو امام بخاری کی تحقیقات سے بہت زیادہ تلقی امت حاصل ہے۔

روایتی حضرات کے ذوقی تضادات کا ایک لطیفہ:

ہم نے ایک موقعہ پر بخاری و مسلم کے متعلق حنفی نقطۂ نظر بتانے کے لیے مولانا عبدالرشید نعمانی (جامعہ بنوری ٹاؤن) کے حوالہ سے علامہ مقبلی کی تحقیق کا آخری حصہ پیش کیا تھا جس میں مولانا نعمانی کا یہ تائیدی جملہ بھی موجود تھا کہ **فهذا ما يتعلق باصحيتها من حيث الصناعة والكشف** (یہ ہے بخاری و مسلم کے فنی طور پر اور خواب (کشف) کی رو سے سب سے زیادہ صحیح ہونے کی حقیقت)

اس کے خلاف اہل حدیث حضرات نے خاص ہل چل مچائی جس میں مولانا عبدالرشید نعمانی اور ان کے وکیل صفائی مولانا محمد یوسف لدھیانوی کو توہین بخاری کا مرتکب اور گلابی منکر حدیث قرار دیا[1]۔ مگر اپنے اہل حدیث بھائی علامہ مقبلی کو کچھ نہیں کہا۔ حالاں کہ یہ ساری تحقیق اگر مجرمانہ تھی تو اس کے اصل مرتکب مقبلی تھے۔ پہلے انھیں منکر حدیث اور توہین بخاری کا مرتکب قرار دیتے، بعد میں اس تحقیق کو نقل کرنے والے نعمانی صاحب اور ان کی وکالت کرنے والے لدھیانوی صاحب کو گمراہ قرار دیتے۔ ورنہ حقیقت میں تو سب سے پہلے توہین بخاری کا مرتکب امام دارقطنی کو قرار دینا چاہیے تھا جن کی تحقیقات کی وجہ سے علامہ مقبلی کو بھی شہ ملی۔

لطیفہ در لطیفہ:

اب لطیفہ در لطیفہ یہ ہے کہ ان ہی حنفی علماء نے جو حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت بھی

---

[1] کتابچہ کیا دو تہائی بخاری غلط ہے؟ مرتبہ محمد یوسف ایڈیٹر ماہنامہ المسلم (ترجمان اہل حدیثوں کی رجسٹرڈ جماعت المسلمین کراچی، ص ۱۲)

Marfat.com

نہیں رکھتے اور ظنیات میں اپنی تحقیق سے اختلاف برداشت کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے نعمانی صاحب کو تو اپنا بزرگ سمجھتے ہوئے کچھ نہیں کہا بلکہ وہ وہ توجیہات کیں جو بما لا یرضی به القائل کا مظہر تھیں۔ مگر ہمیں نعمانی صاحب کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کرنے کے ''جرم عظیم'' میں منکر حدیث قرار دے دیا۔ حالاں کہ یہ عبارت نقل کرتے ہوئے بھی ہم نے اس قدر احتیاط برتی تھی کہ اس کا عنوان سوالیہ رکھا ''کیا دو تہائی بخاری غلط ہے؟''

دیکھ لیجیے ان بعض حنفی علماء نے بھی اہل حدیثوں کے دوغلے رویہ کی تقلید کی کہ اگر وہی کام اپنا کرے تو معاف اور اگر ''ذات باہر'' والا کرے تو گردن زدنی۔ ذوق ورجحان کی بنا پر ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف افواہی اقوال پر مبنی الزام تراشیوں اور بدگمانیوں کے ساختہ فتوؤں کا یہ رویہ، امام بخاری اور ان کے اساتذہ کے زمانہ سے آج تک اہل حدیثوں اور ان کے اس اخلاقی رویے کے مقلد حنفی علماء سب روایتی حضرات میں یکساں کارفرما ہے۔

سند اور روایت کے ماحول میں ذوق ورجحان کی اس بے پناہ کارفرمائی وحکمرانی کے باوجود (جس کی صرف جھلک دکھائی گئی ہے) اگر اسے نظرانداز کیا جائے اور عظیم حنفی اصول ''قرآنی کسوٹی'' کے حوالہ سے اس کی دہائی دی جائے تو کیا یہ بھی اسی قسم کا متضاد رویہ نہیں ہو گا؟

اگر ذوق ورجحان کے اثرات کے باوجود سندی سلسلہ کو کالعدم قرار نہیں دیا جا رہا تو قرآنی کسوٹی کے اصول کو اسی خطرے کی وجہ سے کیوں کالعدم ٹھہرایا جائے؟ حنفیوں کے محتاط اور متوازن ومعتدل رویہ کے مطابق دونوں سے استفادہ کیوں نہ کیا جائے؟ جب کہ قرآنی کسوٹی والے اصول کو استعمال کرتے ہوئے ذوق ورجحان کے اثرات کو چیک کرنا نسبتاً آسان ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں۔ اس کے برعکس روایتی سند میں ذوق ورجحانات کے اثرات کو چیک کرنا بڑا مشکل (بلکہ تجربہ کی رو سے عملاً ناممکن ہے)

پھر قرآنی کسوٹی کا اصول وہ عظیم اصول ہے جس کا خود رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں یہ کہہ کر اعلان فرمایا کہ انی قد ترکت فیکم کتاب اللہ ان المتصمتم به فلن تضلوا بعدہ (مسلم۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ بروایت باقر علی جابر) کہ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

Marfat.com

قرآن کے معیار اور کسوٹی ہونے کا یہی وہ عظیم اصول ہے جس کا اعلان رسول اللہ ﷺ کے آخری وقت میں عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کیا تھا "حسبنا کتاب اللہ" (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) ظاہر ہے اس کا مطلب قرآن کو معیار قرار دینا ہے نہ کہ سنت کا انکار کرنا، کیوں کہ اگر دشمنانِ فاروق اعظم کا مطلب درست قرار دیا جائے تو بقول امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی پھر حسبنا اللہ کا مطلب انکار رسول لینا ہوگا۔

یہی وہ اصول تھا جس کا سبق عہد صحابہ و تابعین میں، حضرت ام المومنین (امت کی ماں) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مخالف قرآن روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ روایات قرآنی اصولوں سے ٹکراتی ہیں۔ لھن احسبکم القرآن (تمہارے لیے قرآنی معیار اور کسوٹی کافی ہے)

باقی صحابہ کرام کا بھی شعوری اعلان یہی تھا کہ اوصیٰ بکتاب اللہ (بخاری) رسول اللہ نے ہمیں قرآن ہی کی وصیت کی ہے۔

حنفیوں کے ہاں اس قرآنی کسوٹی والے اصول پر فکری ارتکاز ہی کی وجہ سے یہ وہ واحد اصول ہے جو حنفی ائمہ کی کتابوں کی نص صریح سے ثابت ہے۔ ورنہ حنفی اصول فقہ کے باقی تمام اصول ان کی کتابوں سے اسی طرح مستنبط کیے گئے ہیں جس طرح امام بخاری وغیرہ کے اصول ان کی کتاب سے بعد والوں نے خود اخذ کیے ہیں۔ کیوں کہ ان ائمہ نے براہ راست اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

یہی وہ حنفی اصول تھا جس کی بنیاد پر امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے جانشین امام ابویوسف کی محنتیں رنگ لائیں اور اس دور کی واحد سپر پاور (عباسی خلافت) کا قانون (فقہ حنفی) پھلا پھولا۔ اور آج بھی مفکر پاکستان علامہ اقبال کی یہ وصیت و نصیحت ان کے خطبات میں موجود ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اعلان حسبنا کتاب اللہ کی بنیاد پر ہی موجودہ مسلم اقوام اپنی نشاۃ ثانیہ حاصل کرسکتی ہیں۔

قرآنی کسوٹی کا یہ ہے وہ عظیم حنفی اصول جو اوصی بکتاب اللہ۔ حسبنا کتاب اللہ اور ملکۃ العلم ام المومنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے اپنی روحانی اولاد کو سکھائے ہوئے سبق کی صدائے بازگشت ہے۔ اور آج بھی سچے حنفی خواہ وہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی ہوں

Marfat.com

یا مفکر انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی۔ شبلی کی نعمانیت کے فیض سے متاثر حمید الدین فراہی اور ان کا حلقہ ہو یا تلمیذ قرآن علامہ اقبال سب اسی اصول کے علمبردار ہیں اور اسی کے مبلغ۔ پھر کیا حیرت نہیں ہوگی کہ قصر حنفیت سے اس اصول کے خلاف آواز اٹھے؟

چو ''کفر'' از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

O

امام شافعی کا استقلال حدیث کا فلسفہ

قرآنی کسوٹی کے اس عظیم حنفی اصول کے خلاف امام شافعی کے استقلال حدیث کے فلسفہ نے بڑے گہرے اور بہت دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس لیے استقلال حدیث کے نام پر قرآن و حدیث میں بُعد پیدا ہونا لازمی تھا۔ اگر احادیث کو قرآن کی ماتحتی میں رکھا جاتا تو ان سے استفادہ بھی کیا جا سکتا اور قرآن و حدیث میں بُعد بھی پیدا نہ ہوتا۔ مگر حنفیوں کے خلاف محاذ آرائی میں جذبات کے غُلو نے اس بات کی طرف توجہ ہونے ہی نہیں دی کہ یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں اپنا گھر نہ ہو۔

امام شافعی کے علاوہ دوسرے غالیوں نے تو حدیث کو قاضی علی القرآن کہنے کی جسارت بھی کر ڈالی۔ اگرچہ امام شافعی کے شاگرد امام احمد بن حنبل کہتے ہی رہے کہ میں حدیث کو قاضی علی القرآن کہنے کی جرأت اور گستاخی تو نہیں کر سکتا۔ صرف یہی کہتا ہوں کہ وہ قرآن کی شرح ہے۔ لیکن جب استقلال حدیث کا مورچہ مسلسل مضبوط کیا جاتا رہے گا تو یہی نتیجہ نکلے گا۔

یہ حالت تو اسی زمانہ میں ہو چکی تھی کہ اس عظیم حنفی اصول اور اس کی تائیدی حدیث رسول (جسے امام ابو یوسف نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے) کے لیے امام شافعی کے ہم عصر اور مداح مشہور محدث عبد الرحمن بن مہدی کہتے تھے کہ **وضعتہ الزنادقہ** (اسے زندیقوں نے گھڑا ہے) یعنی امام شافعی نے تو اس اصول کی وجہ سے حنفیوں کو تیسرے درجہ کا منکر حدیث کہنے پر اکتفا کی مگر ان کے ساتھی حنفیوں کو زندیق تک قرار دینے لگے۔ پھر امام بخاری نے آ کر رہی سہی کسر بھی پوری کر دی! اور اپنی رجال کی کتابوں میں یہ فیصلہ دے دیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ اسلام کی ایک ایک کڑی کو توڑنے والے اور تاریخ اسلام کے سب سے بدترین

Marfat.com

شخص تھے۔ نیز اہل علم نے نہ ان کی حدیث قبول کی ہے نہ ان کی فقہ۔

استقلال حدیث کے نظریہ کا عملی نتیجہ: استقلال حدیث کے لیے اہل حدیث حضرات کی ان کوششوں پر اسی زمانہ میں ان کے ایک ساتھی مشہور محدث امام شعبہ بن حجاج نے جو امام سفیان ثوری وغیرہ کے ہم پایہ و ہم عصر تھے اپنے عملی تجربات کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا:

کلما تقدمتم فی الحدیث تاخرتم عن القرآن (تذکرۃ الحفاظ مؤلفہ امام ذہبی)	جب بھی تم استقلال حدیث کے حوالہ سے آگے بڑھتے ہو اتنا ہی قرآن کریم سے دور ہوتے چلے جاتے ہو۔

جب اس وقت یہ حالت شروع ہو چکی تھی تو اب اس کی سنگینی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ احساس بیدار کرنے کے لیے صرف علامہ انور شاہ کشمیری کا ایک حوالہ پیش کرتا ہوں (یہاں علامہ فراہی کا نام اس لیے نہیں لیا کہ وہ ہمارے حضرات کے ہاں ذات باہر سمجھے جاتے ہیں) علامہ کشمیری نے بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اعتراف فرمایا کہ جتنی خدمت حدیث کی کی گئی ہے اتنی خدمت قرآن کریم کی نہیں کی گئی۔ انھوں نے صراحت کے ساتھ نام لیتے ہوئے کہا کہ جس درجہ کی بخاری کی شرح فتح الباری لکھی گئی اس سطح کی قرآن کی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

علامہ کشمیری کے اس تبصرے کی حقانیت درس نظامی کے نصاب کو دیکھ کر آج بھی ہر شخص پر عیاں ہو سکتی ہے کہ اس میں قرآن کا کیا مقام ہے اور بخاری کی عظمت کا کیا حال ہے۔ ان کے ہاں سب سے اونچا درجہ شیخ الحدیث کا ہے جب کہ شیخ القرآن کوئی منصب ہے ہی نہیں۔

اگر صرف حنفی علماء نے ہی قرآنی کسوٹی کے اپنے اس عظیم اصول کی روشنی میں غیر متواتر احادیث پر کام کیا ہوتا تو نہ قرآن کریم کو شکوہ ہوتا کہ **ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا** (سورہ فرقان) نہ استقلال حدیث کے نام پر غیر اہل سنت فرقوں کو نظریہ امامت پر مبنی اپنی ایمانیات کو آگے بڑھانے کا موقعہ ملتا (اس کے متعلق کچھ ارشادات مولانا عبدالشکور لکھنوی کے مجموعہ تفاسیر کے مقدمہ میں ہیں جو بامعان نظر مطالعہ کرنے سے آشکارا ہوں گے)۔

کاش حنفی علماء امام شافعی کے استقلال حدیث کے مباحث سے مرعوب ہو کر صرف علاج

Marfat.com

بالمثل میں نہ لگتے اور صحاح ستہ کی جگہ شرح معانی الآثار، طحاوی، سنن بیہقی کی جگہ اعلاء السنن، مشکوٰۃ المصابیح کی جگہ زجاجۃ المصابیح کی محنتوں کے ساتھ ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قرآنی کسوٹی والے اصول کو بھی پوری قوت اور مکمل اعتماد کے ساتھ آگے بڑھاتے۔ اب بھی موقعہ ہے کہ اپنے اس عظیم اصول کو نہ صرف آگے بڑھائیں بلکہ معاملات میں عملاً بھی اپنائیں تاکہ اس عظیم اصول کی برکت سے جس طرح دور اول کی عباسی خلافت (اس وقت کی مسلم سپر پاور) کے مسائل حل ہوئے تھے آج بھی حل ہوں۔ وما ذٰلك على الله بعزيز

محمد طاہر

☆ حافظ قرآن کریم ، فاضل تجوید

☆ قاری قرأت عشرہ (شاطبیہ وطیبہ) از حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی

☆ فاضل علوم شرقیہ ☆ فاضل درس نظامی

☆ فاضل شہادت عالمیہ (ایم اے)

☆ فاضل موطا شریف دار الحدیث مکہ مکرمہ

☆ فاضل دورۂ تفسیر (بطرز شیخ حسین علی توحیدیؒ)

☆ فاضل دورۂ تفسیر (بطرز امام عبید اللہ سندھیؒ)

☆ فاضل دورۂ تفسیر (بطرز امام اہل سنت لکھنویؒ)

☆ فاضل دورۂ تفسیر صوفیانہ (بطرز حکیم الامت تھانویؒ)

☆ مفتی مدینۃ العلوم اورنگ آباد ☆ صدر قرآنی مرکز

☆ مہتمم مجلس علمی قرآنی ☆ نگراں سیرت مرکز

☆ ناظم ادارہ فکر اسلامی ☆ سابق ناظم اعلیٰ پاکستان سنی کونسل

☆ سابق مشیر اسلامیات خالد اسحاق ایڈووکیٹ

☆ سرپرست الرحیم ٹرسٹ

Marfat.com

حمد باری تعالیٰ

الحمد للہ الذی لا الہ الا ھو O لہ الحمد فی الاولی والاخرۃ ولہ الحکم و الیہ ترجعون O فسبحن اللہ حین تمسون و حین تصبحون O ولہ الحمد فی السمٰوات والارض و عشیا و حین تظھرون O ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشّھادۃ ھو الرحمٰن الرّحیم O ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن اللہ عما یشرکون O ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم O ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ الاسلام لا الہ الا اللہ۔

اے اللہ! کہاں تو اور کہاں ہم۔ تو ہے اور ہم نہیں ہیں۔ ہماری کوئی ہستی بھی ہو تو اس کا حوصلہ کریں۔ تو اپنی حمد اب تو ہی کر۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔

اے اللہ! اگر تیرا شکر کرنے کو کھڑے ہوں تو کہاں تیری بے انتہا نعمتیں کہ ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا اور کہاں ہماری ہستی نما نیستی کہ لم یکن شیئاً مذکورا۔ ہستی تیرے لیے ہے اور نیستی ہمارے لیے۔ ساری صفات تو تیری ہی، اور ہم تو کہیں ہوں بھی۔۔ جیسے عکس یا سایہ، دیکھو تو ہے اور ڈھونڈو تو نہیں ہے۔ یا جیسے خیالی صورتیں، خیال میں تو ہیں، اور سمجھو تو نہیں ہیں۔ جس سمندر کی تھاہ نہیں، اس کے ناپنے کی ہمت اگر ہمارے جیسے وجود کی بساط کے اندر ہو تو کی جائے۔ مگر فنا در فنا کی بساط کیا۔ ہاں اے غیب الغیب! قربان تیرے فضل و کرم کے کہ جو کچھ ہے وہ تیرا ہی ہے، ہماری جیسی ہستی ہو تو، ہماری جیسی نیستی ہو تو۔ اور جو کچھ ہمارا کہا جاتا ہے وہ تیرا ہی دیا ہے، ظاہر ہو تو، چھپا ہو تو۔ پھر کیوں کر اور کس طرح ہم تیرا شکر کرنے کا

Marfat.com

حوصلہ کریں اور کن کن نعمتوں کا۔

اے اللہ! تو ہی نے فرمایا ہے:

لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکھف:109)

"(کہہ دیں کہ) اگر میرے رب کی باتوں کو لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو بھی وہ میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں گے۔"

پھر بھی ہم ایسے بچھڑے ہوؤں کو اس عالم میں اپنے کمال قرب اور اپنی دید و شنید کے لیے تو نے اپنا کلام منزہ عن الصوت اور مقدس عن الکیف اپنے برگزیدہ اور پیارے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے برگزیدہ رسول کی زبان میں عنایت کیا ہے۔ تو اس کا شکر کس طرح ادا کریں کہ یہ ممکن نہیں نظر آتا۔ اللہ اللہ یہ عنایت اور ہم۔ صدقے اس عنایت کے۔ سبحٰن اللہ وبحمدہٖ۔ تیرے کلام سے اگر ہم تجھے پانا چاہیں تو کلام سے متکلم تک پہنچنے میں کوئی زینہ نہیں، دوری نہیں، منازل نہیں۔ کلام میں ڈوبے اور متکلم تک پہنچے۔ اللہ اللہ تیرا یہ فضل و کرم اور ہم جیسوں پر۔

هو الرّحمٰن الرّحيم

Marfat.com

نعت خاتم المرسلین منزل من رب العالمین

یا ایھا النبی انا ارسلنٰك شاھدًا وَّ مبشرًا وَّنذیرًا وَّ داعیًا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرا O وما ارسلنٰك الا کافۃ لِلّناس بشیرا و نذیرا O لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ط فاستجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ من یطع اللہ والرسول فاولئك مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصٰلحین و حسن اولئك رفیقاO ومن یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا بعیداO ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلّموا تسلیماO اللّٰھم صلّ علی سیدنا و نبینا محمد النبی الامی و بارك وسلم۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قربان اور سو دفعہ قربان اس رسول عالم، خاتم انبیاء، سرچشمہ اولیا، معدن کنوز الوہیت، مظہر ودیعیات انسانیت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کے وسیلے سے ہم کو اللہ کا کلام ملا، خدا کی ہدایت ملی، اللہ کا نور ملا، اور اللہ کی سیدھی راہ ملی۔ ورنہ ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانا نہ تھا، اور ہماری تو کہیں بھی پناہ نہ تھی۔ جس کے وسیلے سے اللہ ملے اور اللہ تک رسائی ہو، محبت ملے اور محبوب تک رسائی ہو، اس کی نعت خدائی زبان سے ہی ادا ہو تو ہو، انسانی زبان اس کا حوصلہ کرے بھی تو کن لفظوں میں۔ اس کی ہمت کرے بھی تو کس قوت کے سہارے۔ زبان کو دیکھو تو آنکھ اور کان نہیں، آنکھ اور کان کو دیکھو تو زبان نہیں۔ پھر دید و شنید کا مارا زبان کیا ہلائے اور کیوں کر۔ دل محبت کا دیوانہ، دماغ جذبات کا متوالا۔ ہوش حواس باختہ، حواس ہوش کھوئے ہوئے۔ آمنا باللہ و انك لرسول اللہ۔ واللہ یعلم انك لرسولہ۔ صلی اللہ علیك وسلم۔

Marfat.com

غرض تصنیف

مجھے قرآن مجید سے یہ دیکھنا اور دکھانا ہے کہ اسلام کا کون سا فرقہ **اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم**۔ قرآن مجید کی اتباع کرو (اعراف:3) کا مطیع ہے اور کہاں تک مطیع ہے۔ اور کون سا فرقہ **لا تعتدوا**۔ حد سے تجاوز نہ کرو (مائدہ:87) کا نافرمان ہے اور کہاں تک نافرمان ہے۔ تو اس ادھیڑ بن میں جھگڑوں کا اک طومار تو جمع ہو جاتا ہے، مگر نتیجہ فوت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس روش سے میں محترز رہا، اور یہ دکھانا چاہا کہ قرآن مجید ایک کامل اور مفصل کتاب ہے اور دین اسلام جو یہ لایا وہ بھی کامل اور مکمل ہے، جس کو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور متبعین صادق نے برت کر دکھا دیا، تاکہ حقیقی اسلام جو انسانی طبع آزمائیوں سے پاک ہے آشکارا ہو، اور یہ سارے فرق اسلامیہ کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے۔

اس اہم خدمت کی انجام دہی کے لیے قرآن مجید میں تدبر و تفکر کرنا، اور اس پاک تکلم کے بحر بے پایاں کو تیرنا ضرور ہے۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں۔ کون ہے جو اس دریائے ناپیدا کنار کے پار لگا، یا اس کی تہہ کو پہنچا اور کون یہ مراحل طے کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ اس کا کلام ہے اور اس کی صفت تکلمی کا ظہور ہے، جس کی کسی صفت کی بھی کسی نے تہہ نہ پائی، نہ کوئی انتہا کو پہنچا۔ پھر بھی اس دریا کے غواص نے متکلم حقیقی سے وہ قرب منزلت پائی جو اقرب تر ہے **ذلك فوز عظیم** اور وہی بامراد ہوا۔ کیونکہ اس دریا میں جو غوطہ زن ہوا، موتیوں کی مالا اسی کے گلے رہی۔ اس دریائے مراد کا غوطہ زن کوئی تہی دست نہ پھرا کیونکہ اس کے سنگریزے بھی جواہرات ہی کے مول ہیں۔

جب بڑے بڑے جانباز شیدائی، بڑے بڑے جاں نثار فدائی، بڑے بڑے تیراک اور بڑے بڑے غواص اس میں ڈوبے اور کھوئے گئے تو:

ما کہ باشیم کہ اندیشۂ ما نیز کنند

اللہ اللہ بارگاہ بے نیازی کے آگے میں کیا اور میری ہمت کی بساط کیا۔ ہاں اس رحیم و

Marfat.com

کریم کے رحم و کرم کے صدقے جس نے بساط سے باہر ہمت دی، امید سے زیادہ ہمت کو توفیق دی۔ مرضی خداوندی رہنما ہوئی، ہدایت کے نور نے ڈھانپ لیا، ملہم غیبی نے آواز دی کہ اے ہمارے مخلصین بندو! اے ہمارے شیدائیو! اے ہمارے اسلام کے حامیو! اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدیق امتیو! اٹھو، اطاعت کے پاؤں سے عبودیت کی رفتار چلو۔ اتقا کے جام اطہر سے محبت کا زمزم پی لو۔ اور خدائی مستی کے ساتھ قرآن مجید اپنے پیار سے اللہ کے کلام کو سروں پر اٹھاؤ، بغلوں میں دباؤ، دل و دماغ کو اس کے نور سے روشن کرو، اور اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا جھنڈا بلند کرو۔ دیکھو وہ وقت آ گیا کہ اللہ کے کلام کا غلغلہ بلند ہو اور اللہ اللہ کی آواز درودیوار سے، شجر و حجر سے، بحر و بر سے، ذرے ذرے سے، ابخرے کی طرح اٹھے، بادل کی گھن گرج کی طرح گونجے اور بارش رحمت ہو کر برسے۔ قرآنی اسرار منکشف ہوں اور روحانیت حقیقی جلوہ فگن ہو۔ خدائی نور سے سارا عالم جگمگا اٹھے کہ **اشرقت الارض بنور ربھا**۔ ایسا کر دیکھنے والے دیکھیں اور پانے والے پائیں۔ یہی خدمت ہے جسے میں دو کتابوں میں پوری کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

ایسی اہم خدمت کے لیے جس سے **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی**۔ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی (مائدہ:3) منکشف کیا جائے اور **وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا**۔ خدا ہی نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری (انعام:114) کھول کر عیاں کیا جائے، ضروری ہے کہ اس غرض کے لیے قرآن مجید ہی نصب العین رکھا جائے، جو مسلمانوں کے سارے فرقوں کا متفق علیہ ہے۔ پھر قرآن سے جو مسائل ثابت ہوں وہی دین منزل ہے۔ ایسی صورت میں جو مسائل محدثین اور فقہا کی رائے یا استدلال کے مطابق پڑ جائیں ان میں ایمان تازہ ہوگا کہ یہ وہ مسائل ہیں جو فرمان خداوندی کے عین مطابق ہیں۔ اور جن مسائل میں اختلاف ہوگا تو ان میں ان آیتوں کی جانب توجہ کرنی ہوگی، اگر ان آیتوں کے معنی بلحاظ عربیت صحیح لیے گئے ہیں تو قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے صحیح نہیں ہو سکتی اور اگر قرآن کے معنی میں غلطی ہوئی ہے تو غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے، اللہ معاف کرے۔ غرض میرے بیان اور تقریر کی نسبت قرآن مجید سے ہوگی، کسی کی مخالفت اور موافقت سے بحث نہیں۔ اللہ کے

Marfat.com

حضور میں بیٹھا لکھ رہا ہوں مخلوق سے کیا غرض۔

تو جس طرح موضوع ہر علم کا جداگانہ ہے مثلاً نحو کا کلمہ و کلام۔ علم طبعی کا اجسام علم طب کا جسم انسانی۔ اسی طرح ہماری کتابوں کا موضوع مختصر لفظوں میں مذہب اسلام ہے۔ مگر وہ اسلام نہیں جو آج کل کا منہ بولا اور خاندانی اسلام ہے اور شخصی رایوں کا ذخیرہ۔ بلکہ وہ اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا، اللہ کا بھیجا ہوا، قرآنی اسلام ہے جو جسمانی و ظاہری تعلیم و تربیت کا منبع اور روحانی و باطنی فیوض و برکات کا معدن ہے۔ یہی حقیقی اسلام ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔

یہ مقصد ایک کتاب میں پورا نہیں ہوسکتا، اس لیے میں نے دو کتابوں میں اس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ایک تو یہی **شرعۃ الحق** ہے جس میں خدائی شریعت بتائی گئی ہے، تاکہ یہ سارے ادیان میں حَکَم ہو اور سارے اختلافوں کا جھگڑا چکائے اور تاکہ حصول دین کے لیے بجائے سو اونٹ کتابوں کے صرف اللہ کا نازل فرمودہ قرآن کافی سمجھا جائے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی عملی تصدیق سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانا کافی سمجھا جائے، اور دوسروں کو ایمان میں شریک کر کے شرک بالرسالت کے گڑھے میں گرنے سے بچایا جائے۔ دوسری کتاب **منہاج الحق** ہے، جس میں قرآن مجید کی روحانی تعلیم، اس کا **شفاء لما فی الصدور** ہونا، یعنی قرآنی تصوف آشکارا کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ روح کی رہنمائی اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ تاکہ واضح ہو کہ اسلام زہد خشک نہیں، اس کی روحانی تعلیم، اس کا امراض باطنی کا معالج حاذق ہونا، اس کی روحانی تربیت، اس کے معالجات روحانی کی وسعت اور باہمہ پاکیزگی سہل اور بے خطر موصل الی المطلوب ہونا، دنیا کے کسی تصوف کو نصیب نہیں۔ ان دونوں کتابوں کا مخرج قرآن مجید ہے۔ ان میں نہ کہیں فرقہ اہل قرآن کی طرح قرآن کے ٹکڑوں کے اجتماع سے مضمون پرویا گیا ہے، نہ تاویل کی گئی ہے، نہ مجازی معنی لیے گئے ہیں جو غیر قطعی ہیں، بلکہ صریح صریح آیتیں ہیں اور ان کا صریح صریح مفہوم۔ اس لیے قطعی ہیں اور واجب التعمیل۔

میں نے بساط سے باہر ہمت کی ہے مگر نہ میں اپنا، نہ میری ہمت اپنی۔ میں اسی کا، میری ہمت اسی کی۔ **وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب** میرا کامیاب ہونا تو

Marfat.com

اللہ ہی کے فضل سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس لیے بلا خوف ملامت حق کے آگے سر جھکا کر مجھے کہنا ہے اور میں کہوں گا۔ مجھے قرآن مجید سے اور قرآن مجید ہی سے سمجھانا ہے اور میں سمجھاؤں گا۔ کوئی تسلیم کرے اور قرآن مجید کے آگے سر جھکائے تو اس کے اجر کا ذمہ دار خود اللہ ہے۔ اور کوئی انحراف کرے تو **ما اسئلکم علیه من اجر ا ان اجری الا علی رب العلمین**۔ میں کچھ اجر نہیں مانگتا، میرا اجر پروردگار کے ذمہ ہے۔

میں جانتا ہوں کہ قوم حق بینی کی نگاہ نہ ڈالے گی۔ وہ تعصب کی عینک آنکھوں سے نہ اتارے گی۔ وہ قرآن مجید کی آیتوں کے مقابلہ میں بھی اپنی آبائی روش کی جان دادہ ہو کر **ما الفینا علیه اباء نا** مجھے برا بھلا سخت وست کہنے کو کھڑی ہو جائے گی، مگر مجھے برا بھلا کہہ کر کیا پائے گی۔ میں کیا اور کس شمار میں:

نقطہ ہوں جس کی کچھ نہیں مقدار فی الوجود
اس کا حساب کیا ہے اور اس کا شمار کیا

جب بڑے بڑے اساتذہ اسلام کے چاند تارے حق گوئی کے سبب مرتد بنے، کافر بنے، قوم کے ہاتھوں جلاوطن ہوئے، قید خانہ دیکھا، کوڑے کھائے اور سو طرح کے آفات میں ڈالے گئے تو میں کس گنتی میں ہوں۔ ہاں ایک دن آیا کہ ان کی حقانیت کا ستارہ چمکا اور حق کی روشنی تاباں ہوئی۔ اگر ایسوں کے ساتھ مجھ جیسے گناہ گار و ناشدنی کا حشر ہو تو میری تو نجات ہے۔ وہ تو علمائے دین تھے، اسلام کے تناور درخت تھے جو قوم کے نشانہ بنے اور میں تو اک لاشے محض جز و معدوم ہوں، جس نے کسی ایک چیز کی بھی حقیقت نہیں جانی، جس کے علم و فکر کی ابتدا جہالت، اور انتہا جہالت ہے اور معلوم نہیں انجام کیا ہو، وہ کس شمار میں۔ قوم جاہل کہے گی، امی محض کہے گی تو کچھ بے جا اور برا نہ کہے گی، نہ جھوٹ کہے گی نہ غلط، اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا مگر اس کا یہ خیال صحیح نہ ہوگا کہ ایک جاہل اور امی نور حق کا مورد اور حق گو نہیں ہو سکتا۔ مجھے جو کچھ بھی وہ کہے حق ہو سکتا ہے، مگر اس کا حق سے منہ موڑنا کبھی حق نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مجھے دیکھے گی تو ٹھوکریں کھائے گی اور اگر وہ حق کے آگے سر جھکائے گی تو نجات پائے گی۔

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

التماس مصنف

میری تقریروں سے یہ نہ سمجھو کہ میری نسبت کلام ربانی قرآن مجید سے ہے تو میں اہل قرآن اس فرقہ کا ایک فرد ہو گیا جو فرقہ پنجاب میں نکلا ہے اور اہل قرآن ہونے کا مدعی ہے۔ کیونکہ میں اہل قرآن، اہل حدیث، اہل فقہ وغیرہ وغیرہ سب ناموں کو بدعتی نام سمجھتا ہوں، جو نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نکلے اور جن ناموں کا نشان قرآن مجید میں کہیں نہیں ملتا وہ نام اللہ ورسول کے دفتر میں نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی ملت ہم کو عنایت کی گئی اور جن کی اتباع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور ہوئے، وہ مسلمان تھے۔ **ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔** (حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یکسو [خالص] مسلمان تھے) خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بزبان خداوندی ارشاد ہوا **وامرت ان اکون من المسلمین** (مجھ کو حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں سے ہوں) اس کا بیان اصل کتاب میں آئے گا۔ اس وقت غرض یہ ہے کہ ہمارے نبی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ اہل قرآن تھے، نہ اہل حدیث، نہ اہل فقہ، نہ سنی، نہ شیعہ، وہ تو مسلمان تھے اور خالص مسلمان۔ ہم آپ کی امت ہیں ہم بھی مسلمان ہی ہیں۔ ہمارا مذہب بھی بہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی اسلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ جب ہی آپ کی امت میں ہمارا شمار بھی ہو سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متبع قرآن مجید تھے ہم آپ کی امت ہیں تو ہم کو بھی اسی کی اتباع کرنی چاہیے۔ ہمارا نام بھی خدا نے مسلمان ہی رکھا ہے "**ھو سمٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا** اللہ نے تمہارا نام مسلمان ہی رکھا پہلے بھی اور اب بھی" (حج:78) "**ورضیت لکم الاسلام دینا**" اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا (مائدہ:3) میں اپنے ساتھ کوئی بدعتی نام پسند نہیں کرتا۔ میں مسلمان ہوں، میرا دین اسلام ہے اور مجھے اسی دین اور

Marfat.com

اسی نام پر ناز ہے، جو اللہ کا رکھا ہوا ہے۔ یہی دین ہمارے آنحضرت ﷺ کا تھا اور بلا آمیزش کسی اور بدعتی القاب کے آپ کے پیروؤں کا رہا۔ یہی دین سارے پیغمبروں کا اور یہی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی۔ ''**و من یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه**۔ ملت ابراہیم سے وہی پھرتا ہے جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنایا'' (بقرہ:130) مسلمانوں نے تفرقے ڈال کر اور تفرقہ کے الفاظ ملا کر تشخص پیدا کیا تو بیوقوف بنے۔

میں ہرگز اہل قرآن نہیں کیونکہ اہل قرآن کا فرقہ بمقابلہ اہل حدیث اور بمقابلہ آریہ سماج نکلا ہے، اس نے قرآن کو چیستان اور معما بنا کر، اسے کھینچ تان کر، اس کی ہڈیاں مروڑ کر۔ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی ہے۔ الفاظ کے جوڑ توڑ سے ایسے معنی نکالے ہیں کہ قرآن کو سو دفعہ پڑھ جاؤ مگر وہ معانی کبھی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ تیرہ سو برسوں کی نماز جو عمل متواتر سے ثابت ہے، اس کے لیے یہ اصول گھڑ لیا گیا کہ نماز میں قرآنی ہی الفاظ ہوں۔ حالانکہ اللہ کو لفظ مطلوب نہیں، مفہوم اور دلی خشوع مطلوب ہے کیونکہ نماز اس کی یاد کے لیے قائم ہوئی ہے۔ **اقم الصلوٰة لذکری**۔ فرقہ اہل قرآن کی تمام تصانیف میری نظر سے نہیں گزریں، دو تین رسالے پڑھے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوا کہ وہ قرآن کی ہڈیاں مروڑنے، نئے احکام پیدا کرنے، نئی شریعت قائم کرنے اور اس دین میں جو تفرقہ مٹانے آیا تھا تفرقہ ڈالنے کو کھڑا ہوا ہے۔ اور میرا مقصد خدائی دین اسلام کو بیان کرنا ہے جو خود تفرقہ شکن ہے۔ اس کے سوا بھی اہل قرآن کو قرآن مجید کی روحانیت سے سروکار نہیں اس لیے وہ دوری میں پڑا ہے۔ اور جو اللہ سے دور اس سے میں دور، میں کسی طرح اس کا ہمدرد نہیں، ساتھی نہیں۔ ہاں اگر کوئی حق بات اس کے منہ سے نکل جائے تو اس کے تسلیم کر لینے میں میں پس و پیش بھی نہیں کرتا۔ حق بات جس کے منہ سے نکلے۔ حق سے منہ موڑنا تو اللہ سے منہ موڑنا ہے۔

نہ میں اہل حدیث ہوں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیعہ کی طرح تبرائی ہیں، کہ کمزور ضعیف اور مشتبہ حدیثوں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منسوب کر کے جب تک اس میں قطعیت نہ پیدا ہو اپنا ٹھکانا خطرناک بناؤں۔ اور قرآن کو باہمہ تواتر حدیث سے منسوخ کرنے یا حدیث سے مخصوص و محدود کرنے یا قرآن پر اضافہ کرنے کو کھڑا ہو جاؤں کہ

Marfat.com

یہ بھی نسخ قرآن ہے، اور حدود اللہ کا توڑنا، جس کا نام تفسیر قرآن رکھا گیا ہے اور نہ میں امکانی شقوق کو اختلافات حدیث کے مٹانے کے لیے کافی اور تشفی بخش سمجھتا ہوں، کیونکہ امکان میں کوئی قطعیت نہیں۔

فقہ کی اصلیت تو قرآن مجید میں پائی جاتی ہے، اس لیے تفقہ سے مجھے انکار نہیں مگر تفقہ کے وہ معنی میں نہیں سمجھتا جو قوم نے سمجھے ہیں۔ دین میں سمجھ پیدا کرنا تفقہ ہے اور حسب فرمان خداوندی ایک جماعت ایسی ہر زمانہ میں ہونی ضرور ہے۔ تفقہ ختم رسالت کی طرح اختتام پذیر نہیں۔ تفقہ تو جاہلوں اور اندھوں کی آنکھ ہے جس کے سہارے یہ چلتے ہیں۔ پھر بھی میں اہل فقہ نہیں کیونکہ یہ بھی اہل قرآن اور اہل حدیث کی طرح بدعتی نام ہے۔ نہ یہ نام اللہ و رسول نے ہمارا رکھا نہ وہ جن کی امت میں ہم ہیں ان ناموں کے ساتھ موسوم ہوئے۔

ہاں میں مسلمان ہوں اور خالص مسلمان الا للہ الدین الخالص۔ نہ میں اس کے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہوں کیونکہ وہ خود ہی شریک نہیں کرتا ولا یشرك فی حکمه احدا۔ اس کے حکم میں کسی کو بھی شریک کرنا ممنوع اور شرک فی الحکم ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دلی مقصود یہی تھا کہ اللہ کے بندے اللہ کے ہو کے رہیں۔ اس لیے اللہ کی محبت عین رسول خدا ﷺ کی محبت ہے۔ تو اللہ کی محبت نے، اس کی عظمت و جلالت نے اس کی قدوسیت اور تنزہ نے میرے دل میں کسی کی جگہ نہیں چھوڑی تو میں اس کے سوا کتنے معبود بناؤں اور اس کے سوا کس کس کے آگے جھکوں۔

میں قوم سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ اپنی خواہشوں، مذہبی توہمات اور خاندانی خیالات سے فانی ہو کر بحضور خداوند جل و علیٰ اس کتاب کو پڑھے، قائل کو نظر انداز کرے اور قول پر توجہ کرے، تعصب سے پاک ہو، اور اللہ کا خالص بندہ ہو کر، اللہ کا اور اللہ ہی کا طالب ہو کر اس کتاب پر غور و فکر کی نگاہ ڈالے، جہاں میں اپنی طرف سے کچھ کہوں تو اس پر ''فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه۔ میرے ان بندوں کو جو بات سنتے ہیں پھر جو اچھی ہو اس پر چلتے ہیں، خوشخبری سنا دو'' (الزمر:18-17) کے اصول پر عمل پیرا ہو۔ اور جہاں کہیں اللہ کا کلام پائے تو اس میں تدبر و تفکر کرے جو مامور خداوندی ہے۔

Marfat.com

اس تدبر کے بعد اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے جو اللہ سمجھا دے اس پر یقین کرے، اس کے آگے گردن جھکائے اور اس کی تعمیل میں جدوجہد کرے۔ اگرچہ کوئی اس کی حمایت کا دم نہ بھرے۔ ''بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ط ولو القی معاذیرۃ ط انسان اپنے نفس کا دانا و بینا ہے گرچہ وہ عذرات و بہانے کھڑے کرے۔'' (القیمہ :15-14) باز پرس اپنے دلی ایمان سے ہے اور دلی یقین کچھ ہو اور عمل ہو دوسروں کے کہے پر، تو یہ نفاق ہے۔

قوم کی نسبت اللہ سے ٹوٹ گئی ہے، یعنی کلمہ ایمان پر ان کا یقین رسمی ہے۔ وہ اللہ ہی کو معبود نہیں سمجھتی بلکہ اوروں کو بھی۔ اللہ ہی اس کا مقصود نہیں رہا بلکہ وہ ماسوا کی دلدادہ ہو گئی ہے۔ وہ اللہ کے فرمان پر چلنے کو تیار نہیں بلکہ اپنے احبار و رہبان کی فرمان بردار ہو گئی ہے۔ اسی لیے وہ برے حال کو پہنچ گئی ہے۔ حقیقی اسلام آشکارا کرنے سے میری حقیقی نیت یہی ہے کہ بندوں کی نسبت اللہ سے پھر سے جوڑ دوں اور قوم کو شرک فی الحکم اور شرک فی النبوت کے گڑھے سے نکالوں۔ تاکہ وہ روشنی جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں ضو افشاں تھی وہ پھر تاباں ہو۔

اے قوم! دل کو، دماغ کو، نیات اور اعمال کو خدائے واحد کے لیے خالص کر، پاک کر اور قابل قبول بنا، کہ قرآن مجید کا نور دل و دماغ کو روشن کرے اور تجھے انسان کامل بنا کر اللہ کے حضور میں کھڑا کرے۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء (نور:35)

Marfat.com

عرض حال

اگر کوئی جنگل سے ٹپک پڑے تو یہ دیکھ کر کہ دنیا کی ساری آبادی میں ہر کوئی، کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے، وہ بھی کوئی نہ کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے گا۔ یا کوئی دہریہ دہریت سے تائب ہو اور کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے تو ضرور وہ مذہب حق کا متلاشی اور متجسس ہوگا مگر یہ راہ اسے کٹھن دکھائی دے گی۔ وہ دیکھے گا کہ دنیا میں ہزاروں ہزار مذاہب ہیں مگر ہر ایک اپنے ہی برسر حق ہونے اور دوسروں کے برسر باطل ہونے کا مدعی ہے۔ وہ گھبرا اٹھے گا کہ حق کسے سمجھے اور باطل کسے۔ ہر ایک مذہب کے باطل ہونے پر اس کے خلاف کی ساری دنیا گواہی دے رہی ہے تو یہ اتنی بڑی گواہی کیوں کر مردود کی جائے اور پھر کوئی مذہب حق کیوں کر تسلیم کیا جائے۔

سارے مذاہب میں سے حق و باطل کو چننا، کھرے کھوٹے کو پرکھنا، جب تک کسی ایسے معیار پر نہ ہو جسے دنیا تسلیم بھی کرتی ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ تو ایسا معیار عقل و فطرت ہی ہو سکتا ہے۔ جس سے کوئی ذی عقل انحراف کر ہی نہیں سکتا۔ یہی عقلی براہین، فلسفی دلائل اور فطرتی مشاہدات سے اسلام کی حقانیت بمقابلہ دیگر ادیان کے **دعوۃ الحق** میں ثابت کی گئی ہے۔ جو کتاب شائع ہو چکی ہے اور طالب حق کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ طالب حق نے اسلام کی حقانیت تسلیم بھی کی، اسلام کے آگے سر بھی جھکایا اور مسلمان بھی ہوا۔ پھر بھی تحقیقات اور چھان بین کی جن جان جوکھوں مصیبتوں کو جھیل کر اس غریب نے اسلام قبول کیا تھا ان مصیبتوں سے وہ نکلا نہیں، اسی آفت میں وہ پھنسا رہا جس آفت کا وہ مارا ہوا تھا۔ مسلمان ہونے پر بھی وہ مسلمان نہ ہوا۔ کیوں کہ جس طرح دنیا میں سیکڑوں مذاہب شاخ در شاخ ہو گئے اسی طرح اسلام بھی۔ جس طرح ہر مذہب کی ہر ایک شاخ اس کی مدعی ہے کہ ہم ہی برسر حق ہیں اور ہمارے سوا سارے برسر باطل۔ اسی طرح اسلامی فرقے بھی اسی کے مدعی ہیں

Marfat.com

کہ تہتر (73) میں ایک ہم جنتی ہیں اور بہتر جہنمی۔ ہر گروہ اپنی خاندانی روش کا مغرور ہے اور ہر فرقہ اپنے حال میں مست ہے کل حزب لکل وجھۃ ھو مولیھا (بقرہ:148) ہر کوئی اپنے ہی اعمال کا دلدادہ اور اپنی ہی رفتار کو مقبول بما لدیھم فرحون (روم:32) بھی سمجھے ہوئے ہے اور معقول بھی کذلك زینا لکل امۃ عملھم (انعام:108)

افسوس۔ وہ اسلام جس نے سارے مذاہب کو اپنی وحدانیت کے رنگ میں رنگا تھا کہ صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ (بقرہ) یعنی خدائی رنگ، وہ بھی دیگر مذہبوں کے رنگ میں رنگ گیا۔ اب جو دیکھو تو اسلام بھی وہ اسلام نہ رہا جسے اسلام کہا جائے۔ اسلام آیا تھا منتشر سرشتوں کو جوڑنے، وہ بھی ٹوٹ پھوٹ کر ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس ملک میں جاؤ، یورپ ہو یا ایشیا، افریقہ ہو یا امریکہ، جہاں جاؤ براعظم ہو یا جزیرے، جنگل ہوں یا آبادیاں، جس بلندی پر جاؤ، جس پستی میں جاؤ، گلستان ہو یا خارستان، بوستان ہو یا ریگستان، تمام مسلمان پاؤ گے، مسلمانوں کی جماعتیں پاؤ گے، مگر کس حال میں، منتشر، متفرق، گروہ در گروہ، جماعت در جماعت۔ اور سب ایک دوسرے کو کافر، مرتد، بدعتی اور جہنمی کہنے والے۔ آخر اس کی وجہ کیا؟ خدائے واحد کی وحدانیت پر سب کا ایمان۔ سیدنا ونبینا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر سب کا ایمان اور قرآن مجید کی حقانیت پر بھی سب کا ایمان۔ پھر اختلاف کی اتنی شاخیں کہاں سے پھوٹیں کہ لگے مسلمان ہی مسلمان کو کافر و مرتد بنانے اور مسلمانوں ہی سے جہنم گرمانے۔

اس سوال کے حل کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ قوم کے مسلکوں کی طرف توجہ کی جائے تاکہ آشکارا ہو کہ کہاں سے مسلک بدلا ہے، جس نے مذہب کو بدل دیا، اور شاخ در شاخ کر دیا۔ تو مسلمانوں کا مسلک قرآن وحدیث وفقہ ہے۔ اس لیے مجھے چاہیے کہ میں ان تینوں کی حقیقتوں کو جیسا کہ قوم سمجھتی ہے بیان کر دوں۔

Marfat.com

مقدمہ

میں نے مقدمہ کتاب کو چند سرخیوں میں بیان کیا ہے اس کے بعد مضامین حل طلب سے کتاب شروع کی گئی ہے۔ ناظرین سے امید ہے کہ وہ پہلے مقدمہ کتاب پڑھ لیں پھر اصل مضامین کتاب کی طرف توجہ فرمائیں۔

Marfat.com

پہلی فصل

قرآن وحدیث وفقہ کا تعارف

قرآن مجید

خود قرآن مجید میں قرآن مجید کے متعلق خداوند تعالیٰ وتبارک نے بہت سی آیتیں فرمائی ہیں اگر میں سب آیتوں کو بیان کروں تو کتاب ضخیم ہو جائے گی۔ مگر کچھ نہ کچھ تو بیان کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید اپنی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے کا ڈنکے کی چوٹ مدعی ہے اور اب دنیا میں کوئی کتاب نہیں رہی جس کا خود یہ دعویٰ ہو کہ ہم کلام الٰہی منزل من اللہ ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ﴿١﴾ (فرقان:1)

خدا ایسا برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سارے جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾ (بنی اسرائیل:88)

اے محمد کہہ دو کہ اگر سارے انس وجن اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن جیسا ایک قرآن بنا لائیں جب بھی وہ ایسا قرآن نہ لاسکیں گے گرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر:21)

یہ قرآن اگر ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو ضرور تم دیکھ لیتے کہ اللہ کے خوف سے وہ دب جاتا پھٹ جاتا۔

Marfat.com

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ (شعرا:196-192)	بے شک یہ قرآن اللہ کا نازل فرمودہ ہے۔ اسے روح الامین سلیس عربی زبان میں تمہارے قلب پر لے کر اترا تاکہ تم ڈرانے والوں میں ہو اور بے شک یہی قرآن مجید اگلی کتابوں میں ہے۔
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ (سجدہ:2)	اس قرآن کا نزول بے شبہ از جانب پروردگار عالم ہے۔
اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:9)	بے شک یہ قرآن ایسا راستہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھا ہے۔
قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ (اعراف:203)	اے رسول لوگوں سے کہہ دو کہ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میری جانب وحی کی جاتی ہے یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے بصیرت ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت۔
وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ (انعام:155)	یہ ایک برکت والی کتاب ہے ہماری نازل کردہ تو اس پر چلے چلو اور پرہیزگار بنو تاکہ تم پر رحم ہو۔
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ (واقعہ:81-77)	بے شک یہ قرآن عزت والا قرآن ہے جو پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اسے پاک لوگوں کے سوا کوئی مس نہ کرے یہ منزل من اللہ ہے تو کیا تم لوگ اس کلام کے منکر ہو۔
وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ (اعراف:204)	جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (السجدہ:22)

اس سے ظالم تر کون ہے جس کو پروردگار عالم کی آیتوں سے نصیحت کی گئی تو اس نے اس سے منہ موڑ لیا بے شک ہم گناہ گاروں سے بدلہ لیں گے۔

سَنَجْزِی الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (انعام:157)

وہ جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں ان کے کترانے کے سبب ہم ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ (انعام:104)

تمہارے پاس تمہارے اللہ کی طرف سے بصیرتیں آ چکیں تو جس نے دیکھ پایا تو اس کا فائدہ اسی کو اور جو اندھا رہا تو اس کا وبال اسی پر۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ (طٰہٰ:124-126)

جس نے میرے قرآن سے منہ موڑا تو ضرور اس کے لیے تنگی کی گزران ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا اٹھائیں گے، وہ کہے گا کہ اے اللہ تو نے ہمیں اندھا کیوں اٹھایا ہم تو دنیا میں آنکھ رکھتے تھے۔ اللہ فرمائے گا کہ جس طرح ہماری آیتیں تمہارے پاس پہنچیں تم نے انھیں بھلا دیا اسی طرح آج تم بھلا دیے جاؤ گے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (المائدہ:16-15)

بے شک اللہ کی طرف سے روشنی یعنی روشن کتاب تمہارے پاس آ چکی جس کے ذریعہ سے اللہ ان کی جو اس کی رضا کے طالب ہوئے راہ نجات کی ہدایت کرتا ہے اور ان کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے جاتا اور صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ (حم السجدہ:44)

کہہ دو کہ ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت و رحمت ہے۔

Marfat.com

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس:58-57)

لوگو! اللہ کی طرف سے نصیحت اور دل کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت تمہارے پاس آ چکی تو اے رسول ان کو سنا دو کہ اللہ کے فضل و رحمت یعنی قرآن ہی پر چاہیے کہ لوگ خوشیاں منائیں۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ (اعراف:170)

جو لوگ قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں تو وہ نیکوکار ہیں ہم نیکوکاروں کا ثواب ہرگز ضائع نہ کریں گے۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ (حم السجدہ:42)

قرآن مجید میں باطل کسی طرح آمیزش نہیں پا سکتا۔

اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر:9)

ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس میں تو شک نہیں کہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل فرمودہ ہے۔ مگر خداوند عالم نے اس کی حفاظت کیوں کر کی اور یہ ہم تک پہنچا کیوں کر، وہ حسب ذیل صورت سے۔

جب خداوند عالم کو کوئی سورت یا کوئی آیت نازل کرنی ہوتی تھی تو حضرت جبرئیل اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کرتے تھے۔ آپ ان آیتوں کو یاد فرما لیتے اور وہ یاد ہو جایا کرتیں۔ اس کے بعد حضرت ابی بن کعب، ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کاتبان وحی تھے طلب کیے جاتے اور حسب ارشاد نبوی چمڑوں، ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر وہ لکھ لیا کرتے تھے، بجنسہ انھیں الفاظ کے ساتھ جو بذریعہ وحی نازل ہوتے تھے تاکہ لوگ ان کو بخوبی یاد کر لیں اور محفوظ رکھیں۔ یہ منزلہ آیتیں اوائل ایام نزول وحی سے لکھ لی جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں ان کے مسلمان ہونے کے پیشتر آیات منزلہ کی نقل ان کی بہن کے پاس موجود تھی۔

قرآن کی آیتوں کی ترتیب بھی خود حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات باسعادت میں آپ

Marfat.com

کی ہدایت اور حکم کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ خود فرما دیتے کہ اس کو فلاں مقام پر لکھو۔ جب کوئی نئی سورہ شروع ہوتی تو آپ شروع میں بسم اللہ لکھوا دیتے۔ سورہ توبہ میں آپ نے بسم اللہ لکھوائی نہیں تو بسم اللہ ہے بھی نہیں۔

جس طرح آپ لکھوا دیتے اسی طرح آپ کو یاد ہوتا اور اسی طرح انھیں حفاظ یاد کر لیتے۔ جنگ یمامہ میں جو آنحضرت ﷺ کے تھوڑے ہی دنوں بعد واقع ہوئی تھی۔ ستر حفاظ شہید ہوئے تھے۔ بلاشبہ حفاظ کو اسی ترتیب سے قرآن مجید یاد تھا جو ترتیب خود حضور پیغمبر خدا ﷺ سے تعلیم ہوئی تھی۔ آیتوں کی ترتیب کے ساتھ پوری پوری سورتیں بھی۔ خود آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید یاد تھا۔ آپ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوا بڑی سورتیں بھی پڑھتے تھے اور پوری پوری بھی پڑھتے تھے۔ اور زبانی تلاوت بھی فرماتے تھے چونکہ حکم تھا

اتْلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ (الکھف: 27) قرآن مجید کی تلاوت کیا کر و اس کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اللہ کے سوا کہیں تم جائے پناہ بھی نہ پاؤ گے۔

جو آیتیں الگ الگ ٹکڑوں پر لکھی گئی تھیں ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع کیا[1] اور حفاظ سے مقابلہ کرایا، اور اسی جمع شدہ کی حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ نے نقلیں شائع فرمائیں۔ وہی قرآن مجید بلا اختلاف جوں کا توں آج تک موجود ہے۔ جس پر آج تک منکرین ومخالفین مذہب نے بھی کلام نہیں کیا۔ کیونکہ تمام دنیا کے شائع شدہ قرآن اور تمام دنیا کے حفاظ میں کسی دور اور کسی زمانہ میں اختلاف من حیث لفظ، من حیث کتابت، من حیث حفظ یا کسی حیثیت سے پایا نہیں جاتا۔ اور یوں **و انا له لحافظون** کی تجلی آشکارا کی گئی ہے۔ اختلاف قرأت یا قرآن مجید کی کسی آیت کا متروک ہونا جو کہا جاتا ہے وہ ضعیف روایتوں کی بنا پر علما کے شاخسانے ہیں۔ غرض قرآن مجید کے دو سلسلے نظر آتے ہیں۔ ایک بذریعہ حفاظ،

---

[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قرآن جمع کرنے کی روایت درست نہیں، علامہ تمنا عمادی نے اپنے محققانہ مقالہ ''جمع قرآن'' میں بخاری کی اس روایت پر فاضلانہ جرح کی ہے اور بتایا ہے کہ اس روایت میں کیا کیا سقم ہیں ادارہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ نے یہ بہترین کتاب شائع کی ہوئی ہے لائق مطالعہ کتاب ہے۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

دوسرا بذریعہ کتابت۔ جس طرح بذریعہ حفاظ سینہ بہ سینہ تواتراً آج تک قرآن مجید بلا اختلاف جوں کا توں تمام دنیا میں شائع ہو رہا ہے، اسی طرح بذریعہ کتابت بھی۔ دونوں سلسلوں میں نقطہ تک کا فرق نہیں۔ کیا یہ کافی اور قطعی شہادت نہیں ہے کہ وہ قرآن جو ٹکڑوں پر لکھا گیا تھا۔ وہ قرآن جس کو حفاظ حسب ہدایت نبوی یاد کر لیتے تھے۔ وہ قرآن جس کو صدیق رضی اللہ عنہ نے ٹکڑوں سے جمع کیا تھا، وہ قرآن جس کو حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ نے شائع کیا تھا وہی قرآن ہے۔ بے شک وہی قرآن ہے جو کتابت اور حفظ کے ذریعہ سے تواتراً بعد تواتر بلا اختلاف شائع ہوتے اور پھیلتے پھیلتے آج تک تمام دنیا میں، ہر ملک میں اور ہر آبادی میں، ہر جنگل میں اور ہر بیابان میں شائع ہے۔ اور جب تک دنیا ہے بحفاظت خداوندی شائع رہے گا۔ پھر اس میں شک کرنا قطعیات اور بدیہیات میں شک کرنا ہے۔

میں نے قرآن مجید اور واقعات سے کسی قدر بیان کیا جو اس مختصر میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ساتھ اس کے میں چند عقلی دلائل بھی حقانیت قرآن مجید کے متعلق پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آج کل عقلی ہی دلائل کے آگے لوگ سر جھکاتے ہیں۔

خلاق مطلق نے جتنی مخلوق پیدا کی تو اسے اس کے مایحتاج کے ساتھ پیدا کیا۔ مگر حضرت انسان ضعیف البنیان کو ہر طرح مجبور، ننگا مادر زاد پیدا کیا، ہر ایک کا محتاج۔ ایسا کیا تو شعور آنے پر اسے خاص شاہی چیز کا ایک حصہ یعنی کسی قدر محدود اختیار دے کر اسے خلیفہ بنایا اور عقل کو اس کی وزارت کی کنجی دی کہ وہ دنیا میں سب چیزوں پر باہدایت اور باجازت اللہ حکومت کرے اور اپنا مایحتاج اور اپنی ضرورتیں بحسن وخوبی آپ پوری کرے۔ جب تک توانائی اور عقل نہ ملی تو والدین میں شفقت ڈال دی وہ عقل آنے تک کے لیے اس کے کفیل ہوں۔ اگر وہ پیدا ہوتے ہی اور مخلوق کی طرح چھوڑ دیا جاتا کہ وہ اپنی غذا آپ پیدا کرے تو نیست و نابود ہو جاتا، عقل آنے پر بھی وہ مطلق العنان کر دیا جاتا جب بھی نقص عقل اور غلبۂ نفس سے وہ ٹھوکریں کھاتا پھرتا اور تباہ و برباد ہو جاتا۔ اس لیے اس نے جب عقل دی اور محدود عقل دی تو اسے قوانین فطرت کا ماتحت اور پابند بھی کیا۔ اس نے نفس دیا جس میں سرکشی بھی ہے تو اسے بھی قوانین فطرت سے مجبور کیا کہ حد سے باہر قدم نہ رکھے۔ قوانین فطرت جو

Marfat.com

ہر شے کی حد بندی کرنے والی ہے عقل ونفس کو بھی ان کی حد سے باہر جانے نہیں دیتے۔ عقل اگر نفس کی آمیزش سے سرکش نہیں ہو گئی ہے اور سلیم ہے تو اس کو چاہیے بلکہ اس کو لازم ہے کہ وہ اپنی حد بندی کو پہچانے، اور حدود اللہ کو نہ توڑے۔ فطرتی حدود کو تو وہ توڑ بھی نہیں سکتی۔ اس توڑ جوڑ میں وہ آپ اپنا ہی گھاٹا اٹھائے گی۔ اس کے لیے ضرور ہے کہ عقل قوانین فطرت کو ملاحظہ کرے، اس پر غور وفکر کرے اور اس سے انسانی دفعات متخرج کرنے میں جدو جہد کرے۔ مگر قوانین فطرت جس میں قوانین ارضی ہیں تو قوانین سماوی بھی ہیں۔ قوانین بری و بحری ہیں تو قوانین سیارے وثوابت بھی ہیں، علیٰ ھذا سارے ہی مخلوق کے سارے ہی قوانین اس میں مندرج ہیں تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے کہ عقل بہ ایں کم مائیگی اتنے بڑے ضخیم قانون میں سے انسانی قانون متخرج کر سکے۔ اس لیے خالق انسان کے لیے (جیسا کہ وہ رحیم ہے تو عادل بھی ہے) ضروری تھا کہ وہ انسانی قانون صاف اور واضح اسے عنایت کرے، جب اس کا حکمران اور اس کا مکلف کرنا قرین انصاف ہوگا۔ نحمد اللہ و نشکرہ کہ وہ اس نے عنایت کیا۔ قانون انسانی وہی کتاب اللہ ہے جو خلاق فطرت کی طرف سے عنایت ہوئی ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ فطرت کے مطابق بھی ہو۔ تاکہ اس کتاب کو اسی کی کتاب کہنا زیبا ہو جس نے فطرت بنائی اور اس کتاب کا یہ دعویٰ کہ ہم کتاب الٰہی ہیں صحیح اور قابل تسلیم ہو۔ کتب الٰہیہ تو بہت تھیں، اور سب ہی مطابق فطرت تھیں، مگر بہت سی کھوئی گئیں اور بہت سی بدل گئیں جن کی حقیقت آئندہ ظاہر کی جائے گی۔ اور اب تو قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب اللہ رہی نہیں۔ اسی لیے قرآن مجید کے سوا کسی کتاب کا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ہم کتاب الٰہی ہیں۔ نہ اس کے سوا کوئی کتاب مطابق فطرت ہے بھی۔ "تنزیل من رب العلمین" (حم السجدہ 2:)

کتاب اللہ کی ضرورت میں نے بیان کی تو انسان کے ہوتے کسی نہ کسی کتاب اللہ کا ہونا بھی ضرور ہے۔ ورنہ اگر کوئی کتاب اللہ نہ تسلیم کی جائے تو انسانی دنیا کی خدائی سلطنت قانون فطرت کے مغلق اور لاینحل قانون پر رہ جائے گی، جس کو کماحقہ سمجھ لینا انسانی فطرت سے پرے ہے۔ اس سے اللہ پر الزام آئے گا، اور اللہ پر الزام نہیں آ سکتا۔ اس لیے جو کتاب کتاب الٰہی ہونے کا دعویٰ کرے اور فطرت کے مطابق بھی ہو، اور وہ انسان کو انسان کامل

Marfat.com

بنانے والی بھی ہو، تو کوئی وجہ اس کے جھٹلانے کی نہیں، ایسی کتاب ضرور الٰہی کتاب تسلیم کی جائے گی اور ایسی کوئی کتاب قرآن مجید کے سوا اس دنیا میں تو نہیں ہے نہ کوئی کتاب قرآن مجید کے سوا ایسی پائی جاتی ہے جس میں اللہ کا تخاطب بندوں کے ساتھ پایا جاتا ہو جو شایان کتاب الٰہی ہے۔ اس لیے بھی اللہ کے کلام ہونے کا استحقاق قرآن مجید کو ہی ہے اور یہ دعویٰ اس کے شایان ہے۔ "تنزیل الکتاب لا ریب فیه من رب العلمین" (السجدہ:2) یہ وہ کتاب ہے جس کے منزل من اللہ ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں۔

دنیا میں قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے من حیث عبارت، من حیث فصاحت و بلاغت، من حیث اخلاق جسمانی، من حیث اخلاق روحانی، من حیث حکمت، من حیث ہدایت، من حیث پاکی مذہب، من حیث صفائے مشرب، بلکہ ہر ایک حیثیتوں سے "فأتوا بسورة من مثله" (ایک سورہ بھی تو ایسی کہہ لاؤ۔ بقرہ:3) کا غلغلہ بلند کیا ہو، اور اس کو مدعیوں اور مخالفوں کے مقابلہ میں ڈالا ہو اور اپنے فضل وکمال پر نازاں گروہ کو بھی ڈنکے کی چوٹ عاجز کیا ہو، اور دعویٰ کے ساتھ یہ ثابت کر دکھایا ہو کہ جس طرح اللہ کی فطرت کی جاندار نقل نہیں اتر سکتی اسی طرح اس کے کلام کی بھی فیض بخش نقل نہیں اتر سکتی اور کسی طرح اللہ کا کلام انسانی کلام یا انسان کا کلام الٰہی کلام نہیں ہو سکتا۔ "قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴿۸۸﴾ اے رسول! منادی کر دو کہ اگر انسان اور جن بھی سارے کے سارے اس بات پر اکٹھے ہوں کہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنا لائیں جب بھی وہ ایسی کوئی کتاب بنا نہ لا سکیں گے گرچہ وہ ایک دوسرے کے معین و مددگار بھی ہوں۔" (بنی اسرائیل:88)

میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ دنیا کی کل کتابوں میں ایک قرآن مجید ہی فطرت کے مطابق ہے اور اس لیے یہی خلاق فطرت کی کتاب ہے اور کوئی دوسری نہیں۔ تو اگر میں اس مطابقت کو بہ وضاحت اور بہ تفصیل بیان کروں تو اس مختصر بیان میں اس کی گنجائش نہیں اور کچھ نہ بیان کروں تو دعویٰ بے دلیل رہ جاتا ہے گرچہ ہدایت محتاج دلیل نہیں۔ یہ بدیہی ہے کہ قرآن مجید کا ہر حکم اور ہر ہدایت بالکل قانون فطرت کے مطابق ہے۔ میں مثال کے طور پر

Marfat.com

اک عامۃ الورود اعتراض کو ہی اپنی دلیل اور ثبوت دعویٰ بنا کر بیان کرنا چاہتا ہوں تا کہ آشکارا ہو کہ قرآن مجید کہاں تک مطابق فطرت الٰہیہ ہے۔ مثلاً سلسلۂ آیات کو ہی دیکھو جو بد بینوں کا معترض علیہ ہے۔ تو سلسلۂ آیات قرآنی میں بھی وہی سلسلہ پایا جاتا ہے جو کل فطرتی چیزوں میں ہے، اور کل ان چیزوں میں ہے جو فطرتی حالت میں ہیں، اور جن کا سلسلہ کما حقہ دریافت کر لینا انسانی دسترس سے باہر ہے۔ جو سلسلۂ نظم میں ہے، آسمان میں ہے، پستی میں ہے، بلندی میں ہے، وہی سلسلۂ نظم تاروں میں ہے، ثوابت و سیاروں میں ہے، ان کی کششوں اور ان کی گردشوں میں ہے، وہی سلسلۂ نظم انقلاب موسم میں ہے، انقلاب لیل و نہار میں ہے، بلکہ ہر اجسام و روحانیات میں ہے، یعنی وہی سلسلۂ نظم جو فطرت میں ہے، وہی کلام ربانی میں ہے۔ سورتوں میں بھی اور آیتوں میں بھی، ظاہراً نہ وہاں نظم ہے نہ یہاں، اور حقیقت میں وہ بھی مضبوط نظم سے منتظم ہے اور یہ بھی۔ فطرت کے لیے ہے **لا تبدیل لخلق اللہ**، تو کلام ربانی کے لیے ہے **لا تبدیل لکلمات اللہ**۔ نظم عالم کو کوئی توڑ نہیں سکتا تو کلام ربانی کو بھی جو بالکل فطرت کے مطابق ہے کوئی بدل نہیں سکتا۔ دیکھ لو کہ جو قوتیں ایک خاص نظم کے ساتھ انسان میں فطرتاً پائی جاتی ہیں انھیں قوتوں کو حدود فطری اور اقتضائے فطری کے ساتھ کام میں لانے کے لیے ہدایتیں نازل ہوئی ہیں۔ قوت باصرہ، قوت سامعہ، قوت ذائقہ، قوت شامہ، قوت لامسہ، قوت خیال و ادراک، قوت شہوت و خواہش، قوت غضب و جلال، قوت انضباط و اتقاء، اور علی ہذا ساری قوتیں اور ساری نعمائے الٰہیہ، جس نظم و انتظام کے ساتھ انسان کو ملے ہیں اسی نظم کے ساتھ ان کے احکام و ہدایات ہیں، گرچہ بظاہر ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ مگر وہ نہایت مضبوط نظم کے ساتھ منتظم ہیں۔ کیا کائنات کا کوئی ذرہ بھی قانون نظم سے باہر ہے؟ ہرگز نہیں، ہو نہیں سکتا۔ یہ نظم فطرت یہ سلسلہ انتظام قرآن مجید کے سوا اور کہیں پایا نہیں جاتا۔ حق بین آنکھیں اس مطابقت سے کھل جاتی ہیں اور بد بین کو یہ سلسلہ بے سلسلہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلام الٰہی میں شکسپیر کا ڈراما اور سر والٹر اسکاٹ کے ناولوں کا انسانی سلسلہ ڈھونڈتے ہیں، جسے نہ پا کر وہ اور حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ یہ بھی اپنی بری فطرت، اپنی اٹھان کی ناسازی اور اپنی غلط صحبتوں کی بدحواسی سے مجبور ہیں۔ ''یضل بہ کثیرًا وّ یھدی بہ

Marfat.com

كثيرا۔ بہتیرے اس سے گمراہ ہوتے اور بہتیرے اس سے ہدایت پاتے ہیں۔'' (بقرہ:26)
اللہ کے قول وفعل میں ایسی بیّن مطابقت بیّن دلیل اور کھلی شہادت ہے کہ ''انہ لتنزیل رب العلمین بے شبہ یہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل فرمودہ ہے۔'' (شعرا:192)

غور وفکر کرنے والو! کائنات پر غور وفکر کرو تو کائنات تمہیں ظہور صفات ہی نظر آئے گی اور صفات بھی مسبب بہ اسباب۔ ظہور صفات یہ کائنات ہے اور اس کے مسبب بہ اسباب ہونے کا قانون قانون فطرت۔ مگر سبب ظاہری سبب حقیقی نہیں ہے۔ سبب ظاہر تو یہ ہے کہ ماں باپ نے پیدا کیا مگر خالق حقیقی اللہ ہے۔ بظاہر رزق تو زمین سے اگا اور مختلف ذرائع واسباب سے ہم تک پہنچا مگر رزاق مطلق اللہ ہی ہے۔ اسی طرح کلام الٰہی نے بھی زبان پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ اختیار کیا مگر اس سے وہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو جائے گا، بلکہ اس کلام پاک کا متکلم حقیقی بھی اور صفات کی طرح اللہ ہی ہے بے شبہ قرآن مجید خدائے عالم ودانا کا نازل فرمودہ ہے۔ ''تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم'' (جاثیہ:2)

قرآن مجید کی حقانیت کے متعلق اور کچھ دیکھنا چاہو تو وہ **دعوۃ الحق** میں دیکھو جو منکروں کے مقابلہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا تخاطب چونکہ مسلمانوں کی طرف ہے، اور مسلمانوں کا ہر ایک فرقہ قرآن مجید کی حقانیت پر متفق ہے، اس لیے اس کی حقانیت کی نسبت مجھے کچھ زیادہ لکھنا نہیں ہے۔ یہ اتنا کچھ بھی اس لیے لکھا گیا کہ جو لوگ قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وہ نقلی اور عقلی دلائل کو سن کر قرآن مجید کی عظمت وجلالت پہچانیں اور اپنے ایمان میں مستقل اور مستقیم ہوں۔ اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن مجید کلام الٰہی کا درجہ کسی حیثیت سے حدیث وفقہ کے برابر ہے۔

استناد احکام کے لیے اول تو قرآن مجید تھا جس کی حقانیت وحقیقت کسی قدر میں نے بیان کر دی کہ یہ کس درجہ قطعی ہے۔ دوسری چیز استناد احکام کے لیے حدیث ہے۔

حدیث

سیدنا ونبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پیغمبری میں جو اہل حضور تھے وہ خوش نصیب تھے، خوش زیست تھے، تذکروں کے محتاج نہ تھے، آنکھیں بھی سینک لیں، دل بھی ٹھنڈا کیا۔

Marfat.com

بعد کے دور والے جو بچھڑے ہوئے تھے ان کے دل محبوب کے تذکروں ہی میں بستے تھے، کیونکہ ان کے لیے پانے کی راہ نہ دیکھنے کا راستہ۔ اس طرح آپ کے تذکرے اور آپ کی حدیثیں یہاں وہاں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ تو جیسا تذکروں کا دستور ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں، اس پر مبالغہ، جدت، رنگ آمیزیاں حسب دستور زمانہ لازم۔ یہ باعث ہوا موضوعی حدیثوں کے ذخیروں کا۔ محبت کی آنکھ رد و قدح کرتی ہی نہیں، کیونکہ جوش محبت میں نہ درایت کی گنجائش ہوتی ہے نہ ترازوئے تحقیق پر تولنے کی ضرورت۔ محبت کا متوالا ہر بات کو تسلیم کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ یوں غلط روایتوں نے فتح یابی حاصل کی۔ مگر ہاں جو شراب محبت پیتے گئے اور بدمست نہ ہوئے، جنھوں نے آفتاب سے نظارہ بازی کی، مگر بجائے چکا چوند میں پڑنے کے ان کی آنکھیں اور بھی روشن ہو گئیں، وہ حقیقت کی تجلیوں سے فیضیاب ہوئے۔

تذکروں کا زمانہ جب غبار آلود ہوا اور رطب و یابس کے انبار لگے، تو حق بینوں کی آنکھیں کھلیں۔ پھر جو منظر سامنے آیا اس سے ان کا ایمان کانپ گیا اور دل لرز گیا کہ یا اللہ یہ تو بری بنی، وہ چھان بین میں لگے اور حدیث کے جانچنے کے شرائط مقرر کیے اور ان شرائط پر جانچنا شروع کیا۔ ان کی یہ غرض نہ تھی کہ نیا دین قائم کریں۔ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ دین میں قرآن مجید سے فاضل کسی کتاب کا اضافہ کریں یا اسلام میں فرقہ بندی قائم کریں۔ بلکہ ان کی غرض خالص یہ تھی کہ حدیثوں میں تمیز پیدا ہو، موضوعی حدیثیں جہاں تک امکان کے اندر ہے چھٹ جائیں اور آئندہ وضع حدیث کا دروازہ بند ہو۔ جو کوششیں اس کے متعلق انھوں نے کیں، اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔ ان کی کوششیں تمام تر مشکور ہوئیں اور وہ بوجہ خلوص نیت جس طرح عنداللہ ماجور ہوئے عندالخلائق بھی ویسے ہی محمود و مقبول ہوئے۔ پھر اس چھان بین کے متعلق جو کچھ کیا گیا اور اس کے لیے جو اصطلاحیں قائم کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں:

حدیث کی تقسیم دو طرح پر کی گئی ہے۔ من حیث روایت، اور من حیث راوی۔ من حیث روایت تقسیم حسب ذیل ہے:

Marfat.com

اول: مرفوع

وہ حدیث ہے جو خاص آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل ہو، یا آپ کے روبرو دوسروں کا فعل جس کو آپ نے منع نہ فرمایا۔

اب اگر راویوں کے نام مذکور ہوں تو مسند ہے۔ اگر راویوں کا سلسلہ لگاتار پہنچتا ہو تو متصل ہے۔ سلسلہ نہیں پہنچتا تو منقطع ہے۔

دوم: موقوف

وہ قول وفعل ہے جو کسی صحابی سے روایت کیا جائے اور آنحضرت ﷺ سے منسوب نہ ہو۔

من حیث سلسلہ یہ بھی مسند، متصل اور منقطع کی تقسیموں میں منقسم ہے۔

سوم: مرسل

وہ حدیث ہے جو تابعی آنحضرت ﷺ سے روایت کرے اور ذکر صحابہ کا نہ کرے۔

من حیث سلسلہ یہ بھی مسند، متصل اور منقطع کی تقسیموں میں منقسم ہے۔ موقوف اور مرسل میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ معتبر اور قابل استدلال ہیں یا نہیں۔

چہارم: معلل

وہ حدیث ہے جو ظاہر میں تو عیوب سے پاک معلوم ہوتی ہو، مگر اس میں پوشیدہ سبب طعن پائے جاتے ہوں۔

پنجم: مدرج

وہ حدیث ہے جس میں کسی راوی کا کلام درج ہو جائے اور گمان یہ ہو کہ یہ کلام بھی حدیث ہی ہے۔ یا دو متن دو اسناد سے مروی ہوں اور ان کو ایک سند سے روایت کیا جائے۔

ششم: روایت

وہ حدیث ہے جو یوں شروع کی جاتی ہے "یہ بیان کیا گیا ہے یا فلاں شخص نے یوں روایت کی ہے"۔

ہفتم: موضوع

وہ حدیث ہے جو کسی نے خود بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی

Marfat.com

ہو۔ من حیث راوی حدیث کی تقسیم حسب ذیل ہے:

اول: صحیح - یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی اول سے آخر تک پکے دیندار اور متقی ہوں اور کبھی کسی قسم کی برائی کے ساتھ متہم نہ ہوئے ہوں، بلکہ تدین اور صدق مقال کے لیے مسلم اور مشہور ہوں۔

دوم: حسن- یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی بلحاظ اوصاف حمیدہ اس درجہ کے تو نہ ہوں جو حدیث صحیح کے راوی ہیں مگر باایں ہمہ وہ پرہیز گار و ثقہ ہوں اور اس حدیث کی اصلیت بھی غیر مشتبہ ہو۔

سوم: ضعیف- یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی بلحاظ اوصاف صحیح اور حسن دونوں سے گرے ہوئے ہوں۔

چہارم: غریب- یہ وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں سے کسی نے بھی بجز ایک آدھ حدیث کے اور کوئی حدیث روایت نہ کی ہو۔ جس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فن حدیث میں کچھ بھی خبر نہیں رکھتا۔

پنجم: مضطرب- وہ حدیث ہے جس میں روایت مختلف ہو۔ کوئی اس طرح روایت کرے کوئی اُس طرح۔

ششم: منکر- اس حدیث کو کہتے ہیں جو کوئی ثقہ اور معتبر شخص لوگوں کی روایت کے خلاف بیان کرے۔ اسی کو شاذ بھی کہتے ہیں۔

ہفتم: معلق- وہ حدیث ہے جس کے اسناد کے شروع میں سے ایک یا دو راوی چھوڑ دیے جائیں اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔

تدلیس۔ حدیث میں اس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی جس شخص سے روایت کرے اس سے ملاقات کی ہو یا اس کا ہم عصر ہو، مگر اس سے اس روایت کو سنا نہ ہو اور ایسے لفظوں سے بیان کرے جس سے یہ وہم ہو کہ سنا ہوا کہتا ہے۔

کوئی حدیث جس کی صحت اس طرح ثابت کی جائے جس طرح اوپر بیان ہوا، تاہم اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کی روایت مفید یقین نہیں ہوسکتی، بلکہ افادہ ظن کرتی ہے۔

Marfat.com

اس شبہ کے سبب سے احادیث مستندہ کے بھی تین درجے قائم کیے گئے ہیں: متواتر، مشہور اور خبر واحد۔

اول: متواتر۔ وہ حدیثیں ہیں جن کو حضرت رسول خدا ﷺ سے لے کر تمام صحابہ کبار اور علمائے دین نے، ہر ایک زمانہ میں، پے در پے بالاتفاق صحیح و مستند تسلیم کر لیا ہو اور ان میں سے کسی نے بھی جرح و قدح نہ کی ہو۔ ہر زمانہ کے علما کا قول ہے کہ قرآن مجید ہی حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، مگر بعض حدیثیں بھی متواتر ہیں اور ان کی تعداد پانچ سے متجاوز نہیں۔

دوم: مشہور۔ وہ حدیثیں ہیں جو متواتر کے درجہ تک تو نہ ہوں مگر علما نے ان کو صحیح تسلیم کر لیا ہو۔ اس باعث سے ان کی صحت بالعموم مسلم ہے، اور بعض عقائد مذہبی بھی ان پر مبنی ہیں، گو درایتاً تنقیح و تنقید کے امتحان سے وہ بری نہیں ہیں۔

سوم: خبر واحد۔ وہ حدیثیں ہیں جو مذکورہ بالا حدیثوں سے کمتر درجہ کی ہیں۔ علمائے اسلام اس باب میں کہ ان پچھلی حدیثوں پر عقیدہ مذہبی مبنی ہو سکتا ہے یا نہیں مختلف الرائے ہیں۔

بہ اعتبار تفقہ فی الدین کے راویوں کے مدارج یوں قائم ہوئے:

اول: جو بلحاظ علم و تفقہ زیادہ ممتاز اور قوی الحافظہ تھے وہ ائمہ حدیث کہلائے۔

دوم: جو ان سے کم تر درجہ کے تھے اور جن سے شاذ و نادر غلطی کے سرزد ہونے کا احتمال تھا۔

سوم: جن کے تدین اور صدق مقال میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ تھا، مگر انہوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا اور وہ اتنے متعصب بھی نہ تھے کہ اعتدال سے منحرف ہوں۔

چہارم: جن کے حالات سے اچھی طرح آگاہی نہیں۔

پنجم: وہ جنھوں نے مسائل مذہبی میں اختلاف کیا تھا۔

ششم: وہ جن کا حافظہ قابل اعتبار نہ تھا۔ اور جن کی طبیعت میں شک و شبہ بڑھا ہوا تھا۔

ہفتم: وہ جو جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشہور تھے۔

علما نے آخری تین درجہ کے راویوں کو مردود کہا ہے۔

Marfat.com

چونکہ حدیثیں زمانہ رسالت کے ڈیڑھ دو سو برس کے بعد جمع کی گئیں اور اس وقت جمع کی گئیں جب ہزاروں موضوعی حدیثیں دودھ پانی کی طرح مل چکی تھیں، دودھ کو پانی سے جدا کرنے کی کوششیں اور اس بار عظیم کے اٹھانے کی خدمتیں علمائے متقدمین نے خالصاً لوجہ اللہ کی تھیں۔ اس لیے وہ مقبول ہوئیں اور قوم نے ان کی کوششوں کی ایسی قدر کی جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ اللہ انھیں ان کی نیتوں کا اجر دے اور ان کی خدمتوں کو قبول فرمائے۔ مگر پھر بھی اختلافات احادیث کا جھگڑا نہ چکا۔ تو آخر میں علمائے متاخرین نے اپنی ذہانت اور طباعی سے تطابق احادیث کی راہیں نکالیں، اور امکانی شکوک سے کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی۔ ان کی یہ کوششیں بھی لوجہ اللہ تھیں اور خلوص نیت کا اجر ضائع نہیں جاتا۔ ہم کو علی قدر مراتب دونوں کا شکرگزار اور احسان مند ہونا چاہیے جو دونوں کا حق ہے۔

جو کچھ حدیث کے متعلق کہا گیا میں نے اس کو بیان کر دیا۔ اب جو کچھ حدیث کی تحقیق کے متعلق بیان کرنا ہے وہ اصل کتاب کے کسی نمبر میں بیان کیا جائے گا۔

تیسری چیز جو دین کا مسلک قرار دی گئی ہے وہ فقہ ہے۔

فقہ

جب اسلام پھیل گیا اور اسلامی فتوحات پھیل گئیں تو ضرورت ہوئی ملکی قوانین کی، جس کی رو سے مقدمات فیصل کیے جائیں۔ علمائے اسلام نے کمال درجہ کوششیں کیں کہ ملکی فیصلے کہیں دین کے خلاف نہ ہو جائیں۔ بلکہ قرآن و حدیث کی کسی طرح کی نسبت کے ساتھ دیے جایا کریں۔ اس نے راہ کھولی اجماع و قیاس کی۔ یعنی ملکی فیصلوں میں بہ استحفاظ دین و بہ استحفاظ حدود اللہ عقل کی حمایت حاصل کرنے کی۔ اس نے ایسی وسعت پیدا کی کہ چھوٹے بڑے سب کام اس میں سما جاسکیں۔ اللہ نے ان کی کوششوں کو بھی جو خالصاً لوجہ اللہ تھیں مشکور کیا، مقبول کیا۔ اور ان مقدس حضرات نے ایک بڑے درجہ تک کامیابی حاصل کی۔ استخراج مسائل کے لیے اصول قائم کیے، جسے اصول فقہ کہا جاتا ہے۔ گویا احکام ملکی جو قرآن و حدیث سے مل سکے تو وہ تو نص ہی ہے۔ اس سے فاضل جو احکام دینے پڑے تو انھیں اجماع و قیاس کی

Marfat.com

ترازو پر تول کر اور قواعد منطق کی پابندیوں اور فلسفہ کی غائر باریک بینیوں کے ساتھ فقہ کو اس طرح مرتب کیا جس کی مثال بھی ڈھونڈے نہیں ملنے کی۔ جن بزرگوں نے یہ خدمت انجام دی وہ امام کہلائے۔

مسلمانوں کو ان بزرگوں کا بھی حد سے زیادہ شکرگزار ہونا چاہیے کہ ان کی خدمت بغایت اہم تھی۔ اور انھوں نے اس خدمت کو خالصاً لوجہ اللہ انجام دیا۔ اور اس میں تا حد امکان کوششیں کیں۔ اللہ ان کی سعی کو ماجور و مشکور فرمائے۔

ہاں یہ افسوس اور تعجب کی جگہ تو ہے کہ اختلافات جو ہوئے وہ تو ہونے تھے، مگر اختلافات نے فرقے بنا ڈالے۔ تو یہ بھی ہونے ہی تھے۔ کیونکہ ان بزرگوں کے آگے اگر صرف قرآن مجید ہوتا جیسا کہ قرن اول میں تھا تو اختلافات اختلافات ہی رہتے، جیسا کہ قرن اول میں رہا۔ مگر یہ اس وقت کھڑے ہوئے جب حدیث کا ذخیرہ قریب قریب جمع ہو چکا تھا۔ پھر حدیثوں کے اختلافات مدارج کے سبب ان کی خدمت اور اہم ہو گئی اور موضوع حدیثوں کی کثرت اشاعت کے سبب اور اہم تر ہو گئی۔ جس کی کسی قدر حقیقت مقدمہ کے بعد اصل کتاب میں بیان ہو گی۔ ان بزرگوں نے اول قرآن مجید کو، پھر حدیث کو جس کا سلسلہ آنحضرت تک پہنچا تھا، پھر صحابہ کے اقوال و افعال کو جو کتابت میں آئے تھے، پھر تابعین کے اقوال و افعال کو بھی جو کتابت میں آ کر حدیث کے لقب سے ملقب ہوئے تھے، استنباط مسائل کے لیے ماخذ قرار دیا۔ اور جہاں صریحاً اس سے عجز ہوا تو اجماع و قیاس سے کام لیا۔

فقہا و مجتہدین جنھوں نے تفقہ کی راہ کھولی اور دین میں ظاہراً یا باطناً سمجھ پیدا کی اور اس کے ودیعات سے قوم کو مستفیض کیا۔ انہوں نے ہدایت ربانی کی اس آیت کی تعمیل کی ''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ کیوں نہ نکلا ان کے ہر گروہ میں سے ایک طائفہ کہ دین میں سمجھ پیدا کرے، اور وہ قوم کو ڈرائے جب ادھر متوجہ ہوتا کہ لوگ برائیوں سے بچیں۔'' (توبہ:122) انھوں نے دین میں سمجھ پیدا کی اور لوگوں کو سمجھایا۔ دینی احکام بتائے یا ملکی احکام بتائے، وہ قرآن مجید نہ سمجھنے والوں کے لیے ہدایت کا باعث ہوئے اور حصول دین

Marfat.com

کے لیے سہولت کا باعث۔ مگر افسوس ہے کہ دین کے دو ٹکڑے کیے گئے۔ حصۂ باطنی صوفیوں کے حوالہ ہوا اور ظاہری فقہا کے۔

فقہا اپنے خلوص خدمت کے سبب خدائے ذوالجلال کے یہاں ماجور ہیں اور ان کی سعی مشکور ہے، ہم کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے جو ان کی منزلت کی سزاوار ہے اور ان کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے جو ان کی شان کے شایان ہے۔

استناد احکام کے لیے قرآن و حدیث و فقہ جو تین چیزیں ھیں ان کی حقیقت میں نے بیان کر دی۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ باوجود کلمہ ایمان میں ہر فرقہ کے متفق ہونے کے بھی اختلاف کی شاخیں کہاں سے پھوٹیں اور فرقہ بندی کی بنا کہاں سے پڑی۔ حدیث سے اختلاف کی بنا پڑی، سنیوں کی حدیث جدا، شیعوں کی جدا ہوئی۔ پھر اختلافات احادیث نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ یہ اختلاف رفتہ رفتہ جھگڑے کے درجہ تک پہنچا۔ اس نے ہر فرقہ میں بھی فرقہ بندی قائم کی۔ فرقہ بندی کے تعصّبات نے کتب خانے کھڑے کیے اور قوم انھیں جھگڑوں میں الجھ گئی۔ جب حدیث نے فرقہ بندی قائم کی، تو قرآن ماؤل بن گیا اور فقہ جو تمام تر حدیث ہی کی شاخ ہے اس نے ہر فرقہ کو خفیف خفیف اختلافوں پر شاخ در شاخ کر دیا۔ اور قرآن مجید مجمل قرار پا کر "کتاب اللہ وراء ظهورهم" نظر انداز کیا گیا اور قوم "اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله" کی مورد بنی۔

اس فرقہ بندی کے تعصّبات نے عمل متواتر کی قوت سے چشم پوشی کی جس کی منزلت اور قطعیت قرآن مجید کے بعد ہے۔ میں ایسی مہتم بالشان چیز کو جو استناد احکام کے لیے قرآن مجید کے بعد قوی تر دلیل و ثبوت ہے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

عمل متواتر

قرآن شریف جو کلام الٰہی اور وحی ما انزل اللہ ہے جس کی کچھ حقیقت بیان ہو چکی اور کچھ مسائل حل طلب کے نمبر ۳ میں بیان ہو گی، اسے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا، یاد کرا دیا، لکھوا دیا، تبلیغ کر دیا اور بحفاظت خداوندی ہماری ہدایت کے لیے چھوڑ گئے۔ خود آپ بھی

Marfat.com

بحکم لم یزل ولا یزال اتباع قرآن مجید کے محکوم تھے تو کامل اتباع کی بھی۔ ایسی اتباع جس میں ذرہ برابر بھی نہ کہیں فرق ہوا نہ اختلاف، نہ کمی نہ بیشی، پھر جس طرح آپ نے کیا، قوم اسی طرح کرنے لگی اور کرتی چلی آئی۔ جس عمل کا مختلف طرح پر کرنا جائز تھا، اور اس کا انسان ہر طرح مجاز کیا گیا تھا، آپ نے اسے مختلف طرح پر کیا اور آپ کا ہر ایک طرح پر کرنا حق تھا۔ قوم بھی مختلف طرح پر کرتی چلی آئی، گرچہ رفتہ رفتہ نفسانیت کے جھپیٹ میں آ کر اپنی ہی روش کی دلدادہ اور دوسروں پر معترض ہو بیٹھی۔ اس نے فرقہ بندی کا بازار گرم کیا مگر قوم کا تیرہ سو برس سے مختلف طرز عمل بین شہادت آپ کے مجاز صورت کے طرز عمل کی ہے۔ اصلاً اعمال قوم عمل متواتر ہے، جس کا درجہ قرآن مجید کے بعد ہے، جس کی عظمت کو اختلاف و تعصب کے سبب قوم نے نظر انداز کیا ہے۔ عمل متواتر، اقوال غیر متواتر سے ضرور قوی تر ہے۔ قول صحت روایت، صحت راوی اور درایت کا محتاج ہے اور عمل بداہت کا۔ مگر افسوس ہے کہ عمل متواتر کی قدر و منزلت نہ کی گئی جو اس کا حق تھا۔ میری مراد عمل دین سے ہے جس کا تعلق قرآن مجید سے ہے، نہ رسومات و بدعات سے۔

یہاں پر ایک خدشہ ہوتا ہے

وہ یہ کہ جسے عمل متواتر کہا جاتا ہے، یہ خود حدیث سے مستنبط ہے۔ اعمال قوم کی بنا حدیث ہے۔ اہل حدیث کا حدیث پر عمل ہے اور اہل فقہ کا فقہ پر۔ مگر فقہ خود حدیث سے متخرجہ ہے، اس لیے کل اہل اسلام چاہے کسی فرقے کے ہوں، سب کا طرز عمل اپنی اپنی حدیث سے متخرجہ ہے۔ اس لیے عمل متواتر میں باہمہ اختلاف جو پایا جاتا ہے یہ بہ اختلاف حدیث حدیث سے متخرج ہے۔ اس لیے عمل متواتر کوئی نئی چیز حدیث سے باہر نہ ہوئی اور اس لیے حدیث کے ہوتے اور کسی چیز کی سند نہیں۔

Marfat.com

یہ خدشہ ایک دھوکا ہے

میرے نزدیک ایسا نہیں ہے کہ اعمال قوم حدیث سے متخرج ہیں، گرچہ اعمال قوم کی سند میں وہ پیش بھی کی جائیں کیونکہ قوم کے اعمالِ دین اجتماع حدیث سے ڈیڑھ دو صدی پیشتر سے تھے۔ حدیث ایک مدت کے بعد جمع ہوئی ان میں بھی جو منسوب بہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں وہ اعمال صحابہ اور اعمال قوم کی بہ سند و نسبت رسالت تاریخ ہے۔ اعمال و اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اعمال و اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سن کر یا دیکھ کر یا پوچھ کر جمع کرنے والوں نے جمع کر دیا اور اپنی اپنی شرائط کے ساتھ تنقیح و تنقید کر کے انھیں لکھ ڈالا، مگر عملاً قوم جس جس طرح کرتی چلی آتی تھی چلی آتی ہے۔ امتداد زمانہ کی تاثیر سے کہیں کہیں مخالف ہو جانا یہاں تک کہ قرآن مجید کے بھی مخالف ہو جانا فطرتی رفتار ہے جو ہونا ضرور ہے۔ فقہائے شریعت نے ملکی اور تمدنی فیصلوں کے لیے جو دین یعنی قرآن مجید سے فاضل دینے پڑے خبر و تاریخ کو سند قرار دے کر فقہ کی بنا قائم کی۔ متاخرین نے اخبار و فقہ کو ہی دین قرار دے دیا۔ بلکہ قرآن مجید کا نعم البدل کیونکہ یہ ناکافی و مجمل ٹھہرا اور وہ کافی اور مفصل۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے نماز و روزہ یا اور ارکان قرآنی اپنے اعمال باطل کر کے حدیث و فقہ سے قائم کیے ہوں اور اس کی منادی کرا دی ہو۔ بلکہ اعمال قوم میں قائم تھے اور دین کے سارے اعمال جاری تھے عملاً متواتراً۔ اعمال قوم اجتماع حدیث سے قدیم ہیں، اس لیے حدیث ان اعمال سے قائم کی گئی، نہ اعمال قوم کتب احادیث سے قائم ہوئے۔ اعمال قوم سے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ حدیث جمع کرتے وقت قوم کا طرز عمل کس کس طرح پر تھا۔ اس کی کوئی شہادت نہیں کہ قوم نے عمل متواتر باطل کر کے حدیث کے مطابق عمل قائم کیا ہو۔ اس لیے جو اعمال دینی یا قرآنی تمام دنیا میں پائے جاتے ہیں باہمہ اختلافات خفیفہ روایتوں سے مقدم ہیں۔ یہ عمل متواتر قول غیر متواتر سے جس کا خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی اہتمام نہ فرمایا اور گویا نظر انداز کیا ضرور ارفع ہے۔

حدیث کی بنا بھی سمجھو تو یہی عمل متواتر ہے۔ کیونکہ مرفوع حدیثیں مسند ہوں یا متصل بس یہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سلسلۂ نسبت رکھتی ہیں تو اصل حدیث یہی، بشرطیکہ صحیح و حسن بھی

Marfat.com

ہو۔ باقی حدیثیں احاد ہیں تو اشتباہی حالت میں ہیں۔ متواتر ہیں تو الشاذ کالمعدوم۔ ہاں مشہور حدیثیں ہیں جو عمل متواتر ہی کی کتابت ہے۔ مگر عمل متواتر سے فروتر اس لیے کہ کتابت کی وجہ سے اور کتابت کے بہت زمانہ بعد ہونے کی وجہ سے، یہ محتاج ہوگئیں روایت اور راوی کی صحت کی جانچ کی۔

میری سند عمل متواتر کی نسبت قرآن مجید سے یہ ہے۔ "وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط جو کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے بعد کہ اس کو قرآن مجید مل چکا ہو مخالفت کرے اور وہ مسلمانوں کی راہ کے سوا دوسری راہ پر چلے، تو جس راہ وہ چلا اسی راہ پر ہم اس کو لے جائیں گے اور اسے جہنم میں دھکیل دیں گے۔" (النساء:115) اسی سبیل المومنین کو میں نے عمل متواتر کہا ہے۔ مومنین کا لفظ عام ہے تو اس کو خاص کیوں کرو۔ کسی زمانہ سے یہ مقید نہیں تو اسے مقید کیوں کرو۔ اگر مومنین کے طریقوں میں اختلاف ہو تو چونکہ وہ اختلاف مجاز میں ہے اس لیے باہمہ اختلاف وہ سبیل المومنین ہے۔ اور یہ سبیل المومنین یعنی عمل متواتر جو آج تک عمل متواتر ہے اجماع حدیث سے پہلے ہے۔ قرآن مجید نازل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برت کر دکھا دیا، اسی طرح مومنون نے بھی عمل کیا اور وہی عمل آج تک لوگ کرتے چلے آرہے ہیں بس وہی عمل متواتر ہے۔

میں نے یہ دکھایا کہ باوجودیکہ مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والقرآن کلام اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور متفق تھے، پھر بھی فرقہ بندی کس طرح قائم ہوئی اور وحدت کیش اسلام ٹولیوں میں کس طرح تقسیم ہو گیا۔ مگر اس فرقہ بندی کی وجوہات کچھ ہی ہوں فیصلہ طلب یہ ہے کہ اتنے اختلافات کا جھگڑا جس میں نفسانیت اور تعصب نے بھی پورا پورا حصہ لیا ہو کیوں کر چکایا جائے۔ اور اس کا استحقاق کس کو ہے کہ ان جھگڑوں میں حکم ہو۔

حکم

میں جو کچھ بھی تقریر کروں، تو وہ یا تو کسی کے موافق ہوگی یا مخالف۔ وہ حق ہوگی یا ناحق۔

Marfat.com

پھر حق و ناحق کا فیصلہ کون کرے؟ تو اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید۔

ایسی صورت میں کہ قرآن مجید کی حقانیت اور قطعیت عقیدتاً اور عقلاً ثابت ہو چکی اور یہ سارے فرق اسلامیہ میں مسلم ہے۔ ایسی صورت میں کہ وہ طالب حق جسے **دعوۃ الحق** میں اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ ادیان مشہورہ میں سے اسلام کے آگے سر جھکا کر مسلمان ہو چکا، اور قرآن مجید پر وہ بھی ایمان لایا ہے۔ ایسی صورت میں کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے، جس پر مسلمانوں کے ہر فرقہ کا ایمان ہے۔ قرآن مجید کے سوا کوئی کتاب کوئی قانون یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ میری تقریر کے لیے کیا بلکہ اسلامی مذاہب کے جھگڑوں میں حَکم ہو۔ قرآن مجید ہی سارے فرقوں کا متفق علیہ ہے، قرآن مجید ہی پر ایمان کا دارومدار ہے، قرآن مجید ہی حق و باطل کی ترازو اللہ کی طرف سے بندوں کو عنایت ہوئی ہے، قرآن مجید ہی عقل سلیم کے لیے بھی کسوٹی ہے اور فہم رسا کے لیے بھی معیار۔ بس اسی کسوٹی پر میری تقریر کو کسو اور اسی ترازو پر سارے اسلامی فرقوں کو تولو۔ قرآن مجید ہی کا فیصلہ خدائی فیصلہ ہو گا۔ اس لیے اسی ترازو پر موجودہ اسلام کو مجھے تولنا ہے، اور اسی لیے اس کتاب کی بنا قرآن مجید کے سوا اور کسی کتاب پر نہ ہو گی۔

بدبین کو بہتان باندھنے، غلط کہہ دینے، بمقابلہ قرآن مجید علما کی رائیں پیش کر دینے یا ان کی سطوت و جلالت دکھانے، یا میرے علم و جہالت کے جائزہ لینے کا حق حاصل نہیں ہے، یہ ناحق ہو گا۔ ہاں اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ صریح قرآن مجید کے خلاف بتا دے، دکھا دے یا ثابت کر دے۔ یا وہ یہ دکھا دے کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہی نہیں، یا اس آیت کے یہ معنی ہی نہیں، اگر قرآن مجید کے خلاف چوک یا جہالت سے قرآن کے معنی بیان کرنے میں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو میں متنبہ ہوں گا، تائب ہوں گا اور اس صورت میں قرآن مجید کا فیصلہ میرے خلاف ہو گا۔ مگر قرآن مجید کو مرادی معنوں سے اور لوگوں کی رایوں سے جکڑو نہیں کہ اس کی قطعیت ہی کھو جائے۔ اور اگر میں نے غلطی نہیں کی ہے جس کی مجھے اللہ کی مہربانی سے کامل امید ہے، تو یہ خدائی پکار ہے جو آج یا کل گونج کر رہے گی۔

اے خدا! تو علیم ہے کہ تیرے اسلام کی خدمت کے لیے، تیری رضاجوئی کی نیت سے،

Marfat.com

تیری ہدایت کے مطابق اپنی بساط سے باہر کھڑا ہوا ہوں اور نفس وشیطان سے پناہ مانگتا ہوں، تیرے حضور میں پناہ لینے آیا ہوں اور تیری کتاب کے دامن میں آ کے چھپا ہوں، تو اپنی پناہ دے، رہنمائی کر، اعانت کر، ہمت دے، اخلاص دے، اور اپنی مرضی پوری کر۔ تری مرضی پوری ہو، مجھ پر اعتراض ہوا کرے۔ اے اللہ! دنیا میں اپنا دین خالص پھیلا دے کہ **الا للہ الدین الخالص** جس میں شرک کی ذرا باس نہ ہو اور مسلمانوں کو **واخلصوا دینھم للہ** کا پیرو بنا دے۔ آمین آمین آمین۔

چونکہ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید ہی کیوں حَکَم ہو، اور کتاب سماوی بھی تو ایمان میں داخل ہیں وہ بھی کیوں حَکَم نہ ہوں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ میں کتب سماوی کی نسبت بھی گرچہ یہ میرے موضوع سے الگ ہو جاتا ہے کچھ نہ کچھ ضرور بیان کروں۔

Marfat.com

فصل دوم

مختلف مذاہب کا مختصر تاریخی پس منظر

حقیقت کتب سماوی

کتب سماوی میں قرآن مجید بھی داخل ہے تو قرآن مجید کے متعلق متفرق حیثیتوں سے بیان بھی کیا گیا ہے اور بیان کیا جائے گا بھی۔ قرآن مجید کے سوا اور کتب سماوی پر میں از روئے تاریخ توجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر قوم اپنے مذہب کے لیے جس آسمانی کتاب کی مدعی ہے، اس کی وہ خود تاریخانہ کیا سند رکھتی ہے۔

دنیا میں جتنی قومیں ہیں، رسول سب میں آئے۔ کتابیں بھی سب میں آئیں۔ اسی لیے ہر قوم اپنے یہاں کتاب الٰہی کی مدعی ہے۔ مگر ساری قوموں کی کتابوں کی تحقیق، وہ بھی مورخانہ تحقیق، دشوار کیا محالات سے ہے۔ اس لیے میں انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں کے متعلق جن کا کچھ تاریخانہ بیان مل سکتا ہے لکھوں گا اس کے بعد قرآن مجید سے دکھاؤں گا کہ موجودہ کتب بنی اسرائیل کے متعلق اللہ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ تاہم کتب بنی اسرائیل کے سوا اور کتابوں کی نسبت بھی تاریخانہ نہیں تو کسی قدر عقلاً و درایتاً بھی بیان کر دینا ضرور ہے کہ یہ بحث موضوع کے اندر آ گیا ہے۔

ساری بڑی بڑی قومیں اپنے یہاں کتب سماوی کی مدعی ہیں۔ ہندو وید کو کتاب الٰہی کہتے ہیں زرتشت ژندوسطے کو اور صابی سدرہ ربا کو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر قوم میں رسول آئے تو رسالت بھی پہنچائی اور کتاب الٰہی بھی ضرور لائے۔ اس لیے ان قوموں میں کتاب الٰہی تو ضرور نازل ہوئی، اس میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ یہ کتابیں جس کے وہ من اللہ ہونے کے

Marfat.com

مدعی ہیں، وہ منزل من اللہ ہیں، یا امتداد زمانہ سے وہ کتابیں محو ہوتی گئیں اور ان کی جگہ انسانی کتاب نے لے لی۔ کیونکہ ان میں اختلافات ہیں اور سنۃ اللہ یہ ہی دیکھی جا رہی ہے کہ جب کتابیں محو ہوئیں تو پھر نئی کتاب اگلی کتابوں کی مصداق نازل ہوئی ہے۔ اس کا واضح بیان مقدمہ کے بعد اصل کتاب میں آئے گا۔

تحقیقات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں سے خود کسی کتاب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہم منزل من اللہ ہیں، پھر ان کے ماننے والوں کا یہ دعویٰ خلاف ان کی کتاب کے بھی ہے اور مدعی سست اور گواہ چست کا مضمون ہے۔ دوسرے ان کتابوں میں شرک اور ماسوا کی پوجا کی بھی تعلیم ہے جو کتاب الٰہی کی شان کے خلاف ہے اور جس کا نزول تحصیل لا حاصل ہو جاتا ہے اور لغو و بیکار۔ بہرحال چونکہ ان کتابوں کی نسبت اللہ نے ہم کو صریحاً نہیں بتلایا کہ یہ بھی منزل ہیں اس لیے اس بحث میں میرا روئے سخن ان کتابوں کی طرف نہیں ہے۔ ان کتابوں سے اس وقت ہمیں کچھ مطلب نہیں، نہ ان کی نسبت یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کتاب اللہ نہیں ہیں، یا ہیں تو ضائع شدہ، برباد شدہ اور سراپا محرف ہیں، یا کتاب اللہ کی جگہ یہ انسانی کتابیں ہیں جن میں کچھ کچھ خدائی ہدایتیں بگڑ بدل کر رہ گئی ہیں۔

ہاں بنی اسرائیل کی نسبت اللہ نے بصراحت بتایا ہے کہ انھیں کون کون سی کتابیں دی گئی تھیں۔ مگر آج سب کا وجود بکمالہ پایا نہیں جاتا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ اور نبیوں پر جیسا کہ کہا جاتا ہے مضمون نازل ہوتا تھا اور الفاظ انسانی ہوتے تھے، اگر وہ عبارت اور کلام خدائی ہوتا تو وہ نہ محو ہوتا، نہ اس میں تبدل و تحریف ہوتی۔ بہرکیف جن کتابوں کے نام بتائے نہ گئے وہ زیر بحث نہیں اور جن کتابوں کے نام بتائے گئے ہیں زیر بحث ہیں۔ یعنی توریت و انجیل۔ توریت میں اور کتابوں کے وہ ناتمام ٹکڑے بھی داخل ہیں جن کو کتاب الٰہی یا دین الٰہی کہنا بھی مشکل ہے۔

توریت و انجیل کی تاریخ کے متعلق خود ان کے ماننے والوں کی تحقیق زیادہ معتبر ہو سکتی ہے، جس سے ان کو بھی انکار نہیں ہو سکتا مگر اس کا ذخیرہ ہم ہندوستانیوں کو مل سکتا ہے تو انگریزی ہی زبان میں اور میں اس سے ناواقف، نہ میں علمائے مصر سے ہوں جو یورپین زبانیں بھی

Marfat.com

جانتے ہیں، نہ میرے پاس سرسید کے سے ذرائع کہ میں انگریزی دانوں سے اس کے حاصل کرنے کا سامان بہم پہنچا سکوں۔ اس لیے بجز اس کے چارہ نہیں کہ میں دوسروں کی تحقیقات پر قناعت کروں۔ اور اس مضمون کے متعلق اپنی تحقیق کی بنا دوسروں کی تحقیق کے حوالہ کروں۔ اس لیے میری مورخانہ تحقیق کی بنا تبیین الکلام تفسیر تورات وانجیل مصنفہ سرسید پر ہے۔ گرچہ اس تاریخانہ بیان سے سرسید نے جو نتیجہ نکالا ہے، میں نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ وہ صریح تاریخ کے خلاف مبنی بر عقیدت ہے۔ تاریخ موجود ہے جو کسی کے حصہ کی چیز نہیں۔

اس تفسیر میں سرسید نے اس کی تاریخ کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میں اختصار کو راہ دوں گا۔ تفصیل جسے دیکھنی ہو وہ تبیین الکلام دیکھے۔ اس کتاب میں سرسید نے موجودہ تورات وانجیل کو منزل مانا ہے مگر یہ ان کے بیان کردہ واقعات تاریخی کے خلاف ہے اور قرآن مجید کے بھی خلاف جسے میں واضح کروں گا۔ اور یہ دکھاؤں گا کہ یہ توریت وانجیل وہ منزل توریت وانجیل نہیں ہے بلکہ حدیث ہے وہ بھی بے درایت اور بے روایت اور بے تحقیق روایت۔ گویا ملفوظات بزرگان دین۔

تورات

احکام عشرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوح میں مکتوب ملے تھے۔ باقی ساری تورات وحی و القا تھی جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود لکھا تھا۔ یہ خود تورات سے منکشف ہے (دیکھو کتاب پیدائش) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات لکھ کر اللہ کے عہد کے صندوق کے پہلو میں تابوت سکینہ کے ساتھ قبۃ الضمان میں رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس تعمیر کیا تو انہوں نے تورات کو معہ اور قدیم کتب سماوی کے اور معہ اور تبرکات کے، بیت المقدس میں رکھا۔

بخت نصر مذہب یہود کا سخت دشمن تھا۔ اس نے بیت المقدس کو فتح کیا اور اس کو جلا دیا۔ تورات اور سارے تبرکات بیت المقدس کے ساتھ جل کر برباد ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ پھر حضرت عزیر نے تورات کو بذریعہ الہام لکھا کیونکہ وہ پیغمبر تھے۔

Marfat.com

میرے نزدیک یہ تحقیق طلب ہے کہ حضرت عزیر کوئی پیغمبر تھے یا احبار و رہبان میں سے تھے۔ جب تک خود اللہ کسی کی پیغمبری کی شہادت نہ دے اس کی پیغمبری کیوں کر مسلم ہو سکتی ہے۔ مذہب تاریخ کے اس بیان کی تردید کرتا ہے اور اس لیے حضرت عزیر کو پیغمبر تسلیم کرنا شرک فی النبوت کے خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے "وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی منہ بولی باتیں ہیں اگلے کافروں کے کہنے کی یہ ریس کرنے لگے ہیں۔ اللہ ان کو غارت کرے، یہ کہاں سے پھرے جا رہے ہیں انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر علما و مشائخ کو معبود بنا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی۔" (توبہ:31-30) عزیر کا نام سارے قرآن مجید میں اسی ایک جگہ تو آیا ہے اور یہاں پیغمبری کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ اللہ نے تو یہ فرما دیا کہ عزیر احبار و رہبان میں سے تھے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا اور اللہ کو چھوڑ کر احبار و رہبان اور حضرت مسیح کو معبود بنا لیا۔ تو حضرت عزیر کی جگہ اللہ نے احبار و رہبان فرمایا۔ اس سے صاف کھل گیا کہ حضرت عزیر پیغمبر نہ تھے بلکہ احبار و رہبان میں سے تھے۔ اسی لیے تاریخ نے بھی یہی کہا کہ حضرت عزیر نے تورات کو بذریعہ وحی نہیں بلکہ بذریعہ الہام لکھا۔ یعنی وہ ما یوحی اور ما انزل اللہ نہ رہی بلکہ ملہم من اللہ رہی۔ احبار و رہبان یعنی علماء و فقرا کو الہام ہوتا ہے اور الہام چونکہ وحی بالرسالت نہیں ہوتا اس لیے اس میں شیطان کی راہ بھی بند نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آئندہ مضامین حل طلب کے نمبر ۳ میں وحی اور الہام کی حقیقت آشکارا کی جائے گی۔ اس کے سوا اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ توریت کا نزول دو دفعہ ہوا، اور دو پیغمبروں پر۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، اور دوسری دفعہ حضرت عزیر پر۔ نہ قرآن مجید میں فرمایا، نہ تورات و انجیل میں۔ بلکہ ہر جگہ تورات کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہی فرمایا گیا ہے۔ اس کے سوا یہ سنۃ اللہ کے بھی خلاف ہے کہ ایک ہی نام کی کتاب کا نزول دو دفعہ، دو پیغمبروں پر ہوا ہو۔ یوں حضرت عزیر کو بلا بنیۂ رب پیغمبر مان لو

Marfat.com

جیسا کہ حضرت خواجہ خضر کو پیغمبر مانتے ہو تو ایسے ماننے نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے۔ (مصنف)

اینٹی ڈوکس اپی فینس نے دوبارہ بیت المقدس کو تاراج کیا اور حضرت عزیر کی لکھی ہوئی تورات بھی برباد ہوگئی (تو اس سے کیا ہوا عقیدت کی کرامت کوئی اور تورات پیدا کر کے چھوڑے گی۔ از مصنف)

وس میکبیس نے بیت المقدس کو پھر آباد کیا اور ایک نسخہ تورات کا منجملہ اور سامان کے پھر مہیا کیا۔ گرچہ اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ یہ نسخہ کہاں سے اور کس سند سے مہیا کیا گیا، اس کی صحت کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہے، مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی صحیح نسخہ تھا۔ یہ نسخہ روم کبیر میں گیا اور شاہی محل میں رکھا گیا۔

واقعات کا یہ حال اور اسناد کا یہ رنگ۔ ان اسناد و واقعات سے تورات کو منزلہ تورات یقین کرو تو کرو۔ خود تورات اٹھا کر دیکھو اور مفصلہ ذیل باتوں پر بھی دھیان کرو:

۱) تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کوئی ضمیر متکلم کی نہیں ہے کہ یہ اس قول کے قائل ہوں۔ مخاطب کی ضمیر بھی نہیں ہے کہ ان سے اللہ قائل ہو۔ بلکہ تمام غائب کی ضمیر ہے کہ حضرت موسیٰ نے یہ کہا، یا اللہ نے حضرت موسیٰ سے یہ کہا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا لکھنے والا تیسرا ہے۔

۲) تورات میں بعض ایسے نام اور ایسے حالات درج ہیں جن کا وقوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد کو ہوا ہے۔ مثلاً حیرون۔ بنی اسرائیل نے بعد فتح فلسطین کا نام حیرون رکھا تھا۔ اس لیے یہ تورات بعد فتح فلسطین لکھی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہیں بعد۔

۳) تورات میں برج عیذر کا ذکر ہے۔ یہ اس منارہ کا نام ہے جو یروشلم کے دروازہ پر تھا۔ یعنی توریت بعد تعمیر یروشلم لکھی گئی۔ اور یروشلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہیں بعد تعمیر ہوا تھا۔

۴) بنی اسرائیل میں چند بادشاہ ہو چکنے کے بعد تورات لکھی گئی کیونکہ ان کا ذکر تورات میں ہے۔

کتاب استثنا باب 34 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور ان کی قبر کا حال مذکور ہے۔ اس لیے یہ تورات وہ منزلہ تورات نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ ان کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے۔

Marfat.com

انجیل

وہ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اس کا تو وجود ہی نہیں رہا۔ موجودہ اناجیل نہ ایک کی تصنیف ہیں نہ ایک دوسرے سے متفق۔ نہ بکلام خدا ہیں نہ بکلام پیغمبر بلکہ مصنفہ فلاں ابن فلاں ہیں جن کو اخبار و حدیث یا ملفوظات کہو تو کہہ سکتے ہو وہ بھی بے اسناد روایت اور بے تحقیق درایت۔

انجیل ایک ہو تو کچھ کہا جائے۔ یہاں تو انجیلوں کا ڈھیر ہے۔ انجیل ولادت مریم، انجیل طفولیت جو متی نے لکھی۔ یوحنا نے لکھی۔ مرقس نے لکھی۔ بہت سی انجیلیں بہت سوں نے لکھیں۔ ساری انجیلوں کو اٹھا کر دیکھو تو توحید باری کی تعلیم گویا ندارد۔ ایمان باللہ کی ہدایت گویا مفقود۔ ہاں ایمان بالرسالت جو ترقی کر کے ایمان بہ الوہیت مسیح میں ڈھلا ہے بس یہی سب کچھ ہے۔ آسمانی بادشاہت بلا خداوندی سرکار کے اسی پر منحصر ہے۔ بجائے تعلیم توحید و اصلاح روحانیات وہدایات امور دین کے اس میں کرسی نامہ ہے، جو بے ضرورت ہے۔ اور باوجود اس دعویٰ کے کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں کرسی نامہ بے واسطہ اللہ تک نہیں پہنچایا جاتا اور وہ اولاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس کے سوا ساری کتاب گویا قصوں اور افسانوں سے بھری ہوئی ہے جس سے سوائے معجزے کے نہ کوئی عملی اخلاقی ہی تعلیم ملتی ہے نہ روحانی۔ کوڑھی چنگے ہوئے۔ اندھوں کو آنکھ ملی۔ بیمار شفایاب ہوئے۔ مردے زندہ ہوئے۔ اور دیکھو یوں ہوا یوں ہوا۔ گویا انجیل صرف حضرت مسیح کی قصیدہ کی کتاب ہے جو نثر میں ہے۔ اور یہ سارا کچھ بے فائدہ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو خلق اللہ ان نعمتوں اور الوہیت کی ان قدرتوں کی دید سے تو ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئی۔ جن کو یہ نعمت ملی تھی، ان کو ملی تھی، ان کو مبارک، وہ تو دیکھتے ہی تھے اور پچھلوں کی محرومی دور نہیں ہوسکتی کہ یہ ایسی قدرت کا ظہور اب کبھی دیکھ ہی نہیں سکتے۔ پھر اللہ کو ان قصوں سے جن میں نہ اخلاقی تعلیم نہ کسی طرح کی نفع بخش تعلیم مل سکتی ہے انجیل کو بھر دینے سے کیا غرض تھی۔ اس پر ہدایات ہیں تو خلاف فطرت نا قابل تعمیل۔ اس پر طرفہ تر یہ کہ تصدیق توریت کا دعویٰ بھی کہ ہم توریت کا ایک نقطہ مٹانے نہیں آئے ہیں اور لگے

Marfat.com

ہاتھوں اس کی تکذیب بھی کہ اگلوں نے یہ کہا، پر میں یہ کہتا ہوں۔ کیا اللہ کی منزلہ کتاب ایسی ہی ہوتی ہے یا ایسی ہی ہونی چاہیے۔ اور کیا ایسی کتاب شان پیغمبری سے بعید نہیں ہے۔ پھر کس طرح یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی انجیل تسلیم ہو سکتی ہے۔

اعمال حوارین۔ پال کے خطوط۔ رومیوں کو۔ گرنتھوں کو۔ کلدانوں کو۔ افسیون کو۔ فلپیون کو۔ کلسیون کو اور علی ہذا بہتیروں کو پیٹر کے خطوط۔ یوحنا کے خطوط۔ یہوداہ کے خطوط۔ یعقوب کا خط۔ یہ سب انجیل ہیں اور انجیل منزل۔ اللہ کی شان۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں اور اولیاؤں کے خطوط کی ملاطفہ خوانی کے لیے تشریف لائے تھے۔ اگر ایسا نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان خطوط کے ذمہ دار نہیں ہیں تو کسی طرح یہ جزو انجیل بھی نہیں ہیں۔

مشاہدات یوحنا و پطرس۔ کتاب مریم معجزات مسیح میں۔ کتاب سوالات صغیر و کبیر مریم۔ کتاب نسل مریم۔ کتاب عقیدت حواریاں۔ تعلیم حواریاں۔ کتاب مباحثہ پترس۔ کتاب قیاس پترس۔ کتاب خانہ بدوشی یوحنا و پترس۔ یوحنا کے نامے۔ پال کے نامے۔ علی ہذا مختلف لوگوں کے مختلف نام سے۔ پال کی کتاب سانپ کی منتر کی۔ افسوس ہے کہ یہ کتابیں انجیل میں داخل ہو کر معلوم نہیں کس عقل سے انجیل منزل سمجھی گئیں۔ پھر منتر کی کتاب انجیل میں داخل کر کے پیغمبر قل اعوذئے بنائے گئے ہیں۔ اللہ کی شان، اور اس کو مانتے وہ ہیں جو عقلائے زمانہ نئی روشنی کے آفتاب۔ تعصب کی ناپاکی سے پاک اور حد درجہ آزاد خیال ہیں۔ اللہ کی قدرت۔

ان کے سوا چند کتابیں اور ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہیں کہ ان کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لکھا تھا وہ یہ ہیں: (۱) نامہ ابگارس (۲) نامہ بنام پٹرویال (۳) وعظ اور تمثیلوں کی کتاب (۴) کتاب مناجات مسیح (۵) کتاب سحر کی (۶) کتاب پیدائش مسیح و مریم (۷) نامے جو آسمان پر سے گرے (۸) نامۂ مسیح جو مینی کیس نے پیدا کیا۔ یہ کتابیں انجیل مقدس سمجھی گئیں اور اللہ کی نازل فرمودہ۔ اللہ کی شان۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سحر کو توڑیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سحر کی کتاب تصنیف کریں۔ کتاب سحر کی پیغمبر خدا کے ساتھ منسوب کر کے کس بے باکی سے پیغمبر کو ساحر بنایا گیا ہے۔

یہ مختصر سا خلاصہ انجیل کا ہے۔ موجودہ انجیل ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھی یا لکھوائی

Marfat.com

ہوئی نہیں ہے۔حواریوں یعنی صحابہ کی ہوتو ہو۔مگر حواری پیغمبر نہ تھے وہ بھی تو حواری ہی تھے جو پیغمبر پر گواہی دینے اور ان کو سولی دلانے چلے تھے۔اور ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دس پیغمبر اور مبعوث نہ ہوئے تھے۔

موشیم صاحب اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۶۰ء صدی اول، حصہ دوم باب دوم کے صفحہ ۶۳ میں ارقام فرماتے ہیں ''چونکہ غلط انجیلیں تصنیف ہو ہو کر پاک پیغمبر کے نام موسوم ہوئی تھیں اس لیے ضرورت پڑی انجیل کے ایک نسخہ میں جمع کرنے کی۔ پھر تلاش سے اتنی انجیلیں ملیں جس کی انتہا نہیں اور عبارت میں اختلاف اور کمی اور بیشی کا اس قدر وجود پایا گیا جس کی حد نہیں۔اس لیے بمجبوری عبارت کی صحت اور اس میں کمی بیشی کی گئی۔اور محض شخصی قیاس سے کہنہ وجدید کا لقب دیا گیا''۔ (افسوس ہے کہ ایسی کتاب منزل من اللہ تسلیم ہوئی)

انجیل کی نسبت تاریخ کی ورق گردانی کرو تو اختلافات کی حد نہ ملے گی۔کسی انجیل کو لو۔ کوئی اس کو دوسری صدی کی تصنیف کہتا ہے کوئی تیسری، چوتھی، پانچویں، ساتویں، آٹھویں، دسویں اور بارھویں کی۔محققوں کی تحقیق بھی متفق نہ ہوسکی۔کسی نے کہا فلاں انجیل میں فلاں حصہ نہیں ہے۔کسی نے کہا فلاں فلاں انجیل میں فلاں فلاں حصہ کا اضافہ ہے۔تاریخ اٹھا کر دیکھو ان قصوں کا طومار ہے۔میں مفصل سندات کے ساتھ لکھتا اگر میرا یہ موضوع ہوتا۔تفصیل دیکھنی ہو تو **تبیین الکلام** میں دیکھو۔

ہارون صاحب لکھتے ہیں کہ عہد جدید کے وہ اصلی نسخے جن کو خود حواریوں نے لکھا تھا یا ان شخصوں نے جن کا لکھا ہوا ان کی نظر سے گزرا، مدت سے معدوم ہو گئے ہیں ان کے بارے میں کوئی تاریخی اطلاع نہیں ہے۔

بہتیری انجیلیں نقل ہوئیں، ان میں عبارت کی کمی، عبارت کا چھوڑنا، عبارت کا اپنے حسب حال بدلنا، عبارت کا اضافہ ہونا (یعنی تحریف کی کل صورتوں کا واقع ہونا) تاریخ ان سب باتوں کی شاہد ہے۔

اس لیے ضرورت تھی چھان بین کی۔عیسائی علما نے ان کی جانچ کے چھ اصول قرار دیے ہیں۔(۱) قلمی نسخے (۲) قدیم اور چھپے ہوئے نسخے (۳) قدیم ترجمے (۴) یکساں مقامات

Marfat.com

(۵) اگلے مصنفوں کی کتابیں جن سے کتب مقدسہ کے فقروں کی نقلیں لی گئیں (٦) قیاسی اصلاح۔غرض یہ چھ اصول قائم ہوئے دودھ کو پانی سے جدا کرنے اور حق و باطل کے تولنے کے۔

عیسائی علما نے ان قلمی نسخوں کو جو یہودی سمارتوں اور عیسائی گرجوں کی حفاظت میں تھے معتبر سمجھا، باوجودے کہ جو غلطیاں ان میں داخل ہو گئی تھیں وہ ان میں موجود ہیں۔اور نئے نسخوں کو بھی عموماً نامعتبر نہیں ٹھہرایا کیونکہ ممکن ہے کہ شاید وہ نسخہ کسی عمدہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہو۔ اس کے سوا اچھے لکھے ہوئے نسخوں کو برے لکھے ہوئے نسخوں سے ترجیح دی گئی۔ پھر جن جن قلمی نسخوں میں کوئی لفظ مٹا کر دوسرا لفظ لکھ دیا گیا تھا اس میں محققین کو جو لفظ دونوں میں اچھا حسب خواہ معلوم ہوا وہ لکھا۔ چھپے ہوئے نسخوں کے اختلاف عبارت پر بھی مناسب لحاظ کیا گیا۔

قدیمی ترجمے اگرچہ غلطیوں سے پاک نہیں ہیں مگر ان سے صحیح اور اصلی عبارت کی تمیز کرنے میں مدد لی گئی۔اور اس کے سوا قیاسی اصلاح نے بھی اعانت کی۔

1526ء میں انگلستان میں انجیل کا ترجمہ بزبان انگریزی چھپا۔ دوسرا ترجمہ 1535ء میں چھپا ہے۔ چونکہ یہ پہلے ترجمہ سے مختلف ہے اس لیے یہ خاص ترجمہ کہلاتا ہے۔

جب پوپ کی قوت پارلیمنٹ نے حاصل کی تو 1535ء میں گریفٹن اور وٹ چرچ صاحب نے بائبل کلاں چھاپی۔ اس ترجمہ میں بہت سی تبدیلیاں اور اصلاحیں کی گئیں۔ اس کی نسبت جانسن صاحب کہتے ہیں کہ میس کورڈیل صاحب نے اس ترجمہ کو عبری سے مقابلہ کیا اور بہت سے مقاموں میں اصلاح دی۔

1539ء کے درمیان جان بیڈل صاحب نے ایک اور بائبل چھاپی۔ اس میں میتھو صاحب کی بائبل کو صحیح کہا گیا ہے۔ جس کے حاشیہ کے کچھ حصہ کو اصل نسخہ میں داخل کیا ہے اور کسی قدر چھوڑا ہے، اور بہت کچھ اس کے مرتب کرنے والوں نے اپنی طرف سے بھرا ہے۔ بائبل کلان میں عام رومی ترجمہ سے لے کر بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

پھر بشبون نے 1572ء میں بہت کچھ ترمیموں اور اصلاحوں کے بعد بائبل چھاپی۔ (افسوس ہے کہ اتنی اصلاحوں کے بعد بھی خلاف فطرت قوانین جو خلاق فطرت کے ہو نہیں سکتے اب تک ہر بائبل میں موجود ہیں۔ قیاسی اصلاح نے بھی فروگذاشت کی)

Marfat.com

آخر ترجمہ جو اب مروج ہے اس کو بادشاہ جیمس کی بائبل کہتے ہیں جو بادشاہ نے خاص خاص ہدایات کے ساتھ انگریزی میں ترجمہ کرایا، جس کی انگریزی کالوجی سمجھی جاتی ہے۔ دوسو برس تک اس بائبل کا سکہ رہا۔ مگر تھوڑے عرصہ سے اس مشہور ترجمہ پر عجب تیزی سے حملہ ہوا ہے، کہ وہ اصل سے مطابق نہیں اور خوبی وعمدگی عبارت میں ناقص ہے، مشکوک ہے، اور غلط ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اہم امور میں بھی صحیح نہیں ہے۔ جان بیلنی صاحب سر جیمس بلینڈ پر دل کھول کر معترض ہوئے ہیں۔

اصل عبری کا اور اس کے ترجموں کا حال ظاہر کیا گیا، جس سے بلاشائبہ شک ظاہر ہو گیا ہے کہ موجودہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھی یا لکھوائی ہوئی نہیں ہے۔ نہ پیغمبر کی زبان، نہ حواریوں کی زبان۔ ان کتابوں کی تاریخانہ سند اور ان کے ترجموں کا حال بیان کیا گیا۔ اسی سے ان کی تحریفوں کا حال بھی کھل گیا کہ تحریف میں صرف معانی کا پھیرنا نہ تھا، بلکہ بدلنا بھی، گھٹانا بھی، بڑھانا بھی، اس میں قیاسی گھوڑ دوڑ بھی، ہر طرح کی صلاحیں بھی۔

اب میں دکھانا چاہتا ہوں کہ خداوند عالم نے ہم کو قرآن مجید میں تورات وانجیل کی نسبت کیا فرمایا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ تاریخ کہاں تک قرآن مجید کے مطابق ہے اور اس کی صحت کس درجہ پر ہے۔

حقیقت تورات وانجیل از روئے قرآن مجید

خداوند عالم نے تورات وانجیل نازل فرمائی اور اس کی صفت بار بار قرآن مجید میں کی ہے کہ یہ سراسر ہدایت ونور ہے بلکہ قریب قریب ویسے ہی الفاظ بیان ہوئے ہیں جو قرآن مجید کی نسبت ہیں، سوائے چند مہتم بالشان صفات کے۔ مثلاً قرآن مجید کو مہیمن اور محافظ کتب الٰہیہ فرمایا یا اس کی ہر طرح کی حفاظت محو ہونے یا تحریف ہونے سے اپنے ذمہ لی۔ یا اس کو معجزہ بنایا کہ انسان اس کی سی ایک آیت بھی کہہ کے نہ لایا اور نہ لا سکا۔ بہ استثنائے ایسی مہتم بالشان صفات کے بلحاظ ہدایت اور نورانیت کے تورات وانجیل بھی قرآن جیسی کتابیں تھیں۔ مگر تورات وانجیل جو منزل من اللہ تھیں، وہ تورات وانجیل نہیں جو تورات وانجیل کے نام سے موسوم ہیں۔ جس کی

Marfat.com

تاریخی حقیقت اوپر بیان ہوئی اور جس کی نسبت قرآن مجید کا فیصلہ ذیل میں بیان ہوتا ہے۔

۱) قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ پوچھو تو سہی کس نے وہ کتاب اتاری جو موسیٰ لے کر آئے جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت ہے، جس کو تم ورق ورق کیئے ڈالتے ہو، تھوڑا ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو۔ (انعام:91) تورات کے تو یوں اوراق اڑائے۔ ورق ورق کر ڈالنے کے معنی پھاڑنے کے نہیں بلکہ منتشر اور ضائع کرنے کے ہیں۔ بہت کچھ چھپا کے اور کچھ کچھ چھوڑ کے بھی لوگ کتاب اللہ کو ضائع کرتے رہے تھے۔

۲) وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ کہہ دو ہم تو صاف صاف عذاب سے ڈرانے والے ہیں جیسا کہ عذاب ہم نے نازل کیا تھا یہود ونصاریٰ پر جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ تو تیرے اللہ کی قسم ہے کہ ہم ان کے کیئے کا ضرور ان سب سے سوال کریں گے۔ (حجر:93-89) یہود و نصاریٰ نے تورات وانجیل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا یعنی ضائع کر دیا تھا تو اس کا نتیجہ انھوں نے بھگتا۔

۳) اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ۔ کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا جنھیں کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ (النساء:44) اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی کتاب ناقص اتری تھی یا کسی پیغمبر پر کسی کتاب کا کوئی حصہ اترتا تھا، جیسا کہ موجودہ تورات میں اگلے رسولوں کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس کتاب اللہ کا ایک حصہ رہ گیا تھا۔ تو جو کچھ ان کے پاس رہا تھا گویا نتیجہ کار وہی وہ دیے گئے تھے، اور باقی انھوں نے ضائع کیا اور مختلف صورتوں سے ضائع کیا تھا، جن صورتوں کو اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

۴) یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وہ کلام کو اپنی جگہ سے پھیر بدل کر دیتے ہیں اور ایک حصہ ان نصیحتوں کا جو انھیں کی گئی تھیں بھلا بھی بیٹھے۔ (المائدہ:13) کتاب کے ایک حصہ کو انھوں نے ضائع بھی کیا تھا اور وہ احکام وہدایات ربانی کو پھیر بدل بھی کرتے تھے۔ جبھی تو ان کی ان حرکات کی اللہ نے تہدید بھی فرمائی ہے۔

Marfat.com

۵) وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ اللہ کی نعمت یعنی کتاب اللہ آنے کے بعد جو کوئی اس میں تبدل و تغیر کرے وہ مستحق عذاب ہے، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (بقرہ: 211) وہ آیات اللہ کو بدلتے بھی تھے۔ نہ بدلتے تو یہ تہدید نہ آتی۔

٦) فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ افسوس ہے ان پر جو خود تو کتاب لکھتے ہیں اور منسوب کرتے ہیں اللہ کی طرف کہ یہ منزل من اللہ ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑا معاوضہ حاصل کریں اور کچھ منتفع ہوں (البقرہ: 79) یوں انسانی کتاب، کتاب اللہ تسلیم ہوئی۔ اس طرح ہدایات واحکام بدلے گئے۔ اور حق و باطل میں آمیزش بھی کی گئی۔ کچھ بھلا بیٹھے، کچھ ضائع کیا، تحریف بھی عام ہے۔ عبارت میں بھی ہوئی، معنی اور مفہوم میں بھی ہوئی۔ اور احکام الٰہی کا بیع و شرا بھی کیا گیا۔

یہ ساری باتیں جو اللہ نے فرما دی ہیں حقیقت کو منکشف کرتیں اور تحقیقات تاریخی کو جو اوپر بیان ہوئی ہیں صحیح ٹھہراتی ہیں۔

یہی حال ساری کتب الٰہیہ کا ہوا، کیونکہ یہی سنتہ اللہ اور رفتار فطرت کا اقتضا ہے۔ اسی لیے تورات میں اگلے انبیاؤں کے صحیفے جو پائے جاتے ہیں، وہ کتاب اللہ نہیں۔ کتاب اللہ کا مابقیہ اور نشانی ہیں، وہ بھی غیر متحقق۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ ہم نے ابراہیم والوں کو کتاب یعنی حکمت عنایت کی تھی۔ (النساء: 54) کتاب و حکمت کے یہ معنی نہیں کہ قرآن و حدیث دی تھی، بلکہ کتاب الٰہی کی باتیں چونکہ سراسر مبنی بر حکمت ہی ہوا کرتی ہیں اس لیے کتاب کا نام حکمت بھی ہے۔ تو نازل ہوئی تھی پوری کتاب، رہ گیا اس کا ایک ٹکڑا، وہ بھی آمیزشوں سے پاک نہیں۔ جس میں قصوں اور فضول باتوں کے سوا خدائی باتیں جو کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے چاہئیں وہ بالکل مفقود، جن کو دین یا کتاب الٰہی کہنا صحیح نہیں۔ لوگوں نے ایسے رسالوں اور ناتمام کتابوں کو صحیفہ مانا ہے اور بڑی کتابوں کو کتاب۔ کسی عالم نے لکھا ہوگا۔ اللہ تو فرماتا ہے **صحف ابراھیم و موسٰی**۔ تورات کو بھی صحیفہ ہی فرمایا۔ غرض تورات کے سوا ساری کتابیں ناقص اور ناتمام ہی پائی جاتی ہیں۔ تو یہ میرے دعویٰ کی بدیہی دلیل ہے۔ کیونکہ

Marfat.com

اللہ کا نہ کام ناقص نہ کلام یا دین ناقص۔ پھر اگر کوئی خدائی کتاب ناقص نا تمام اور نامکمل پائی جائے تو سمجھا جائے گا کہ اللہ کی وہ منزل کتاب رہی نہیں۔ اور اللہ کا کلام محو ہو گیا۔ اور اپنے متکلم کے پاس جا پہنچا۔ جیسا کہ اس نے فرمایا وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝۳۸ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹ رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ بے حکم خداوندی کوئی آیت لا سکے۔ ہر زمانہ کے لیے ایک کتاب ہے، اللہ محو کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے کیونکہ اللہ کے پاس تو ام الکتاب موجود ہے۔ (الرعد:39-38) ہر زمانہ میں کتاب اللہ آیا کی، جب قوم نے اس سے غفلت برتی، اس کو بھلا بیٹھی، اس میں تحریف کی، ضائع کی، ظلم کیا، اور کتاب اللہ کی جگہ انسانی کتاب نے لے لی۔ تو غیرت خداوندی نے اسے محو کر دیا اور اٹھا لیا۔ جب رحمت نے پھر جوش کھایا، تو اللہ نے پھر پیغمبر بھی بھیجا، اور پھر دوسری کتاب بھی بھیجی، جو اگلی کتابوں کی بالکل مصدق رہی۔ اسی طرح رسول آتے رہے اور کتاب اللہ آتی رہی، ساری کتابیں محو ہوتی رہیں اور اس کے قائم رکھے قائم رہ گیا قرآن مجید۔ باوجودیکہ ہر کتاب کے آنے میں مدت مدید کا وقفہ بھی ہوا، پھر بھی کوئی کتاب ایک دوسرے کے حکم و ہدایت میں مخالف نہیں، بلکہ مصداق رہی ہے، کیونکہ اللہ کے پاس تو ام الکتاب موجود ہے۔ اسی لیے مخالفت نہ ہونے اور تمام تر مصدق ہونے کو اللہ نے دلیل حقانیت ٹھہرائی ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲ (النساء:82)

ام الکتاب کے معنی لوح محفوظ کے بھی ہیں، اس سے انکار نہیں۔ لوح محفوظ میں سبھی کچھ ہے، علم خداوندی میں کیا نہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہاں پر ام الکتاب وہ کتاب ہے جسے ساری کتابوں کی ماں کہنا زیبا ہو۔ جو ہر زمانہ میں، ہر زبان میں مترجم بلفظہ ہو کر اتری اور یوں اس ایک کتاب سے کتابیں پیدا ہوئیں۔ وہ کون سی کتاب ہے؟ تو خداوند عالم نے قرآن مجید کی شان میں فرمایا ہے و انہ لفی زبر الاولین۔ قرآن مجید ہی ساری اگلی کتابوں میں نازل ہوا تھا۔ (شعرا:196) اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید ہی ساری خدائی کتابوں کی ماں اور ام الکتاب ہے۔ جب ام الکتاب ہی کو اللہ نے نازل فرما دیا تو ضرورت ہوئی اس کی ہر طرح کی

Marfat.com

حفاظت کی۔ وہ اس نے کی۔ وانا له لحافظون (الحجر:9) بھی فرمایا اور لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه (حم السجدہ:42) بھی فرمایا۔ یعنی ہم قرآن مجید کے محافظ ہیں۔ اور ہم باطل کی ہر طرح کی آمیزش سے اسے پاک رکھیں گے۔ آج تیرہ سو برس تو گزر گئے، قرآن مجید جوں کا توں بحفاظت خداوندی ایسے دلائل یقینی کے ساتھ موجود ہے کہ مخالفوں کو بھی انگلی رکھنے کی جگہ نہیں۔ اسی لیے نزول کا دروازہ بند ہوا، پیغمبروں کا آنا اختتام پذیر ہوا اور ناگزیر ہمارے رسول ﷺ خاتم النبیین ہوئے اور قرآن مجید خاتم الکتب۔

یہاں پر ایک خدشہ ہوتا ہے

جو سرسید کو بھی ہوا اور اسی نے ان کو مجبور کیا کہ باوجود تاریخ کی پرزور مخالفت کے انھوں نے بھی موجودہ تورات وانجیل کو منزل من اللہ مانا ہے اور اسی خدشہ نے علماء متقدمین کو بھی مجبور کیا ہے کہ انہوں نے تحریف کے مفہوم کو اپنی تاویلوں سے کمزور کرنے میں حد درجہ کوشش کی ہے۔ وہ خدشہ یہ ہے کہ جب اللہ نے باوجود دعویٰ تحریف کے موجودہ تورات وانجیل کو تورات و انجیل ہی فرمایا ہے تو اب موجودہ تورات وانجیل کے منزلہ کتاب ہونے میں کیا کلام رہا۔

میرے نزدیک اس خدشہ کا تشفی بخش جواب یہ ہے کہ اہل تورات تو وہ جو تورات کو مانیں اور اہل انجیل وہ جو انجیل کو مانیں۔ وہ یہودی، یہ نصاریٰ، مگر کہاں مانا: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ (التوبہ:30) یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو۔ دونوں کا صریح صریح کفر و شرک بیان کر دیا۔ اور نصاریٰ کی نسبت صریح فرما بھی دیا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ جن لوگوں نے تثلیث مانی وہ کافر ہیں (مائدہ:73) اللہ خود ان کا کفر و شرک بیان کر رہا ہے۔ اس کے سوا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ جو انکار کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق نکالیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں

Marfat.com

کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے بیچ میں اک راہ نکال لیں۔ ایسے ہی لوگ یقینا کافر ہیں۔ (النساء:151) کسی ایک رسول کا منکر کافر ہے۔ یہود و نصاریٰ ہمارے رسول کے منکر تھے تو ان کے کفر میں کیا کلام رہا۔ پھر بھی اللہ نے ان کو کفار و مشرکین کے لقب سے نہیں پکارا بلکہ اہل کتاب اور نصاریٰ ہی کہہ کر پکارا ہے اور مخاطب کیا ہے۔ اسی طرح موجودہ تورات و انجیل کو بھی باوجود منزل تورات و انجیل نہ ہونے کے بھی تورات و انجیل ہی کہا ہے۔ کچھ بھول چوک سے نہیں، بلکہ چونکہ یہود و نصاریٰ باوجود کافر و مشرک ہونے کے بھی اپنے کو یہود و نصاریٰ اور اپنی کتابوں کو تورات و انجیل کہتے تھے، گویا ان کا یہ نام ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے اللہ نے بھی انھیں انہیں ناموں سے یاد کیا جو نام وہ رکھے ہوئے تھے۔ آخر ان کتابوں کو جو تورات و انجیل کے ناموں سے موسوم ہیں غلط سہی مگر کن ناموں سے مخاطب کیا جاتا۔ مثلاً کوئی فرقہ مسلمانوں کا شرک کی حد کو پہنچ جائے اور پہنچا ہوا ہے، اگر وہ اپنے کو مسلمان کہے گا اور کہتا ہے تو وہ مسلمان ہی کہا جائے گا اور کہا جاتا ہے۔ اس کہنے سے وہ ممیز ہو گا مگر مسلمان اور حقیقی مسلمان نہ ہو جائے گا۔ اسی طرح یہود و نصاری اپنے منہ بولے ناموں سے یہود و نصاریٰ کہہ کر پکارے جائیں گے اور ان کی کتاب بھی تورات و انجیل ہی کے نام سے بولی جائے گی مگر نہ وہ حقیقی یہود و نصاریٰ ہو جائیں گے اور نہ وہ کتابیں منزلہ تورات و انجیل تسلیم ہوں گی۔ گویا تورات و انجیل ان کتابوں کا نام ہو گیا ہے۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ موجودہ تورات و انجیل میں بھی کچھ کچھ احکام و ہدایات ربانی بچے کھچے رہ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید سے کہیں کہیں مطابقت پائی جاتی ہے۔ مطابقت کی جگہوں کو بھی یہود و نصاریٰ چھپاتے تھے اور اللہ ان کو ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۹۳﴾ تورات لاؤ اور پڑھو تو سہی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ (آل عمران:93) یعنی وہی تورات جسے تم تورات کہتے ہو اسی کو لاؤ تو اس میں بھی ایک نبی امی کی زبان کی فرمائی ہوئی بات تمہیں ملے گی تو ایسی تصدیق سے تمہاری آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

Marfat.com

تاریخ مذہب

ہر جگہ دو گروہ کا ہو جانا بھی فطرت کی ایک شان ہے۔ اسی دو رنگی نے نیرنگیاں پیدا کیں جس کی یہ دنیا تماشا گاہ ہے۔

جس طرح نظم عالم پر غور کرنے والے دو گروہ ہو گئے، ایک تو قیاس و اوہام کے گھوڑے پر سوار، جو انسان، حیوان، نباتات، جمادات، ان کے تناسب، ان کی مشاکلت اور رفتار ترقی پر خیال کر کے یہ سمجھے کہ انسان جمادات میں جمادات تھا، نباتات میں نباتات تھا، حیوان میں حیوان تھا، بالآخر بندر بنا اور رفتہ رفتہ انسان ہو گیا۔ دوسرے جو بحر حقیقت کے تیراک تھے وہ یہ سمجھے کہ ہر جنس میں فطرتاً جو ودیعتیں رکھی گئی ہیں ان کے اپنے حدود کے اندر کی تکمیل، تکمیل کی غایت ہے۔ اپنے فطرتی حدود سے باہر قدم رکھنا فطرت کے خلاف ہے۔ جماد اپنی جمادی قوتوں کے اندر، حیوان اپنے حیوانی قویٰ کے اندر اپنی تکمیل کر سکتا ہے، وہ اپنے فطرتی جنس کو نہیں بدل سکتا۔ جس طرح جماد بنا اسی طرح انسان کیوں نہ بنا۔ صرف بعض بعض جنس میں کیفیات کی مشارکت اور مشابہت اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایک جنس کی مخلوق دوسرے جنس کی مخلوق ہو گئی۔ نہ املی آم ہو سکتی، نہ آم املی ہو سکتا ہے، جتنی مخلوق ہے سب جوڑا ہے۔ سب میں نظم و انتظام ہے۔ سب کا اپنا اپنا تمدن ہے، وہ بھی ہماری ہی جیسی مخلوق ہے کسی میں کوئی خاص صفت ہے، کسی میں کوئی خاص صفت۔ آج تک جماد کو حیوان ہوتے یا حیوان کو انسان ہوتے نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا۔ مگر چند مشابہت اور مشارکت سے یہ خیال قائم کر لیا گیا۔ جب حیوان ترقی کر کے انسان بنا تو اس کی ترقی رو کی کیوں گئی۔ وہ یوں ہی بنتا رہتا۔ حیوان ترقی کر کے تو انسان بنے اور انسان ترقی کر کے کوئی اور بالاتر مخلوق نہ بن سکے یہ کیوں۔ محض تک بندی کو جہالت نے فلسفہ کا تحقیق شدہ مسئلہ مان لیا ہے۔ اور مسئلہ ارتقا کا غلغلہ خلاف بداہت اور خلاف کسی عقلی دلیل کے مان لیا گیا ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ ظاہری و باطنی عالم میں ہزار طرح کی مخلوق ہے۔ پہاڑ، دریا، آفتاب، ماہتاب، تارے، کرے، ہر کرہ کا انداز جدا، اس کی مخلوق جدا، غرض ہزار طرح کی مخلوق، ہزار جنس کی مخلوق۔ جس مخلوق پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ جس طرح ہر لفظ میں معنی ہے اور

Marfat.com

معنی میں مطلب مستتر، اسی طرح ہر شے میں اس کا برزخ ہے۔ اور ہر برزخ میں اس کی روح مستتر۔ پھر ہر روح کا ایک وجود ہے اور ہر وجود میں روح کی طرح صاحب وجود مستتر۔ اور یوں وہ مراد کو پہنچے۔

اسی طرح نظام مذہب پر غور کرنے والے بھی دو گروہ ہو گئے۔ اوہام کے سائیکل سوار، بول اٹھے کہ تمدنی قانون جو ملکی خاصیت، تاثیر آب و ہوا، ضرورت زمانہ، اور اقتضائے وقت سے بنے اور بنتے گئے وہی بلحاظ مختلف ممالک، مختلف اقوام، مختلف طبائع کے مختلف مذاہب ہوئے۔ اور اس میں تراش وخراش کرنے والا مصلح یا پیغمبر سمجھا گیا۔ یہی تمدنی قانون ہے جس نے مذہب کا پیرایہ اور مذہب کا لقب اختیار کیا ہے۔ یہی مذہب کی حقیقت ہے اور سارے اہل مذاہب جو مذہب کی نوعیت عجائب کرشموں اور خلاف عقل باتوں کی افزائش سے عجیب وغریب بتاتے ہیں، اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ گروہ تو وہ ہے جس نے قیاس پرستی کے سبب اپنی ناقص سمجھ کو عقل کل جان کر مادیات ہی کی چار دیواری میں محبوس ہونے کو قلعہ بندی سمجھا اور مذہب سے سبکدوشی حاصل کر لی اور مذہبی ودیعات سے محرومی۔

دوسرا گروہ جو مذہب کے اندر ہے، اس میں سارے مذاہب کے لوگ ہیں یہ اپنے اپنے عقیدت مندانہ افسانے اور فرضی قصص سے اپنے اپنے مذاہب کی تاریخ بوالعجبی کے ساتھ قائم کر کے ایک دوسرے پر منہ آنے اور مغرورانہ انداز سے اپنی اپنی فضیلتیں قائم کرنے میں مشغول ہیں۔ یہ اپنی سی کہتا ہے وہ اپنی سی۔ مذہبی اعمال میں بس یہی رہ گیا ہے۔ اس سے خطرہ ہوتا ہے کہ اس آزادی کے زمانہ میں جس میں لامذہبی کی تاریکی چھائی ہوئی ہے کہیں مذہب کا شیرازہ ہی ڈھیلا نہ ہو جائے۔ خطرہ کیا معنی کہ اب اس کا خطرناک منظر تو آنکھوں کے سامنے ہے۔ اہل مذہب مذہب سے سبکدوش ہونے کے لیے تیار بیٹھے ہیں اور روحانیت کی کشتی ڈوبنے کے لیے تلملا رہی ہے۔ اسلامی دنیا میں دیکھو اور تو اور مجھے بعض مولوی بھی بعض مسلمان حکام کے خوش کرنے کے لیے اس ٹوہ میں ملے کہ احکام اسلامی کا مخرج دریافت کریں کہ کون کون سے احکام رومن لاء سے لیے گئے ہیں۔ اور کون کون سے احکام ایام جاہلیت کے رسومات ہیں جو قائم رکھے گئے ہیں۔ کون کون سے احکام مصلحت وقت سے دیے گئے اور کون کون سے احکام

Marfat.com

فلسفیانہ ہیں، فلسفہ سے متخرج۔ یہ تلاش ضرور اس عقیدہ کے بعد پیدا ہوئی ہے کہ مذہب اسلام منزل من اللہ نہیں ہے۔ یہ ضرورت پڑی مجھے تاریخ مذہب پر توجہ کرنے کی۔ مگر تاریخ کی کتابیں جو رطب و یابس سے بھری ہوئی شخصی بیانات بے تحقیق روایت اور بے درایت ہیں، اس لائق کبھی نہیں ہوسکتیں کہ ان پر کسی عقیدہ کی بنا قائم کی جائے۔ اور ان کو مذہب میں دسترسی ہو۔ اس لیے میں نے قطعیات کی طرف رجوع کیا، اور قرآن مجید نے یہ مشکل حل کردی۔

تاریخ مذاہب کا قرآن مجید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نزدیک تو دین، دین اسلام ہی ہے ان الدین عنداللہ الاسلام دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (آل عمران:19) اللہ ایک، اس کا دین ایک، ازلی اور ابدی، سنۃ اللہ یوں جاری رہی کہ ہر ایک امت میں پیغمبر دین اسلام اور کتاب اللہ لے کر آتے رہے۔ "و ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کوئی امت ایسی نہیں جس میں رسول نہ بھیجا گیا ہو" (فاطر:24) ہر ایک رسول جو کتاب لائے وہ ہر ایک کتاب ایک دوسرے کی مصدق رہی۔ جب ہر قوم میں فرداً فرداً رسول آچکے اور یہ سلسلہ ختم ہوا تو آخر میں اللہ نے ایک رسول کو ام الکتاب ہی دے کر جو مختلف زبانوں میں نازل ہوتی رہی تھی عنایت فرما کر کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے بھیجا "وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ اسی لیے یہ آخر الرسل یا خاتم الرسل کی ندا یا ایھا القوم کی جگہ یا ایھا الناس ہوئی۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ اے رسول منادی کردو کہ ۔۔۔ لوگو! میں ساری دنیا کے لیے رسول بھیجا گیا ہوں۔" (اعراف:158) اسی لیے آپ کو معجزہ بھی قرآن ہی دیا گیا۔ زندہ نبی کا زندہ معجزہ۔ آپ کی نبوت قائم ہے تو آپ کا معجزہ بھی قائم۔ اگر کسی خاص قوم کے رسول ہوتے تو عصا، ید بیضا احیائے موتٰی وغیرہ معجزہ دیا جاتا جس کی حیات قومی حیات سے بھی چھوٹی ہوتی۔

ساری قوم میں رسول آئے تو جس طرح قومیں مختلف المقام اور مختلف الحال تھیں، اللہ مختلف الوجود اور مختلف القول نہ تھا۔ نہ حق بدلتا ہے نہ باطل بدلتا۔ حق حق ہے اور باطل باطل۔ قانون فطرت اٹل قانون ہے کہ لا تبدیل لخلق اللہ۔ تو قانون الٰہی بھی جو اس کی بنائی ہوئی فطرت کے خلاف ہو نہیں سکتا اسی طرح ناممکن النسخ ہے کہ لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ اس لیے سب

Marfat.com

پیغمبر اور سب پیغمبروں کی کتابیں ایک دوسرے کی مصدق آتی رہیں۔ **مصدق لما بین یدیہ۔** گویا سارے ادیان ایک دریا کے چشمے تھے جو مختلف سمت کو نکلے اور اس لیے سارے ادیان کے قوانین بالکل ایک اور ناممکن النسخ تھے، سارے پیغمبروں نے اسلام ہی کا دعویٰ کیا کہ **انا اول المسلمین۔** یہ لفظ انا بصیغہ جمع سب پیغمبروں کے مسلمان ہونے اور سب کے دین کے دین اسلام ہونے کی منادی کرتا ہے۔ غرض سب پیغمبر مسلمان تھے، اسلام لائے، اسلام کی تبلیغ کی "**لا نفرق بین احد من رسلہ۔** ہم کسی رسول میں تفرقہ نہیں کرتے۔" (بقرہ:285)

پھر جب خدا کے اس قانون کے مطابق کہ "**فطال علیھم الا مد فقست قلوبھم** امتداد زمانہ سے لوگوں کے دل سخت ہو گئے" (حدید:16) لوگوں نے کتاب اللہ سے منہ پھیر لیا اور اپنے بڑے بڑوں کے اقوال کو کتاب اللہ کی جگہ اپنا دستور العمل بنا لیا۔ "**اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ۔** علما و مشائخ کو اللہ کے ورے رب بنا لیا۔" (سورہ توبہ:31) تو رفتہ رفتہ کتاب اللہ ضائع ہو گئی اور یہ اللہ سے دور پڑ گئے۔ ساری قوم میں کتاب اللہ تو آئی مگر اب کسی کتاب کا کھوج لگاؤ تو کچھ ہاتھ آئے گا نہیں، ایک قرآن کے سوا۔ اسی ضرورت سے پیغمبر آتے رہے اور کتاب اللہ لاتے رہے۔ دیکھتے جاؤ یہی سرگزشت ہر مذہب کی ہے۔

تو جب جب اسلام آیا، آیا تو پھلا پھولا، مگر امتداد زمانہ سے شاخسانے کھڑے ہوئے کہ اسلام کی بالکل صورت ہی بگڑ گئی، پھر وہ ایک نئے دین کی صورت میں نمودار ہو کر رہا۔ افسوس کہ اس سنۃ اللہ سے آخری اسلام بھی نہ بچا۔ **جس طرح دنیا کے سارے مذاہب اسلام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں، اسی طرح اس آخری اسلام کے سارے فرقے بھی اسلام کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔** یہی وجہ ہے کہ مذہب کے بہتیرے اصول اور بہتیرے احکام و ہدایات تمام دنیا میں اب تک ایک ہی ہیں۔ کسی مذہب نے کسی سے کچھ لیا نہیں بلکہ سارے مذاہب ایک ہی تھے۔ بگڑ بدل کر صورتیں بدلی ہیں۔ یہ وجہ ہے سارے مذاہب کے اخلاقی اور روحانی احکام کے اس درجہ مماثلت کی اور یہ وجہ ہے ان کی اس قدر مشاکلت اور مشابہت کی۔ اس کی تفصیل قرآن مجید کی آیتوں سے مضامین حل طلب میں خود آئے گی، یہاں دہرانا موجب طوالت ہے۔

مذہب کا مبدا اور منتہیٰ اللہ ہی ہے۔ وہیں سے مذہب کے چشمے نکلے اور وہیں گرتے ہیں۔

Marfat.com

دنیا میں ہزاروں ہزار مذاہب ہیں، بظاہر ایک دوسرے کے بہت کچھ مغائر، پھر بھی ان میں ایک وضع کی یگانگت ضرور ہی پائی جاتی ہے۔ ایک رب اعلیٰ کا چاہے وہ اس کا نام کچھ ہی رکھتے ہوں اور چاہے اس کے نام میں انہوں نے الحاد کو بھی داخل کیا ہو، تمام کو اقرار ہے۔ اس کی ذات و صفات پر کسی نہ کسی طرح سب ہی یقین کرتے ہیں گرچہ پہلو بدل بدل کر وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہوں۔ تمام مذاہب میں بہتیرے اصول ایک ہی ہیں اور بہتیرے ملتے جلتے ہیں۔ اللہ کا ہونا، اس کا خالق ہونا، اس کا رازق ہونا، اس کا تمام صفات اعلیٰ سے متصف ہونا، پھر اللہ کی جسمانی اور روحانی عبادت، اعمال کا برا بھلا ہونا، اعمال کے مطابق جزاوسزا، پھر چوری، زنا، قتل وخونریزی، ظلم وفساد، بدگوئی، عیب جوئی، غیبت، دل آزاری، اور علیٰ ہذا یہ سارا کچھ مذہباً ممنوع۔ اور والدین کی خدمت، خیرات، لوگوں کے ساتھ بھلائی، دیانت، امانت اور سارے اصول تمدن اور خوش زیست کے مذہباً ماموروممدوح۔ بہتیری باتیں سارے مذاہب میں قریب قریب یکساں پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ خداطلبی یہودیوں میں، نصرانیوں میں، ہندوؤں میں چاہے وہ شرک کے درجہ تک پہنچ کر ہو، پھر بھی جہاں تک اصلیت ہے وہ اسلام کے بہت کچھ مماثل پائی جاتی ہے۔ یہ بدیہی ہے، تو اس کا ماخذ اور مبدا بھی ایک ہی ہے، یعنی خدائے قادر وقیوم۔

یہ کہنا کہ کسی مذہب نے کسی مذہب سے لے لوا کر مذہب کی کھچڑی پکائی ہے یا کسی ملکی قانون کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے غلط اور بربنائے تعصب ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ اللہ نے ایک مذہب اسلام ہی بھیجا اور بھیجتا رہا، جو بنتا بگڑتا رہا۔ یہ مماثلت اس کی کافی دلیل اور بین شہادت ہے کہ مذہب اسلام ہی دنیا کے سارے قوانین کی اصل اور بنا ہے۔ قانون کی ساری جزاوسزا مذہب کے اصول پر قائم ہوئی ہے۔ مذہب مقدم ہے اور قانون موخر۔ مذہب بدو فطرت سے ہے اور قانون ترقی کی حالت میں۔ پھر اگر قانون اور مذہب میں مماثلت پائی جائے تو یہ دلیل ہوگی اس کی کہ قانون کا مخرج مذہب ہے، نہ کہ مذہب کا مخرج قانون یا رومن Law یا کوئی اور Law بنائے۔ قانون سے پہلے مذہب جاری تھا۔

از روئے تاریخ بھی ساری نسل آدم کا سلسلہ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام تک جو مسلمان تھے اور ان کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کی اولاد تک پہنچایا جاتا ہے تو مذہب اور نسل کا

Marfat.com

وجود ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور سلطنت اور قانون کا وجود کہیں بعد۔

مذہب کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب گویا ازلی و ابدی ہے، جب سے انسان ہے اور جب تک وہ رہے گا، مذہب ہی کے دائرہ میں رہا اور مذہب ہی کے دائرہ میں رہے گا۔ گرچہ کبھی وہ اس کا نام لامذہبی بھی رکھے اور منکر اللہ بھی ہو جائے، مگر اس کی گزران زندگی مذہب کے دائرہ سے باہر نہ جائے گی اور کم سے کم وہ برے بھلے کی تمیز سے نکل نہ جائے گا۔ اور مذہب ہے ایک اسلام ہی۔ سارے مذاہب اسلام ہی کی بگاڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ اب بھی حقیقی اسلام قرآن مجید میں ہے اور حقیقی مسلمان قبروں میں۔ دنیا میں کہیں اسلام کی مورت ہے، کہیں تصویر ہے، کہیں عکس در آئینہ ہے، کہیں نقش بر آب ہے اور یہ ساری صورتیں مدعی اسی کی کہ میری ہی صورت اسلام کی اصلی صورت ہے۔ اسلام کی اصلی صورت دیکھنی چاہو تو قرآن مجید میں دیکھو۔ اسلام جب آیا تو اختلاف ہی مٹانے آیا، مگر یہ طرفہ ماجرا ہے کہ وہ بھی اختلافوں کا نشانہ ہی بن گیا۔ افسوس ہزار افسوس۔

اختلاف مذاہب

جب مذہب ایک ہی تھا مذہب اسلام ہی تھا اور کتاب اللہ بھی ایک ہی تھی، مختلف زبانوں میں، ایک دوسرے کی مصدق تو اختلاف مذاہب کی وجہ کیا ہوئی۔ اسلام کا شیرازہ بکھرا کیوں، اس میں تفرقے کیوں پڑے؟ اس کی وجہ تو میں نے بیان کی ہے کہ حدیث و فقہ سے اختلافات پیدا ہوئے۔ لیکن باطنی وجہ یعنی وہ قوت محرکہ جو حدیث و فقہ لے کر اختلافوں کا باعث ہوئی اس کو اللہ نے خود فرمایا ہے ''وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ جن لوگوں کو کتابیں دی گئیں انھوں نے اس کے بعد کہ کتاب اللہ ان کو مل چکی تھی آپس کی عناد و سرکشی کی وجہ سے اختلاف پیدا کیا'' (آل عمران: 19) علماء اختلافات پیدا کرنے والے ہوا کرتے ہیں، علم، قابلیت، طباعی اور اپنی بڑائی ثابت کرنے کو۔ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھو بر بنائے تعصب اختلافات کی اک طغیانی ہے جو امنڈ رہی ہے۔ اسی غرور و نفسانیت نے کھویا کیا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے۔

Marfat.com

سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل فی عبادہٖ (مومن:85)

یہ آخری اسلام جو اختلاف مٹانے آیا تھا: ''وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ''ہم نے تم پر قرآن اسی لیے اتارا کہ جن باتوں میں لوگوں نے اختلاف ڈالا ہے ان کو بتا دیا جائے۔'' (النحل:64) تو اس نے اختلاف مٹایا بھی۔ مگر جب زمانہ گزرا تو ''فطال علیہم الامد فقست قلوبہم'' (الحدید:16) ''امتداد زمانہ سے ان کے قلوب سخت ہو گئے'' کی مضبوط حد بندی سے یہ کیونکر نکل سکتا تھا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ سارے پیغمبر مسلمان تھے، ہمارے رسول تھے۔ ان کا مذہب اسلام تھا۔ مگر ان کی امت اب مسلمان کے لقب سے اپنے کو ملقب نہیں کرتی۔ تشخص کے جھیپٹ میں آ کر ایک طرف اہل قرآن ہیں پھر ان کی بھی ٹولیاں ہیں، ایک طرف اہل حدیث ہیں پھر ان کی بھی ٹولیاں ہیں، ایک طرف اہل فقہ ہیں پھر ان کی بھی ٹولیاں ہیں، ایک طرف اہل تسنن ہیں معہ اپنے کل فرقوں کے، ایک طرف اہل تشیع ہیں مع اپنے کل فرقوں کے، ایک طرف اہل خوارج ہیں معہ اپنے کل فرقوں کے۔ سب کے امام جدا، سب کی حدیثیں جدا، سب کی فقہ جدا۔ یہ اتنے اختلافات کی وجہ وہی ہے جو اللہ نے فرما دی ہے بغیاً بینہم آپس کی عناد۔ دین تھا اصلاح ظاہر و باطن کے لیے، مگر یہ طبع آزمائیوں کی چوگان بازی کا میدان، اور بازیچۂ اطفال کی گل بازیوں کا تماشا گاہ بنایا گیا۔ ذہانت اور تفنن نے گھوڑ دوڑ کی بازی لگائی، ہار جیت کا غلغلہ بلند ہوا، جاہلوں نے جن کا غلغلہ بلند دیکھا، لگے ان کو پوجنے اور انھیں کے کہے پر چلنے، یعنی ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لوگوں نے (اللہ کو چھوڑ کر) علما و فقرا بلکہ مسیح بن مریم کو بھی معبود بنا لیا ہے حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ خدائے واحد ہی کی عبادت کیا کریں۔'' (توبہ:31) مگر قوم اس ہدایت کو اپنی روش آبائی کے خلاف سمجھتی ہے۔ باہمہ تاکید خداوندی ''فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اللہ کا شریک نہ بناؤ۔'' (بقرہ:22) قوم نے اپنے بزرگوں کو بنا لیا اور شرک فی الحکم میں دل کھول کر مبتلا ہے۔

میرے بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مذہب میں اختلافات کتنے پیدا ہوئے اور کس طرح پیدا ہوئے، اور قوت محرکہ اس کی کیا تھی۔

Marfat.com

فیصلہ

پھر ان اختلافوں کا فیصلہ کون کرے؟ تو اللہ نے اس کا فیصلہ بھی کر دیا ہے۔ "وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ "ہم نے تم پر کتاب اسی لیے اتاری ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے" (نحل:64) قرآن مجید کے سوا اور کون قطعی حکم ہونے کا استحقاق رکھتا ہے؟ "اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ط وہ اللہ ہی ہے جس نے ایسی کتاب اتاری جو حق ہے اور حق و باطل کی ترازو ہے" (شوریٰ:17) بس یہی اللہ کی دی ہوئی ترازو ہے، اسی پر سارے فرقوں کو تولو، جو ٹھیک اترے اللہ کا فیصلہ اُس کی حقانیت پر ہوگا۔

"اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ بے شک قرآن قول فیصل ہے" (الطارق:13) اس لیے قرآن مجید ہی سے انصاف طلب اور فیصلہ طلب ہونا چاہیے۔ اس کے سوا کوئی کتاب ایسی قطعی بھی تو اب نہیں رہی جو اللہ کا کلام ہو اور فیصلہ کا استحقاق رکھتی ہو۔

"وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط جن امور میں تم مختلف فیہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالہ ہے وہی فیصلہ کرے گا" (شوریٰ:10) جب اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے تو اسی کی طرف رجوع کرو۔ اس کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا قرآن مجید ہی کی طرف رجوع کرنا ہے کہ قرآن مجید ہی کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے۔

مسلمانو! آؤ اور اس پر اتفاق کرو کہ قرآن مجید سے انکار نہ کرو گے اور اس کو اپنے مرادی اور فرضی معنوں میں نہ جکڑو گے۔ اس کو اپنے مفروضہ اصول سے پا بہ زنجیر نہ کرو گے۔ عربی زبان ہونے کی حیثیت سے صریح معنی جو واضح ہوں اس سے سرکشی نہ کرو گے۔ آؤ ایمانداری کے ساتھ آؤ۔ دلوں کا دانائے حال خداوند عالم کے سوا کوئی نہیں۔ قرآن کے فیصلہ سے اِس دنیا میں باہر جا سکتے ہو، اُس دنیا میں باہر نہیں جا سکتے بلکہ اللہ کے فیصلہ کا دن آج بھی ہے اور کل بھی۔ فرقہ بندیوں پر نگاہ نہ کرو، کیونکہ ہر فرقہ اپنی ہی حقانیت کا منہ بولا مدعی ہے اور خیال و اوہام کا بدمست، نجات کا ٹھیکہ لیے، اپنے اگلوں کی قابلیتوں کا سرشار اور ان کی تقدس مآبی کے ہاتھوں

Marfat.com

بکا ہوا ہے، گرچہ وہ اگلوں کے ایمان وعمل سے پوچھانہ جائے گا، نہ اگلے اس کے اعمال کا کچھ بوجھ سہاریں گے۔ "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا" (بنی اسرائیل:15) سارے فرقے اپنی خواہشوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط کیا تم نے اسے دیکھ لیا جس نے اپنی خواہشوں کو معبود بنا لیا ہے (فرقان:43) جو پرستش اللہ سے منسوب نہیں وہ ہوا پرستی اور بت پرستی ہے۔

ہر فرقہ اپنی اپنی ملت ومشرب کی حقانیت کو پیش کرتا اور مذہب خاندانی کی پالایش اور آپس کی ضد پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور نفس و شیطان کے گدگدانے سے مضطربانہ اور بالآخر مفسدانہ حرکات کا موجب ہوتا ہے۔ اگر سب کے مسالک لکھے جائیں اور ہر ایک کا تجاوز عن الحد ہونا دکھایا جائے تو کتاب دلچسپ تو ہوگی، آج کل کے مذاق کے مطابق جس میں ناول کا مزہ آئے گا، مگر کچھ کام کی نہ ہوگی اور نہ کچھ نتیجہ خیز۔ کیونکہ اپنی آنکھ کا شہتیر کوئی نہ نکالے گا۔ ہر کوئی اس کو مباحثوں کی بساط بنائے گا اور اس پر اساتذہ کے اقوال کی نرد کھیلنے لگے گا۔ تو اس کا ذخیرہ کیا کچھ موجود نہیں جو اور بڑھایا جائے۔ اس لیے مناسب یہی نظر آتا ہے کہ طرز خداوندی کے مطابق اللہ کا قائم کردہ اور منزل مذہب حق جسے اس نے اپنے کلام پاک کے ذریعہ سے قائم کیا ہے، آشکارا کیا جائے۔ "یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ط اللہ اپنے کلام پاک کے ذریعہ سے باطل کو مٹا دیتا اور حق کو قائم کر دیتا ہے۔" (شوریٰ:24) تا کہ کھرا کھوٹا الگ ہو جائے، اور حق کی روشنی دلوں کو روشن کرے۔

میں یہی چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے حقیقی مذہب اسلام کو، جس کو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے، جو سراسر حق ہے، جو پاک ہے آمیزشوں سے، جو محفوظ ہے اختلاف کی تلواروں سے، علیٰ رؤس الاشھاد آشکارا کروں "فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔ جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے۔" (سورہ الکھف:29)

گرچہ میں جو کچھ بیان کروں گا وہ قرآن مجید ہی سے، اور اتنا ہی قابل تسلیم بھی ہوگا مگر میں نے اکثر بیان کیا ہے اور اکثر بیان کروں گا بھی کہ احکام قرآنی ہی قانون فطرت کے مطابق ہیں، کیونکہ وہ اللہ کا قول ہے اور فطرت اللہ کا فعل۔ دونوں میں ذرہ برابر بھی اختلاف ہونا ممکن

Marfat.com

ہے۔ مگر قرآن مجید میں سارے وہ عذاب جو قوموں پر نازل ہوئے ہیں وہ ظاہر بینوں کی آنکھوں میں خلاف عقل اور خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں، اور یہ موجب ہوتے ہیں شکوک کے۔ ان وجوہ سے میں کسی قدر قانون فطرت اور قانون قدرت کے متعلق بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں تا کہ بری قانون بحری قانون سے ٹکرانہ جائے۔

قانون فطرت اور قانون قدرت

خدا کی قدرت اور میں بیان کروں اللہ کی قدرت ہے۔ اس کی قدرت کی عظمت بے ہوش کیے دیتی ہے۔ بیان کس طرح ہو۔

خدا نے اتنا بڑا عالم پیدا کیا، اسے ایک دن فنا بھی کرے گا۔ اس کے افراد اس کے اجزا رات دن پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں، تو اس کا بھی ایک قانون ہے اور یہ نیرنگیاں اسی قانون کے اندر ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے وجود و فنا کے درمیان کا زمانہ مضبوط قانون کے ساتھ وابستہ اور مضبوط نظم کے ساتھ منتظم ہے۔

عالم کے ہر ایک جنس اور ہر ایک نوع، بلکہ ہر ایک مخلوق اور ہر ایک شے کا پیدا کرنا، فنا کرنا، بنانا، بگاڑنا اور علی ہذا ہر ایجاد اور ایجاد کا قانون، ہر فنا اور فنا کا قانون، قانون قدرت کی دفعات ہیں جو قانون قدرت کے اندر ہوا کرتے ہیں۔ اس میں عقل و فہم بھی بار نہیں پاتے۔ اس لیے قدرت کے معمے نہ حل ہوئے، نہ کبھی ہونے کے۔

اور مخلوق کے زمانہ قیام کا نظم و انتظام، جس پر اس کی ہستی، اس کی بہبود قائم ہے، وہ قوانین و انتظام جن پر ہر ایک مخلوق بلکہ سارا عالم اور عالم کا ہر ایک جز و چل رہا ہے، قانون فطرت کے دفعات ہیں جو قانون فطرت کے اندر ہوا کرتے ہیں۔ یہی قانون فطرت ہے جس پر ہستی کا نظم قائم ہے۔

قانون قدرت عقل و فہم کی رسائی اور احاطت سے پرے ہے۔ اور قانون فطرت سمجھ کے اندر اور سمجھنے ہی کی چیز ہے، مگر بوجہ اپنی وسعت کے سمجھ کے احاطہ سے وسیع تر ہے۔ کسی چیز کی اصلی حقیقت، اس کا وجود، اس کی ہستی اور نیستی قانون قدرت کی دفعات ہیں سمجھ سے پرے۔ اسی لیے کسی مخلوق کی حقیقت، اس کی ہستی کی ماہیت، اس کے وجود کی علت غائی، اس کی فنائیت

Marfat.com

کے اسرار و رموز، سمجھ میں آنے کی چیز نہیں۔ اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ ہر چند سمجھ اپنی تک بندیاں بٹھاتی ہے، مگر وہ تک بندیاں ہی ہیں، نہ وہ ایک روح پیدا کرسکتی، نہ کسی جاندار مخلوق کی پیدائش سے اضافہ کرسکتی ہے۔ ہاں مخلوق کی ہستی کس نظم، کس قانون الٰہی پر چل رہی ہے، یہ قانون فطرت کی دفعات ہیں جس میں سارے عالم کے نظم کا قانون ہے۔ چاہے وہ عالم ہمارے ادراک کے اندر ہو یا باہر۔ پھر وہ دفعات فطرت جو ہماری جنس اور ہماری دنیا کے متعلق ہیں، جس قانون پر ہمارا اور اس دنیا کا جس کے ساتھ ہمارے تعلقات وابستہ ہیں نظم قائم کیا گیا ہے، انھیں ہم سمجھ سکتے ہیں اور ہم کو سمجھنا چاہیے کیونکہ ان دفعات پر ہماری زندگی کا نظم قائم ہے۔ تو ایسا نہ ہو کہ ہماری زندگی خلاف قانون نظم الٰہی چل کر تباہ و برباد ہو جائے۔

یہی قانون فطرت جو متعلق انسان ہے وہ قرآن مجید ہے جو بنظر عدل و رحم ہم کو علیحدہ اور وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ احکام و ہدایات قرآنی قانون فطرت کے مطابق ہیں کیونکہ خلاق فطرت ہی کے احکام ہیں۔

قرآن مجید میں قانون فطرت کے سوا قانون قدرت کی دفعات بھی ہیں تا کہ اس کی قدرت آشکار ہو۔ مثلاً آدم، حضرت حوا، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی پیدائش بلکہ ساری دنیا اور سارے عالم کی پیدائش، خود اپنی خلقت، ملائکہ و اجنہ کی خلقت، عالم آخرت کا وجود، جنت و جہنم کی خلقت، اقوام نافرجام کا غارت ہونا، ملک و سلطنت کا تباہ ہونا اور ہر وہ کام جو مہتم بالشان اور قانون فطرت سے بالا معلوم ہو، یہ سب قانون قدرت کے دفعات ہیں۔ ہر وجود اور ہر فنا، ہر پیدائش اور ہر موت اس کی قدرت کا ایک عجیب معمہ ہے۔ اور آیۃ من اٰیات اللہ۔ جس پر ایمان موجب تسکین و اطمینان اور ہمت و کوشش کا سہارا ہے اور جس کا انکشاف قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ دونوں قانون کو ملا نہ دو، دونوں کو ایک ترازو پر نہ تولو۔ چھ فٹ کا انسان دریا نہیں گھونٹ سکتا۔ قانون فطرت کے اندر دوڑ دھوپ کر سکتے ہو مگر قانون قدرت تو دیکھا ہی کرو، اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ درخت اگا، پھولا، پھلا۔ تم نے بویا، تم نے پانی سے سینچا وہ بامراد ہوا، یہ قانون فطرت کے اندر ہے۔ مگر ذرہ برابر تخم میں جو درخت موجود ہے، اس میں تمہاری کوئی دست رسی نہیں، یہ قانون قدرت کے تماشے ہیں کہ دیکھا ہی کرو، حیرت در حیرت۔

Marfat.com

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند اصولی مباحث بعنوان حل طلب مسائل

اس اتنے بڑے مقدمہ اور اتنی بڑی تمہید کے بعد میں اصل کتاب کو شروع کیا چاہتا ہوں۔ اصل کتاب کیا ہے، چند اصولی سوالات ہیں جن کو قرآن مجید سے حل کیا گیا ہے۔ اور چند وہ مسائل ضرور یہ ہیں جن کی نسبت خدائے تعالیٰ و تقدس نے سخت سے سخت تاکید کے ساتھ حکم بھی دیا اور ان کے نافرمانوں پر سخت سے سخت تہدید بھی فرمائی، مگر ان کی نسبت قرآن مجید مجمل اور گونگا سمجھا جاتا ہے اور ان اجمال کا کھولنے والا کوئی ضمیمہ بھی قرآن مجید کے ساتھ شائع نہیں کیا جاتا۔ یہ سوالات اور یہ مسائل قرآن مجید ہی سے حل کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید اپنے صریح معنوں میں لیا گیا ہے۔ نہ دور از کار تاویلوں سے وہ بدلا گیا ہے نہ طبع آزمائیوں کی قائم کی ہوئی پابندیوں سے وہ جکڑا گیا ہے۔

مسلمانو! ذرا صاف دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور قرآنی فیصلوں سے انحراف نہ کرنا کہ یہ ضلالت ہوگی نری ضلالت۔

مضامین حل طلب اور مسائل حل طلب کی فہرست شروع کتاب میں ''فہرست مضامین کتاب'' کے زیر سرخی لکھ دی گئی ہے یہاں پر دوہرانے سے صرف کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لیے میں نے فہرست مضامین پر قناعت کی۔ اس فہرست کے سارے مضامین مجھے صرف قرآن مجید سے حل کرنے ہیں۔ اور روحانی اور اخلاقی ہدایتیں منہاج الحق میں دیکھو۔

Marfat.com

اے اللہ! میری مدد کر۔ اپنی صراط مستقیم سے گرنے نہ دے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مجمل قرآن سے اتنے سارے مسائل حل ہو جائیں محالات سے ہے۔ اور میرا ایمان یہ کہ مفصل قرآن اگر حل نہ کر سکے تو دوسری کتاب ان مسئلوں کے حل کرنے کا استحقاق ہی نہیں رکھتی۔ لوگ کہتے ہیں یا کہیں گے کہ اتنے بڑے بڑے مقدس علما نے جس گرہ کو نہ کھولا، اس کو کھولنا یا جو کچھ وہ لکھ گئے اس کے خلاف کچھ لکھنا گمراہی اور کفر ہے اور میرا عقیدہ یہ کہ تیرے کلام کے مقابلہ میں کسی کے آگے جھکنا چاہے وہ کوئی عالم ہی کیوں نہ ہو تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے خلاف اور شرک فی الحکم ہے۔

اے اللہ! نفس و شیطان سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری پناہ۔ مجھے اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے۔ مجھ سے وہ لکھا جس میں تیری رضا اور تیرے رسول کی خوشنودی ہو۔ غلطیوں اور لغزشوں سے میری محافظت کر۔ اپنے دیدار سے میرا مواجہ نہ پھیر شوق مستقیم دے جو تجھے ہی دیکھے۔ ولولہ اخلاص دے جو تیری ہی کہے۔ ہمت صدق دے جو حق گوئی میں جانباز ہو۔ توفیق سعی دے جو توکل کی کشتی پار لگائے۔ صبر دے جو کافر و نیچری اور مرتد کہنے والوں کے مقابل ہو۔ رضا و تسلیم دے کہ خواہشوں کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ تجھی سے اعانت چاہتا ہوں اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تیرے سوا میرا کوئی ہے بھی نہیں۔ و من یتوکل علی اللہ فہو حسبہ۔

Marfat.com

مسائل حل طلب

باب اول

خداوند عالم نے سارے رسولوں کے ذریعہ سے ایک ہی صراط مستقیم کی ہدایت کی اور ایک ہی دین بھیجا، یا مختلف۔ اور اپنے بھیجے ہوئے دین اور اس کے پیرووں کا نام اس نے کیا رکھا ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق تعلیم خداوندی یہ ہے۔

ایک ہی صراط مستقیم کی اللہ نے ہدایت فرمائی اور سارے رسولوں کے ذریعہ سے ایک ہی دین بھیجا۔ جس کا نام اسلام ہے۔ اور جس کے پیرؤوں کو مسلمین کا لقب عنایت کیا گیا ہے۔ مفصلہ ذیل آیتیں اس کی شاہد ہیں کہ سب رسولوں کو صراط مستقیم ہی کی ہدایت کی گئی اور سب کو دین اسلام ہی دیا گیا۔

"قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ اے رسول! کہہ دو کہ میرے اللہ نے صراط مستقیم کی طرف میری ہدایت کی ہے جو ٹھیک دین ہے، یعنی ملت ابراہیم، جو یک سو اللہ کے ہو رہے تھے" (انعام: 161) یہی صراط مستقیم ملت ابراہیم ہے، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی گئی۔ اور جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی۔ "انك لتهدى الى صراط مستقيم۔ اے رسول بے شک تم ہادی صراط مستقیم ہو" (الشوریٰ 52:42) ہم مسلمانوں کو صراط مستقیم کی تبلیغ کی گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ۔ "اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾ بے شک اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔" (آل عمران: 51) آپ نے اولاً ایک اللہ کی طرف متوجہ کیا یعنی توحید۔ پھر عبادت کی تعلیم فرمائی۔ عبادت صرف نماز ہی نہیں ہے بلکہ سارے احکام و ہدایات کی تعمیل ہے۔ آپ نے اسی کو صراط مستقیم فرمایا اور اسی کی تبلیغ فرمائی۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: "اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ اللہ نے ان کو منتخب کیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی۔" (النحل 121:16)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: "وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ ہم نے ان دونوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کی۔" (والصّٰفّٰت:118)

حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسمٰعیل، حضرت یسع، حضرت یونس، حضرت لوط علیہم السلام سب کے مدارج اور فضائل بیان کر کے اللہ فرماتا ہے: "وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ اور ان کے آبا اور اولاد و برادران میں سے بھی ہم نے منتخب کیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی" (انعام:87) پھر اسی سلسلہ میں اللہ آگے چل کر فرماتا ہے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے ہدایت کی ہے، تو تم ان کی ہدایت کی اقتدا کرو۔" (انعام:90)

یعنی صراط مستقیم ایک ہی ہے، وہی سب رسولوں کو ملی۔ اللہ نے کوئی تفرقہ نہیں کیا جب تو اقتدا کو فرمایا۔ اب کوئی اگلی صراط مستقیم کو کھوٹی راہ کہے تو کہے۔ مراد لینا اس کے ہاتھ ہے جو چاہے مراد لے ورنہ دو نقطوں کے درمیان خط کھینچو تو سب سے چھوٹا خط خط مستقیم ہے، اور یہ دو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی رشتۂ عبودیت جو عابد و معبود میں ہے یہی صراط مستقیم ہے۔ جس راہ سے تم معبود تک پہنچ سکتے ہو صراط مستقیم۔ دین اللہ۔ دین قیم۔ فطرت اللہ۔ دین اسلام سب مترادف المعنی ہیں۔ ایک ہی نام بلحاظ صفات کے مختلف ناموں سے موسوم ہوا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ خلاق فطرت کا بھیجا ہوا دین فطرت اللہ یا قوانین فطرت کے خلاف ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کے قول و فعل میں اختلاف ممکن ہی نہیں۔ دین و فطرت میں مطابقت تام ہونی چاہیے اس لیے فطرت جب نہیں بدلتی تو دین بھی نہیں بدلتا۔ اور جب نہیں بدلتا تو فطرت کے مطابق ایک ہی دین ہو سکتا ہے اور وہی دین اسلام ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ اللہ کے نزدیک تو اسلام ہی دین ہے (آل عمران:19)

Marfat.com

اللہ ایک، اس کا دین برحق ایک، اس کی راہ ایک، اس کے احکام و ہدایات ایک، اس کی ساری کتابیں ایک، اور اس کے سارے رسول ایک۔ لا نفرق بین احد من رسلہ (ہم رسولوں میں تفرقہ نہیں کرتے) مگر لوگوں کو یہ وحدت دین پسند نہیں۔ وہ ہر جگہ تفرقہ اور تشخص کے جو یا ہیں۔ وہ دوسرے دین کی مخالفت کو دین سمجھے ہوئے ہیں۔ ''اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ کیا دین اللہ کے سوا وہ کسی دوسرے دین کے متلاشی ہیں۔'' (آل عمران:83) تو افسوس ہے ان پر کیونکہ ''فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ پس اللہ جس کی ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کا سینہ قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (انعام:125) یہ اللہ نے کلیہ فرما دیا جو ازلی اور ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں اسلام ہی کی ہدایت کرتا رہا۔ اور یہ فرمان جاری کر دیا ''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ اے رسول کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا (یعنی قرآن مجید) اور جو حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوا۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور کل نبیوں کو اللہ کی طرف سے ملا، سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے، کیونکہ ہم تو اللہ ہی کے حکم بردار ہیں۔ (یہی اسلام ہے) جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔'' (آل عمران:84,85) سارے پیغمبر سارے پیغمبروں کے، اور ساری کتابیں ساری کتابوں کی مصدق رہی ہیں۔ اسی لیے ایک کتاب پر ایمان لانا ساری کتابوں پر ایمان لانا ہے اور کسی ایک کا منکر ساری کتابوں اور سارے پیغمبروں کا منکر اور کافر ہے۔ یہی دین اسلام ہے جو ازلی ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا دین مقبول ہی نہیں، اسی دین اسلام کو اللہ نے ہمارے لیے بھی پسند فرمایا۔ ''وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ہم نے تمہارے لیے من حیث دین دین اسلام کو پسند فرمایا۔'' (مائدہ:3)

سارے پیغمبروں کا دین بھی دین اسلام ہی تھا اور سارے پیغمبر بھی مسلمان ہی تھے۔

Marfat.com

مفصلہ ذیل آیتیں اس کی شاہد ہیں۔ و کفٰی باللّٰہ شھیدا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: ''اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ جب کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اسلام لاؤ تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم پروردگار عالم پر اسلام لائے۔'' (البقرہ:131) ''مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ تو ایک پکے مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' (آل عمران:67)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: ''وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مسلمانوں سے ہوں۔'' (یونس:72)

اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلقیس نے بھی کہا تھا: ''وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ مجھ کو تو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا اور میں مسلمان ہو چکی تھی'' (النمل:42) اور پھر صاف اقرار لسانی بھی کیا ''وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾[1] حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پروردگار عالم پر میں اسلام لائی'' (النمل:44) یعنی دونوں مسلمان تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ''وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مسلمانوں سے ہوں۔'' (النمل:91)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ وہ سارے جو مسلمان تھے وہ تورات ہی سے حکم دیتے رہے۔ (مائدہ:44) اللہ نے اسلموا فرمایا یعنی وہ سارے نبی مسلمان تھے۔

''وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ جب کتاب آسمانی پر ایمان لانے والوں کو یہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کے پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔'' (القصص:53) دین ایک ہی تھا دین اسلام،

---

[1] طالب علم کی رائے میں آیت 42 میں مسلمین لغوی معنوں میں ہے یعنی فرماں بردار اور آیت 44 میں اصطلاحی معنوں میں یعنی ایک اللہ کی عبادت گزار۔ (امتیاز)

Marfat.com

جب تو یہ اللہ والوں نے اقرار کیا کہ اگر دین اسلام یہ ہے جو تم پڑھ کر سنا رہے ہو تو ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کوئی اختلاف تو پاتے نہیں۔ اور کوئی نئی بات تو معلوم ہوتی نہیں۔ یہ آیت تائید ہے اس آیت کی جو اللہ نے فرمایا **و انہ لفی زبر الاولین**۔ قرآن مجید ہی اگلی کتابوں میں اترا تھا۔ اگر اختلاف ہوتا تو شک کی جگہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں۔ ''وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ۝۸۲'' (النساء:82)

غرض سارے انبیا و رسل مسلمان تھے اور سب کا دین یہی دین اسلام ہی تھا اور سب کی راہ صراط مستقیم ہی کی تھی۔ مگر قوم کو یہ راہ پرانی معلوم ہوئی اور اس راہ والے پرانے دھڑے کے معلوم ہوئے۔ مسلمان نام اللہ کا رکھا ہوا ان کو نہ بھایا، وہ فرقہ بندی قائم کر کے لگے ایک دوسرے سے جھگڑنے۔ اسلام کے اعضا خود مسلمانوں کے ہاتھوں الگ کیے گئے۔ ایام جاہلیت کا دور پھر سے شروع ہوا، جس اسلام نے قبیلوں کے سیکڑوں برس کے تفرقے، جنگ اور خون ریزی کو مٹا کر ان میں یگانگت اور اخوت اسلامی کی روح پھونکی تھی، وہ خود فرقوں کی رزم گاہ بن کر باپ بیٹے بھائی بہن کے خون سے لالہ زار ہو گیا، اب دیکھو تو صورت تک نہیں پہچانی جاتی۔ ہر فرقہ اپنا بدعتی نام رکھ کر الگ ہو گیا۔ کوئی اہل قرآن بنا، کوئی اہل حدیث، کوئی اہل فقہ، مقلد، غیر مقلد، محمدی، وہابی، حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، ابوالعلائی، پھر اثنا عشری، اسمٰعیلی، زیدی، آغاخانی، خارجی، قادیانی وغیرہ وغیرہ۔ سیکڑوں ہی نام۔ یہ اتنے نام خدائی دفتر میں نہیں، خدائی فرمان میں نہیں، رسالت کی تبلیغ میں نہیں، اصحاب رسول کے کارناموں میں نہیں۔ قوم امت نبی سے نام کٹا کر دوسروں کی امت بنی ہے۔ کاش قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب پر آ جائے تو اسلام کے دن پھریں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فرقوں میں سے کسی فرقہ میں داخل نہ تھے وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سچے مسلمان تھے۔ اگر وہ بھی ویسے ہی مسلمان حنیف ہو جائے، اپنے بدعتی القاب سے تائب ہو، اور اللہ کے رکھے ہوئے نام و لقب کو پسند کرے اور اپنے کو صرف مسلمان ہی کہے اور اسی نام پر نازاں ہو اور سچا مسلمان ہو کر اللہ ہی کے آگے سر جھکائے تو اے قوم! تیری اکھڑی ہوئی ہوا پھر اپنی ہوا باندھے گی۔ اختلافات اور جھگڑوں کی مسموم ہوا بدل کر، خنک، فرحت افزا اور جان بخش ہو جائے گی اور اسلامی دنیا پر قوت و پرشوکت ہو کر انعام الہیہ

Marfat.com

سے لہلہا اٹھے گی۔ گرچہ مسلکوں میں اختلاف تو رہے گا کیونکہ عقل و سمجھ کا مختلف ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے مگر یہ اختلاف آرا اختلاف آرا ہی رہیں گے۔ فرقے بن بن کر تباہ و برباد نہ ہو جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں کی دنیا صحابہ کی دنیا اور مسلمانوں کا دین صحابہ کا دین ہو جائے گا۔

غرض قرآن مجید کی آیتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ جتنے پیغمبر تھے سب مسلمان تھے اور سب کو دین اسلام ہی دیا گیا تھا اور سب کو صراط مستقیم ہی کی ہدایت کی گئی تھی اور ہم کو بھی دین اسلام ہی عنایت ہوا، اور ہمارا نام بھی مسلمان ہی رکھا گیا۔ اسی لیے شرط ایمان قرار دیا گیا کل کتابوں اور کل نبیوں پر ایمان لانا بلاتفرقہ۔ امنت باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ ...... محمد رسول اللہ ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب دوم

دین الٰہی ایک دوسرے کا ناسخ ہے یا ایک دوسرے کا مصدق۔ ناسخ ہے تو ہر ایک دین دوسرے ماسبق دین کا، یا ہر ایک دین کے بعض بعض احکام دوسرے دین کے بعض بعض احکام کے ناسخ ہیں۔ یا قرآن مجید ہی سارے ادیان کا ناسخ اور قرآن مجید ہی کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے کی ناسخ ہیں۔ اور اگر ہر ایک دین دوسرے دین کا مصدق ہے تو بالکل ہے، یا بالجزو ہے، یا صرف دین الٰہی کے دین الٰہی ہونے کا مصدق ہے؟

اس مسئلہ کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں واضح کر دیا ہے کہ دین الٰہی ہرگز ایک دوسرے کا ناسخ نہیں بلکہ ایک دوسرے کا مصدق ہے اور تمام تر مصدق ہے۔ کل کا مصدق بھی اور جزو کا مصدق بھی۔ اسی طرح قرآن مجید کی کوئی ایک آیت یا ایک حکم بھی نہ کسی آیت کا ناسخ ہے اور نہ کسی حکم کا۔ اختلاف تو کہیں ہے نہیں، نہ ہو سکتا ہے۔ دو علیحدہ علیحدہ حکم میں ایک کو منسوخ کر دیا جاتا ہے ورنہ نسخ کہیں بھی نہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ میں تصدیق اور کیفیت تصدیق کی آیتوں کو بیان کروں مناسب ہے کہ پہلے ان آیتوں کو بیان کروں جن سے قوم نے ناسخ و منسوخ کا انوکھا خیال قائم کیا ہے اور دھوکے میں پڑی ہے۔

"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جو مٹا دیتے ہیں ہم کوئی نشانی یا بھلا دیتے ہیں تو پھر اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس کے مانند۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت بے شک اللہ ہی کی ہے۔" (بقرہ:106) قرآن مجید میں آیت کے معنی کتاب اللہ کی آیت کے بھی آئے ہیں اور اکثر جگہ آیت کے معنی نشانی کے بھی آئے ہیں، جس سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ اس آیت سے تورات و انجیل کی آیت یا قرآن مجید ہی کی آیت مراد لینا یا محذوف ماننا غیر قطعی ہوگا۔ اس آیت میں آیت کے معنی نشانی ہی کے ہیں۔ کیونکہ الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر

Marfat.com

اسی معنی کا موید ہے۔ ہر چیز اللہ کی نشانی ہے اور وہ ہر چیز پر ہر طرح کی قدرت کے ساتھ قادر ہے۔ دوسری آیت بھی اسی کی موید ہے۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ آسمان وزمین تمام اسی کی سلطنت ہے۔ وہ جسے چاہے مٹائے جسے چاہے بنائے، وہ قادر ہے۔ اللہ کی نشانیاں نت نئی آتی ہی جاتی رہتی ہیں، یہ بدیہی ہے اسی کی جانب اس آیت میں اللہ نے متوجہ کیا ہے اور اپنے کلمات کی نسبت اللہ نے فرمادیا ہے "لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ اللہ کے کلام میں تغیر وتبدل نہیں۔" (یونس:64) پھر اس کے کلام میں نسخ کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔

دوسری آیت جس سے نسخ ثابت کیا جاتا ہے یہ ہے: "وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ جبکہ ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ داناتر ہے اس کا جو وہ نازل کرتا ہے تو کفار کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو افترا ہے" (النحل:101) ہمیشہ یوں ہی ہوا کیا ہے کہ جب ایک کتاب اللہ کی آیتوں کی جگہ دوسری کتاب کی آیتیں نازل ہوئیں، تو باوجود اس کے آیت وہی رہی صرف اس کی جگہ بدلی گئی (کیونکہ اللہ ہی داناتر ہے، وہی نازل کرتا رہتا ہے) پھر بھی قوم نے انکار کیا اور اس کو افترا ہی کہا۔ یہاں پر آیت کے معنی بلاشبہ کتاب کی آیت کے ہیں کیونکہ ینزل کا لفظ موجود ہے۔ مگر اس تبدل کے معنی نسخ کے نہیں ہیں کیونکہ مکان کا لفظ موجود ہے۔ یعنی آیت وہی رہی مگر ایک آیت کی جگہ پر دوسری آیت آئی۔ مثلاً تورات کی آیت کی جگہ انجیل کی آیت آئی۔ اور انجیل کی آیت کی جگہ قرآن کی آیت آئی۔ تورات کا مورد قلب مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام تھا۔ اور انجیل کی آیت کا مورد قلب مبارک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن مجید کی آیتوں کا مورد قلب مبارک نبی ﷺ ہے۔ یہ معنی ہیں اذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ یعنی آیت کی جگہ بدلنے کے۔ اسی لیے اس کے بعد ہی اللہ فرماتا ہے بل اکثرھم لا یعلمون کفار سمجھتے نہیں۔ ان کو سمجھنا تھا کہ جو کہا جاچکا وہی تو کہا جارہا ہے۔ اس میں افترا کیا ہے مثلاً تورات میں حکم تھا "كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ توریت میں ہم نے حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا ادلا بدلا" (المائدہ:45)

Marfat.com

اور قرآن مجید میں اسی حکم کو جامع اور مانع طرز سے یوں فرمایا ہے: "جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ برائی کا بدلہ اسی درجہ برائی ہے تو جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔" (الشوریٰ:40) اور "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ اگر تم بدلا دو تو اتنا ہی جتنی تکلیف تم کو دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صابروں کے لیے بہتر ہے۔" (النحل:126)

تصدیق کی آیتوں کا تو ڈھیر ہے، لیکن کوئی آیت بھی نسخ کی موید نہیں ملتی۔ ناسخ و منسوخ کے عقیدے سے نہ صرف کتب الٰہی کی آیات کی عظمت دماغ سے کھو گئی ہے جو اسلام میں مامور بہ ایمان ہیں۔ اور نہ صرف پیغمبران اولوالعزم کی عظمت دلوں سے جاتی رہی ہے اور وہ افسانہ اور شاعری کے بازیچۂ اطفال بنائے گئے ہیں۔ بلکہ اس نسخ کے بدعتی عقیدہ نے تو قریب قریب نصف قرآن کو منسوخ اور بیکار کر دیا ہے۔ جن کا قرآن میں رہنا بے کار اور مزاحم، اور جن کا یاد کرنا فضول اور ناحق کی زحمت، بلکہ قرآن سمجھنے اور اس میں تدبر و تفکر کرنے میں پہاڑ حائل کر دیا ہے، کیونکہ قرآن کا سمجھنا اس کے لیے جائز ہی نہیں سمجھا جاتا جو ناسخ و منسوخ کے رموز سے واقف نہ ہو۔ اس عقیدہ نے قرآن کو بھی وید بنا دیا کہ درسی تعلیم پائے ہوئے اور اختلاف آرا کی کھچڑی پکائے ہوئے علما جو ناسخ و منسوخ کو پہچانیں وہی قرآن سمجھیں تو سمجھیں۔ ایک آیت قتال سے تین سو آیتیں منسوخ کی گئیں۔ معلوم نہیں یہ نازل ہی کیوں کی گئی تھیں اور پھر رکھی کیوں گئیں۔ کیا منسوخ آیتوں کو الگ کر دینا، یا ان کی علیحدہ فہرست لگا دینی کہ وہ آیتیں ممیز ہو جائیں اور تبلیغ کی اصلاح ہو جائے، خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خلفا وصحابہ کے لیے لازم تر اور آسان تر نہ تھا، جس سے سبھوں نے چشم پوشی کی اور یہ قرآن مجید کی اصلاح پچھلوں کے لیے اٹھ رہی۔ یہ عقیدہ من جانب اللہ نہیں ہے اس لیے اس کے ذمہ دار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں۔ اس عقیدہ سے آیتیں منسوخ تو کی گئیں مگر منسوخ آیتوں سے جو احکام نکلتے تھے، اور جو ہدایتیں پہنچتی تھیں وہ بارگاہ احکم الحاکمین میں فریادی ہو گئیں۔

مثلاً سورۃ النساء کا تیسرا رکوع: **والتی یاتین الفاحشۃ من نساء کم الخ** دو عورتیں جو مرتکب بدکاری ہوں یعنی ہم جنسی کی مجرم، اس کے بعد ان کی سزا بیان کی گئی ہے۔ اور **والذان یاتینھا منکم الخ** اور دو مرد جو مرتکب بدکاری ہوں، یعنی ہم جنسی کے مجرم۔ اس

Marfat.com

کے بعد ان کی سزا بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں آیتوں کو زنا کی آیت سے منسوخ کرنا ظلم اور دو حکموں کی عدول حکمی ہے۔ زنا میں مرد عورت کے ساتھ ارتکاب جرم کرتا ہے اس لیے زنا کا حکم اپنی جگہ پر قطعی ہے۔ اور یہ دونوں آیتیں دو عورتوں کی آپس میں اور دو مردوں کی آپس میں ہم جنس پرستی کے متعلق ہیں۔ کیونکہ پہلی آیت میں تثنیہ کی ضمیر مونث کی اور دوسری آیت میں تثنیہ کی ضمیر مذکر کی اس کی کافی شہادت ہے۔ ان دونوں آیتوں کو اگر منسوخ کرو جیسا کہ کیا گیا ہے تو بتاؤ کہ قرآن مجید میں ہم جنسی کی نسبت جس کے سبب قوم لوط غارت کی گئی، اور جو فطرتی زراعت کے تخم کی تباہ کن ہے، احکام و ہدایات کہاں ہیں۔ کیا ایسے قبیح جرائم بے سزا چھوڑے گئے۔ افسوس کی بات ہوگی اگر ان آیتوں کو جو ایسے قبیح جرائم کے متعلق ہیں ناحق منسوخ کر کے ان آیتوں کا خون کرو۔ ایسے گناہوں کی سزا سے قرآن مجید کیوں کر ساکت رہ سکتا ہے، جب اللہ نے فرمادیا **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ** ہم نے قرآن مجید میں (دین کے متعلق) کچھ نہ چھوڑا جو بیان نہ کر دیا (انعام:38) یہ دین کی بات ہے چھوٹ نہیں سکتی۔ جب زنا کی نسبت حکم نہ چھوٹا تو ایسے خلاف فطرت افعال قبیحہ کے متعلق احکام کیوں کر چھوٹ سکتے تھے۔ زنا کے جرم میں قوم غارت نہیں کی گئی، مگر ہم جنسی کے جرم میں قوم لوط غارت کی گئی ہے۔ ناسخ و منسوخ کے من گھڑت عقیدے نے سیکڑوں آیتوں کو جو اپنی اپنی جگہ پر ایک خاص حکم رکھتی ہیں عبث، لغو، اور بیکار کر دیا ہے اور قرآن مجید کو باہمہ تواتر حدیث سے منسوخ کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔[1]

جب دو آیتیں آپس میں مخالف ہوں تو ایک کو منسوخ کہو گے۔ مگر اختلاف کا پایا جانا جو نسخ کی وجہ سمجھی جاتی ہے قرآن میں کیا کسی کتاب اللہ میں ممکن نہیں بلکہ محال ہے۔ کیونکہ من عنداللہ میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ یہ اللہ ہی نے فرمادیا ہے۔ **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا**

---

[1] شیخ کا گلہ علمائے ناسخین سے بجا ہے کیونکہ جمہور مفسرین اس مقام پر خطا کر گئے ہیں۔ اس جگہ سورہ نساء کی آیت 15 کے آخر میں حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا کی شرح و تفسیر میں سورہ نور کی آیت 2 پیش کرتے ہیں کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے زنا کی سزا 100 کوڑے نازل کی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ سورہ نور کی سزا، نساء کی ان آیات سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ نسا کی آیت 25 میں لونڈیوں کے زنا کی سزا آزاد عورتوں سے نصف بیان کی گئی ہے۔ تمام مفسرین اس سے 50 کوڑے مراد لیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 100 کوڑوں والی آیت، نسا کی ان آیات سے پہلے نازل ہو چکی تھی لہٰذا ممکن نہیں کہ پہلے نازل شدہ آیت بعد والی آیت کو منسوخ کر سکے۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴿٨٢﴾ اگر یہ من اللہ نہیں من غیر اللہ منزل ہوتا تو لوگ اس میں اختلاف کثیر پاتے۔ (نساء:82) قرآن میں اختلاف نہ ہونے کو اللہ نے دلیل حقانیت بتلایا ہے۔ آج لوگ اسے کسر شان سمجھتے ہیں۔ ان کو نفسانیت اور غرور نے دھوکے میں رکھا۔ یہ سمجھنے لگے کہ جیسے جیسے عقل بڑھی، اور لوگ ترقی کرتے گئے، ان کی ترقی کے لحاظ سے کتاب آتی رہی، مسلمانوں کے زمانہ میں ترقی کی انتہا ہو گئی۔ اس لیے کتاب آنے کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ حالانکہ ترقی کا دروازہ اللہ نے بند نہیں کیا ہمیشہ ترقی ہوتی رہی اور ترقی ہوتی رہے گی۔ ان کو سمجھنا تھا کہ قانون فطرت نہیں بدلتا اور جتنی کتابیں آئیں قانون فطرت کے مطابق آئیں۔ فطرتی جذبات کو صراط مستقیم پر لگانا ان کا مقصد رہا۔ اس لیے ہر دین الٰہی چونکہ من عنداللہ ہے گرچہ سیکڑوں برس بعد آئے، پھر بھی ایک دوسرے کا مصدق ہے۔

میں بیان کر چکا کہ نسخ کا خیال بے بنیاد ہے، کوئی آیت بھی نسخ فی الاحکام کی حمایت نہیں کرتی۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ دین الٰہی ایک ہی ہے، بکمالہ ایک دوسرے کا مصدق۔ اللہ ایک، اس کے سارے رسول بلا تفرقہ ایک، ما ارسل یعنی اس کی کتابیں بلا اختلاف ایک، سب ایک دوسرے کی مصدق۔ مفصلہ ذیل آیتیں اس کی شاہد ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ و کفی باللہ شھیدا۔

(۱) **"شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحًا والذی اوحینا الیك و ما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔** اللہ نے تمہارے لیے وہی دین قائم کر دیا جس کا حکم نوح کو دیا تھا، اور جس کی وحی تمہاری طرف بھیجی، اور جس کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔" (شوریٰ:13) خداوند عالم نے کتنا صاف صاف فرمادیا کہ سب کا دین ایک ہی ہے اور تفرقہ کو منع فرمایا ہے۔

یہ بھی سمجھ لو کہ دین کے معنی صرف توحید کے نہیں ہیں جیسا کہ قوم نے سمجھ رکھا ہے[1] بلکہ دین

---

[1] قوم نے جو سمجھا اس کی دلیل اسی آیت میں ہے وہ ہے الدین کے ساتھ من یعنی مِنَ الدِّينِ یعنی دین کا ایک حصہ، بالفاظ دیگر پورا دین (اصول و فروع) نہیں بلکہ اس کا ازلی ابدی اصولی حصہ جو محکمات (ام الکتب) پر مشتمل ہے۔ وہی تمھیں بھی عطا کیا ہے جو ظاہر ہے توحید اور اخلاقیات اساسی پر مشتمل ہے۔ رہا انتظامی حصہ وہ سب کا یکساں ہونا ضروری نہیں۔ مائدہ نمبر ۴۸ کی آیت میں اس کی تائید میں مزید یہ جملہ موجود ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔ (سورۃ مائدہ آیت 46) [ناشر]

Marfat.com

کے معنی کتاب اللہ یعنی سارے احکام ربانی کے ہیں۔ سورۃ شوریٰ کا دوسرا رکوع پڑھ جاؤ پتہ لگ جائے گا کہ اللہ نے بھی ایسا ہی بتایا ہے۔ دین کے معنی اگر توحید ہی کے لو تو کیا سارے پیغمبروں کی توحید کھوٹی ہو گئی تھی اور ناقص، جو اللہ نے فرمایا **الیوم اکملت لکم دینکم** آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ ضائع ہونے سے جو احکام و ہدایات اور توحید کی تعلیم ناقص رہ گئے تھے، اللہ نے کتاب بھیج کر کامل کر دیا، اور یہی تکمیل دین اور اتمام نعمت ہے۔ ایک ہی دین اللہ نے نوح وابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور سب کو دیا تھا۔ اس کے معنی توحید کے نہیں بلکہ ایک ہی احکام و ہدایات کی کتابیں دیں۔ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مصدق ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ توحید ہی میں مصدق ہیں، کیونکہ یہ توحید کی قید[1] اپنی طرف سے ہے اور یہ قرآن مجید کی تقیید وتصحیح اور تنسیخ ہے۔ اللہ نے دین کا لفظ فرمایا تو ہر ایک دین دوسرے دین کا بکمالہ مصدق ہے۔

(۲) "قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ‌ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ مسلمانو! کہہ دو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور قرآن مجید پر اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب کی اور ان کی اولاد کی کتابوں پر اور تورات وانجیل پر اور جو کتابیں اور نبیوں کو اللہ کی طرف سے ملیں، ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ہم تو اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں۔" (بقرہ:136) سب پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ سب ایک ہیں جب ایک پر ایمان لانا سب پر ایمان لانا ہوگا ورنہ اختلاف کی صورت میں مختلف احکام پر وہ بھی لامعلوم حالت میں کہ محو شدہ کتابوں کے احکام معلوم بھی نہیں ہو سکتے، ایمان لانا ایمان کہا جائے گا یا منافقانہ قول۔ کیونکہ اختلاف کی صورت میں بجائے ایمان کے من

---

[1] توحید اور اصولی ہدایات کی قید اپنی طرف سے نہیں ہے نہ یہ قرآن مجید کی خود ساختہ تقیید ہے کیوں کہ خدا نے دین کا لفظ نہیں فرمایا مِنَ الدِّین فرمایا ہے یعنی دین کا ایک حصہ جو ظاہر ہے اصولی حصہ ہی ہو سکتا ہے۔ فروعی اور انتظامی حصہ میں حالات کے تحت اگر فرق ہوا تو کیا تعجب ہے **لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا** 5/48 اسی من الدین کی مزید توضیح ہے۔ (ناشر)

Marfat.com

عنداللہ ہونے میں شک پیدا ہوگا جیسا کہ آیت اوپر دی گئی **ولو کان من عند غیر اللہ الخ۔**
یا بجائے شک کے ایمان حاصل ہوگا۔

اگر یہ کہو کہ اگلی کتابوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کتابوں کا صرف منزل من اللہ ہونا تسلیم کیا جائے تو نسخ شدہ حالت میں اس تسلیم سے فائدہ ہی کیا۔ دوسرے یہ کتاب پر ایمان لانا نہ ہوا بلکہ رسول پر ایمان لانا ہوا کہ جو کچھ وہ لائے وہ اللہ کی طرف سے لائے اور یہاں اللہ کتابوں پر **ما انزل** اور **ما اوتی** کے لفظ کے ساتھ فرما رہا ہے، اور لفظ ما بھی عام ہے، یعنی جو کچھ ان پر نازل ہوا اس پر ایمان لاؤ۔ **ما انزل اللہ** ساری کتاب ہے۔ اور ساری کتاب پر ایمان بجز ایک ہونے کے اختلاف کی صورت میں تو ہو ہی نہیں سکتا۔ خصوصاً لا معلوم حالت میں۔ یہ تو اللہ کی شان سے بھی بعید ہے کہ جن جن کتابوں کا وجود ہی نہ ہو اور ان میں اختلافات ہوں ان پر ایمان لانے کو بے ضرورت حکم دے۔ ایک آیت ہو تو توڑ مروڑ کی گنجائش ہو، اللہ نے تو بہتیری آیتیں فرما دی ہیں۔

(۳) **وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾** ”یہ قرآن مجید ایسی کتاب نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو بنا لائے۔ بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی تفصیل ہے۔ لاریب یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے ہے۔“ (یونس: 37) کیا اختلاف اور نسخ کی حالت میں قرآن اگلی کتابوں کا مٹا دینے والا کہا جائے گا یا تصدیق کرنے والا، اور جب مصدق ہے تو ناسخ نہیں ہے۔ کیفیت تصدیق کو بھی اللہ نے فرما دیا کہ تصدیق فی التوحید ہی نہیں، تصدیق اجمالی نہیں کہ صرف نزول کی تصدیق کہی جائے، بلکہ تصدیق تفصیلی ہے۔ ”تفصیل الکتاب“

(۴) **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ** ”ہم نے تم پر قرآن مجید اتارا جو حق ہے اور اگلی کتابوں کا مصدق اور محافظ ہے۔“ (مائدہ: 48) تصدیق مسئلہ توحید اللہ نے نہیں فرمایا، نہ تصدیق نزول فرمایا، بلکہ تصدیق کتاب فرمایا۔ اگر کوئی اپنی کتاب میں میری اس کتاب کی مخالفت کرے اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا ہی دے مگر کسی ایک مسئلہ کی تصدیق کرے، تو اس کی کتاب میری کتاب کی مصدق یا محافظ کہی جا سکتی ہے، ہرگز

Marfat.com

نہیں۔اس لیے دین اسلام ایک ہے، ہر ایک کتاب مذہب اسلام ہی لائی اور ایک دوسرے کی مصدق رہی۔قرآن کی تعیم کی تخصیص اگر خود قرآن نہ کرے تو کسی کو اس کا کیا حق ہے۔کیا قرآن مجید اگر تورات کے حصہ توحید کا مصدق ہو اور تورات کا ناسخ، تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قرآن مجید تورات کا محافظ ہے، ہر گز نہیں۔ہاں اگر تورات کا بکمالہ مصدق ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا محافظ ہے، تورات کے احکام محفوظ ہو گئے۔

(۵) اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ''کیا انہوں نے قرآن میں غور نہیں کیا۔کیا ان کے پاس کوئی ایسی بات آئی جو ان کے اگلوں کو نہ آئی تھی۔''(مومنون:68)اس سے زیادہ اور انحصاری تصدیق کیا ہو سکتی ہے۔اللہ نے صاف فرمادیا کہ جو پہلے نازل ہوا تھا وہ اب نازل ہوا۔کوئی نئی بات نہ جب اتری تھی نہ اب اتری۔اس سے صاف کھل گیا کہ سب کا دین اسلام واحد تھا، اور سب کے احکام و ہدایات واحد تھے۔یہ خیال غلط اور بے بنیاد ہے کہ پہلے دین اسلام کا دوسرا دین اسلام ناسخ ہوا۔

ایمان لانے کو ایک آیت کافی ہے۔مگر ما الفينا عليه اٰباءنا کے آگے قرآن مجید کی حقانیت کون تسلیم کرے گا؟

(۶) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ''اللہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں اگلوں کے طریقہ کو بیان کر دے اور اس کی ہدایت کرے''(النساء:26) اللہ تو یہ چاہتا ہے مگر قوم سمجھتی ہے کہ اس میں ذلت ہے۔اگلوں کے طریقہ کے خلاف کرنا عین اسلام ہے۔اللہ نے اگلے طریقوں کو منسوخ کر کے نئے طریقہ کا قرآن نازل کیا ہے۔سنن کا لفظ قابل توجہ ہے عقیدہ توحید کو سنن نہیں کہہ سکتے۔سنن سے مطلب ہے احکام و ہدایت۔افسوس ہے کہ قوم یہ نہیں سمجھتی کہ قرآن مجید کی حقانیت اور عظمت تصدیق میں ہے نہ کہ تنسیخ میں۔

(۷) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ ''قرآن مجید میں ادھر ادھر کسی طرف سے باطل آمیزش نہیں پا سکتا، یہ خدائے حکیم و حمید کا اتارا ہوا ہے۔تم سے نہیں کہا جاتا ہے مگر وہ سارا کچھ جو اگلے رسولوں سے کہا گیا ہے۔''(حم السجدہ:42,43)ما قد قيل میں

Marfat.com

ما عام ہے۔ اس تعمیم کی تخصیص کا کسی کو حق نہیں یعنی جو احکام و ہدایات اگلے دین اسلام میں دیے گئے ہیں وہی تم کو دیے گئے ہیں، کوئی نئی بات تم سے نہیں کہی گئی۔

چونکہ اس آیت میں اللہ قرآن مجید کو فرما رہا ہے کہ اس میں باطل آمیزش نہیں پا سکتا، اس لیے ما یقال لك اللہ قرآن مجید کو فرما رہا ہے۔ یہ بہت صاف ہے اور سلسلۂ کلام بھی اسی کا موید ہے۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ "مایقال لک کے معنی یہ ہیں کہ کفار تمہارے ساتھ وہی سخت کلامیاں کرتے ہیں جو انہوں نے اگلے رسولوں کے ساتھ کی ہیں تو جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو"۔ آیت میں نہ سخت کلامیوں کا ذکر ہے نہ صبر کا۔ کیا تفسیر کے معنی اضافہ علی القرآن کے ہیں کہ جہاں چاہو محذوف مان کر گھٹاؤ بڑھاؤ۔ تعریف تو ہو رہی ہے قرآن مجید کی اس میں سخت کلامیوں اور صبر وغیرہ کے بیان کا کوئی موقعہ محل ہی نہیں۔ دوسرے محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ بھی جملہ کا جملہ۔ تیسرے محذوف مانا ہوا جملہ شخصی رائے ہے اس لیے قطعی نہیں۔ اس اضافہ کے ساتھ میرا اتفاق نہیں کیونکہ اور رسولوں کو صبر ہی کو کیوں کہا گیا تھا ان کو تو وہ سارا کچھ کہا گیا تھا جو ان پر اترا تھا۔ جس طرح ما یقال لك میں ما عام ہے اسی طرح ما قد قیل میں بھی ما عام ہے۔ دونوں جگہ ما عام ہے تو کسی کو اس کی تخصیص کا کیا حق ہے۔

عبودیت کی آنکھوں سے دیکھو تو یہی ایک آیت اس ثبوت کے لیے کافی ہے کہ قرآن مجید ہی اگلی کتابوں میں اترا تھا، اور وہ بکمالہ اگلی کتابوں کا مصدق ہے، ناسخ نہیں۔ اللہ اپنے کلام کو ہر دفعہ بدلنے کیوں لگا۔ لا تبدیل لکلمات اللہ اسی کا تو قائم کیا ہوا اصول ہے۔ قوم سمجھتی ہے کہ زمانہ ترقی کرتا گیا تو دین بھی ترقی کرتا گیا، مگر تعجب اور حیرت کا مقام ہوگا کہ زمانہ کی ترقی سے نہ بدلے جائیں حقوق، اخلاق اور تمدن کے احکامات و ہدایات اور بدلے جائیں صرف عبادت کے احکامات، درآں حالیکہ احکام عبادات کی تصدیق فرداً فرداً بھی قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے جو بیان کی جائے گی۔ اس کے سوا زمانہ ترقی کرتا رہا، اس پر بھی ملت ابراہیم علیہ السلام کی جو سب سے پرانی ملت ہے، اتباع کا حکم دیا گیا اور ہدایات کے لیے واقعات اور قصے بھی پرانے ہی بیان

Marfat.com

کیے گئے۔

(۸) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ "ہم نے قرآن مجید تم پر اس لیے اتارا کہ جو کچھ اگلوں پر اتارا جا چکا ہے وہ لوگوں سے بیان کر دیا جائے۔" (النحل:44) ذکر اور دوسرے قرآن مجید ہی کے نام ہیں۔ چونکہ وہ تمام تر نصیحت اور تمام تر نور ہے۔ یہاں بھی ما نزل الیھم میں ما عام ہے۔ تخصیص قرینی اور غیر قرینی ہوگی۔ یعنی قرآن مجید اس لیے نازل کیا گیا کہ جو کچھ بھی اور نبیوں پر نازل ہوا وہ بیان کر دیا جائے۔ اس طرح قرآن مجید ساری کتابوں کا متضمن اور حافظ ہے۔ اس آیت نے اوپر کی آیت کو بھی واضح کر دیا یعنی ما قد قیل کو بھی بتا دیا کہ ما قد قیل سے مراد سخت کلامیوں سے نہیں ہے بلکہ ما قد قیل کے معنی ما نزل الیھم کے ہیں اور کیفیت تصدیق کو بھی واضح کر دیا کہ قرآن مجید کتب سابق کا صرف توحید میں نہیں بصرف دعویٰ من اللہ ہونے میں نہیں بلکہ ما نزل الیھم میں یعنی ساری کتاب کا مصدق ہے۔

(۹) وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا "اور یہ کتاب توریت کی مصدق ہے عربی زبان میں" (احقاف:12) قرآن توریت کا مصدق ہے یعنی ساری کتاب کا۔ فرق زبان کا ہے یہ عربی زبان میں ہے۔

اسی یکانگت کو اللہ نے فرمایا ہے وانہ لفی زبر الاولین۔ قرآن مجید ہی اگلی کتابوں میں اترا تھا۔ (شعرا:196) کاش اگلی کتابیں قرآن مجید کی طرح اپنی تنزل کی صورت میں موجود رہتیں تو یہ وحدت کا بداہت دکھا دی جاتی۔

چونکہ ایک دین اسلام ہی اللہ نے نازل فرمایا، اسی وحدت دین کے سبب اللہ نے حکم دیا وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۔ نصاریٰ کو چاہیے کہ وہ بما انزل اللہ کے مطابق حکم دیں۔ (مائدہ:47) اور ہمارے آنحضرت ﷺ کو فرمایا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور تم بھی ما انزل اللہ کے مطابق حکم دیتے رہو۔ (مائدہ:48) اگر بما انزل اللہ میں اختلاف ہوتا، جس کو اللہ نے حقانیت کے خلاف فرمایا ہے، تو وہ ہرگز ایسا حکم نہ دیتا، اور دو مختلف احکام کا جاری کرنا وہ پسند نہ کرتا۔ اس نے یہ نہ فرمایا کہ اہل انجیل انجیل سے حکم دیں کیونکہ موجودہ

Marfat.com

اناجیل تو حدیث ہیں۔ اس منزل انجیل کا تو وجود ہی نہیں رہا۔ اس حکم سے اللہ کی غرض یہ تھی کہ وہ بما انزل اللہ حکم دینا چاہیں گے تو اختلاف تو پائیں گے نہیں اور یہ ان کے لیے ایمان کا باعث ہوگا۔ اور انجیل منزل من اللہ پائیں گے نہیں، تو قرآن مجید کے مقابلہ میں ان کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا کہ ان کا حکم بما انزل اللہ ہے۔

ایک خدشہ ہوتا ہے جس کا صاف کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن مجید میں علاوہ احکامات و ہدایات کے قصص بھی ہیں، تو کیا یہ قصص بھی اگلے پیغمبروں پر نازل ہوئے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قصص نرے قصے نہیں ہیں، بلکہ قصوں میں ہدایات ربانی بیان ہوئے ہیں۔ بیان کو واضح اور موثر بنانے کے لیے استعارات، تشبیہات اور مثالیں مختلف طرز ہیں۔ قصص میں بات یاد رہنے والی، زیادہ دل نشیں اور موثر ہو جاتی ہے۔ اصل مقصود وہ نتائج ہیں جو قصوں میں بیان کیے جاتے ہیں، صرف قصہ کہانی مقصود نہیں ہے۔ خود اللہ نے بھی فرمادیا ہے۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ پیغمبروں کی خبروں میں سے ہر خبر کو ہم تم سے بیان کرتے ہیں کہ تمہارے دل کو تسلی دیں اور ان قصوں میں تمہارے پاس حق باتیں اور موعظت پہنچی اور مسلمانوں کے لیے یاد دہانی۔ (ھود: 120) قرآن مجید میں بہتیرے مواعظ و نصائح قصوں میں بیان کر کے موثر و دلپذیر بنائے گئے ہیں۔ قصہ ایک روش بیان ہے۔ اصل شے وہ موعظت و نصیحت ہے جو غور و فکر کرنے والے حاصل کرتے ہیں۔ یہ مواعظ و نصائح کسی زبان، کسی طرز بیان، اور کسی قصے میں سہی اگلے صحف میں بھی فرمائے گئے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے قصص میں جو نصیحتیں فرمائی گئی ہیں یہ بھی ان نصیحتوں کی مصدق ہیں جو کسی عنوان سے سہی اگلی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا وذکری للمؤمنین مسلمانوں کے لیے یاد دہانی ہے۔ اسی مضمون کو اس نے اور بھی فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ بے شک ان قصوں میں عاقلوں کے لیے عبرت ہے یہ کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں، بلکہ یہ اگلی کتابوں کا مصدق ہے اور تفصیل ہے۔ ہر چیز کی اور مومنوں کے لیے ہدایت و

Marfat.com

رحمت ہے۔(یوسف:111) جو لوگ قصص قرآنی کو کہانی سمجھے وہ دھوکے میں رہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اک کہانی سمجھا گیا، تو یوسف زلیخا نے جوانوں کے دلوں میں حسن وعشق کی اک گدگدی پیدا کر دی پھر پیغمبر کا ازار بند کھلوا کر تو عوام کو ایک بڑی حد تک رخصت ہی دے دی گئی ہے۔ ایسا سمجھنے والے قرآن مجید کے خلاف سمجھے اور پیغمبر پر تہمت لگائی اور وھم بھا لولا ان را برھان ربہ کے معنی الٹا سمجھے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ اگر اللہ کی دلیل نہ دیکھے ہوتے تو ارادہ بد کرتے۔ یعنی وہ تو اللہ کی دلیل دیکھے ہوئے تھے۔ وہ کس طرح ارادہ بد کر سکتے تھے۔ یہ انبیا کی جماعت تو مستثنیٰ جماعت ہے۔ یہ لوگ مخلصین میں ہیں اور اللہ نے الا عباداللہ المخلصین عباد مخلصین تک شیطان کی دست رسی دی نہیں۔ شیطان انہیں کیوں کر بہکا سکتا اور ازار بند کھلوا سکتا تھا۔ اور جن لوگوں نے اس قصہ میں موعظت و نصیحت دیکھی، وہ سچ بولنے، وفادار رہنے۔ مستقل رہنے، صابر رہنے اور اللہ کی محبت و اطاعت میں گناہ کے عوض جیل کے مصائب جھیلنے پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ دل کی ٹھنڈک پائی اور مراد کو پہنچے۔ انہوں نے اس کو بھی مشاہدہ کیا کہ اللہ طلبی میں اللہ بھی ملتا اور دنیا بھی بطور خادمہ ملتی ہے اور دنیا طلبی میں اللہ تو ملتا ہی نہیں اور دنیا بھی مخدوم بن کر ملتی ہے۔

میں نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے دکھایا کہ سب دین ایک دین ہے دین اسلام ہی۔ یہ بھی ثابت کیا کہ کوئی دین کسی دین کا ناسخ نہیں بلکہ مصدق ہے، اور کیفیت تصدیق بھی دکھا دی کہ بکمالہ مصدق ہے، نہ صرف مسئلہ توحید کی بلکہ ہر احکام وہدایات کی۔ اسی طرح میں نے یہ بھی دکھایا کہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہی منجانب اللہ نہیں ہے۔ اللہ خود جب کسی آیت کو منسوخ نہ کرے اور نہ کہے تو پھر کسی دوسرے کو کیا حق ہے کہ وہ اللہ کی آیت کو منسوخ کرے۔

• جب یہ باتیں منکشف ہو چکیں تو مناسب ہے کہ دعوۃ الی اللہ جو ہمارے رسول کافۃ للناس نے دی تھی صلی اللہ علیہ وسلم، اس کا غلغلہ پھر سے بلند کیا جائے۔

Marfat.com

اے اہل دنیا آؤ۔ اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً۔ دین اسلام میں کل کے کل داخل ہو تے جاؤ۔ (بقرہ: 208) اے کتاب والو! اس کلمہ پر اتفاق کرو جو ہمارے تمہارے درمیان میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کا کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ اس کے سوا کسی کو اپنا مالک بنائیں۔ یعنی کسی دوسرے کے کہے پر نہ چلیں۔ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ (آل عمران: 64) اور اسی کے ساتھ اللہ کی رسی جس کے ذریعہ سے تم اللہ تک پہنچو یعنی قرآن مجید کو مضبوط پکڑ لو اور آپس میں پھوٹ اور تفرقہ نہ ڈالو۔ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران: 103) قرآن مجید میں سب ہی داخل ہے، ایمان بالرسالت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالیوم الآخرۃ تو سب پر ایمان لاؤ۔ اسی طرح اسکے سارے احکام وہدایات ہیں تو سب کی تعمیل کرو۔ ہم تم دونوں ہی اسی ایک اللہ کے بندے ہیں، اسی کے بنائے ہوئے انسان ہیں، اسی کے آسمان کے نیچے اور اسی کی زمین پر بسنے والے اور اسی کی روزی کھانے والے ہیں تو اس کا کسی کو شریک کیوں کریں۔ ہماری تمہاری صورت ایک، جنسیت ایک، اقتضائے فطری ایک، ایک قانون قدرت کے کرشمے، ایک قانون فطرت کے ماتحت ہم تم دو ہو نہیں سکتے۔ پھر پھوٹ کیوں ڈالو۔ ہمارا تمہارا اللہ ایک، ہمارا تمہارا رسول ایک، ہماری تمہاری کتابیں ایک، اس لیے ہم تو اللہ پر اور سب رسولوں پر بلا تفرقہ اور ساری کتابوں پر بلا اختلاف ایمان لائے ہیں، تم کسی کا انکار کیوں کرو۔ دیکھو اللہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّہَا الرُّسُلُ کُلُوۡا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿ؕ۵۱﴾ وَاِنَّ ہٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمۡ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ بَیۡنَہُمۡ زُبُرًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۳﴾ رسولو! ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرتے رہو، تم جو کچھ عمل کرتے ہو ہم اس کے دانا تر ہیں۔ اور یہ امت تمہاری ایک امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں تو مجھی سے ڈرو۔ مگر لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر فرقہ اس دین سے جو اس کا ہے

Marfat.com

خوش ہے (مومنون:53-51) اے اہل دنیا! ہم تم ایک امت ہیں، ہمارا تمہارا دین ایک ہے یہ آپس کی پھوٹ نے دین کی اتنی صورتیں قائم کی ہیں اور تعصّبات مذہبی نے جھگڑے اور فساد ڈال کر دنیا کا خون خرابہ اور دین کا ستیاناس کیا ہے، ورنہ ہم تم دو نہیں۔ تمہارے دین کے پرانے ہونے اور زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے بعد بھی اب تک کتنی باتیں دین کی ہماری تمھاری ملتی جلتی ہیں۔ اے لوگو! آؤ اور انصاف کے ساتھ آؤ کہ ہم تم آپس کے اختلافات کو دور کریں اور بے تعصبی، حق طلبی اور انصاف سے ان کی صحت کریں۔ جو ایک دن ہونا ہے وہ آج کیوں نہ ہو۔ مگر صحت تم کس طرح کر سکتے ہو، تم نے تو کتاب اللہ ضائع کر دی ---تم تو ان کتابوں پر ابا عن جداً ایمان رکھتے ہو۔ اور اس کی حقانیت کے تم مدعی ہوتے ہو۔ مگر وہ کتابیں من اللہ ہونے کی خود مدعی نہیں ہیں۔ جب کتاب اللہ تمہارے پاس رہی نہیں جس سے تم ہدایت پاؤ، اپنی کجی کو دور کرو، غلطی وصحت کو جانچو اور مراد کی سیدھی راہ پاسکو۔ تو آؤ، میرے پاس آؤ، میرے پاس کتاب اللہ جوں کی توں موجود ہے، جو مدعی ہے کہ ہم کتاب اللہ ہیں، ہم ہدایت اللہ ہیں، ہم رحمت اللہ ہیں، ہم حکمت اللہ ہیں، ہم فطرت اللہ ہیں، ہم نور اللہ ہیں، ہم کلام اللہ ہیں، ہم ہی علم کے، عقل کے اور فطرت کے مطابق ہیں۔ گم راہوں کی رہنما، بے پناہوں کی پناہ، اللہ سے رشتہ عبودیت جوڑنے والی، روح کو پاک کرنے والی اور نجات دلانے والی ہم ہیں۔ اور ہم ہی ہیں۔ آؤ اور اپنا فیصلہ اسی کتاب اللہ سے طلب کرو اور اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ ہم کہے دیتے ہیں کہ اب نجات یہیں ہے اور کہیں نہیں۔ لوگو! ہم کو غیر نہ سمجھو عبد و بندہ ہونے میں بھائی ہو، تو عبودیت اور بندگی میں بھی بھائی ہو جاؤ۔ برادرانہ آؤ، مخلصانہ نگاہ سے دیکھو، تفرقوں پر تھوک ڈالو اور شیر و شکر ہو جاؤ **ربنا اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم** ۔ ورنہ یاد رکھو کہ دنیا کی چیزیں رنگ بدلتی رہتی ہیں یہی فنا ہے، معدوم نہیں ہو جاتیں۔ تم بھی مر کر رنگ بدلو گے، معدوم نہ ہو جاؤ گے۔ ایسا ہے تو یہ بھی یاد رکھو کہ تم اسی رنگ میں رنگے رہو گے جس رنگ میں تم نے اپنے کو یہاں رنگا ہے۔ اب دیکھ لو کہ تمہارے ایمان کا کیا رنگ ہے، ماسوا کا طوق گلے میں ڈالے، یا مادیات پر مرتے ہو، یا توہمات پر، جنھیں تم چھوڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری روح انھیں تعلقات میں یہیں ٹھوکریں کھاتی پھرے گی۔ تو اس پر تم کیوں نہ مرو جسے نہ تم چھوڑ سکتے نہ وہ تمھیں چھوڑ سکتا ہے۔ **صبغة**

Marfat.com

اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ ط و نحن لہ عابدون O خدائی رنگ اس سے کون سا رنگ بہتر، ہم تو اسی رنگ میں رنگ گئے اور اس لیے ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کے فرمان پذیر ہیں اسی کا دم بھرتے ہیں۔

فآمنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب سوم

وحی ونزول کی حقیقت کیا ہے اور اس کا عنوان کیا رہا اور ما یوحی اور ما انزل اللہ کیا ہے؟

وحی کے لغوی معنی القا کے ہیں یعنی دل میں بات کا اترنا، تو یہ صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ یعنی وحی رحمانی بھی ہوتی ہے اور شیطانی بھی۔ وحی رحمانی جیسے اللہ نے حوارین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ (مائدہ:111) یا جیسے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ (قصص:7) یعنی یہ وحی رحمانی اولیا کو ہوتی ہے جسے الہام کہا جاتا ہے۔ اور وحی شیطانی کو اللہ نے فرمایا و ان الشیطین لیوحون الی اولیاء هم شیطان اپنے اولیا کو وحی کرتے رہتے ہیں۔ غرض یہ دونوں وحی القائی ہوتی ہے کہ دل میں جو بات آ جاتی ہے وہ صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی۔ وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔

دوسرے وحی کے معنی قرآن مجید میں اقتضائے فطری کے بھی لیے گئے ہیں جیسے شہد کی مکھی کا گھر بنانا کہ یہ اس کی فطرت کا اقتضا ہے، اسی کو اللہ نے فرمایا وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ الخ تمہارے اللہ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں اور درختوں میں گھر بنا الخ (نحل:68) یہ اقتضائے فطری بلفظ ''کُن'' وحی خداوندی ہے۔

تیسری وحی وہ ہے جو نبیوں کو ہوتی ہے تو یہ وحی لغوی معنیٰ سے باہر تو نہیں جائے گی۔ القا کا معنی اس میں بھی پایا جانا ضرور ہے، وہ ہے بھی، اللہ نے فرمایا و انك لتلقی القرآن من اللدن حکیم علیم ۔ قرآن مجید خدائے حکیم وعلیم کی طرف سے تم کو القا کیا جاتا ہے (نمل:6) مگر اس القا کی شان ہی نرالی ہے۔

قرآن مجید آنحضرت ﷺ کو القا یا وحی کیا جاتا تھا نزول کے طور پر۔ یعنی قرآن مجید ہی القا کیا گیا اور قرآن مجید ہی وحی کیا گیا اور قرآن مجید ہی نازل کیا گیا۔ اور نزول کی صورت کو اللہ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی آیتیں لے کر آپ کے قلب مبارک پر اترا کرتے یا اتارا کرتے تھے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۱۹۳﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ (شعرا:194-193) اور وَمَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (بقرہ:97) جسے سنداً میں آگے بیان کروں گا۔ تو یہی کیفیت نبی کی وحی کی ہوئی۔ اللہ نے فرمایا إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ہم نے قرآن مجید بزبان عربی اس لیے نازل کیا کہ تم سمجھو۔ ہم بذریعہ اس کے جو ہم نے تمہاری طرف یہ قرآن وحی بھیجا ہے تم سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ (یوسف:3-2) اس آیت سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید ہی ما یوحی بھی ہے اور ما انزل اللہ بھی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی وحی بذریعہ جبریل ہوتی تھی تا کہ اس میں شیطان دخل نہ پا سکے۔ یعنی یہ القا بذریعہ فرشتہ تھا تا کہ اس میں قطعیت پیدا ہو۔ اور یہ وحی صرف قرآن مجید سے ہے کیونکہ یہی وحی بطور نزول ہے، اسی میں قطعیت ہے، اسی کی تبلیغ کا حکم دیا گیا اسی کی نسبت حکم ہوا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ اس میں سے جو تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے کہیں تم کچھ چھوڑ نہ بیٹھو۔ (ھود:12)

انسان سے اللہ اتنی ہی صورت میں کلام کرتا ہے جو اس نے خود فرمایا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ (جسے الہام کہتے ہیں) یا رسول بھیج کر۔ تو اپنے حکم سے جو چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے (شوریٰ:51) بشر سے کلام کرنے کی اللہ نے تین ہی صورتیں فرمائی ہیں۔ بذریعہ وحی جیسے رسولوں سے اللہ نے بات کی ہے یا پس پردہ جسے الہام یا القا رحمانی کہیے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے بات کی یا بذریعہ رسول کہ رسول بھیج کر عام خلق اللہ سے اللہ نے بات کی ہے، احکام دیے ہیں، ہدایتیں دی ہیں۔

رسول کی وحی چونکہ بذریعہ فرشتہ اور محفوظ ہوتی ہے۔ اس میں فرق، عدول اور اختلاف کی گنجائش نہیں، نہ آمیزش کا خطرہ۔ دوسرے کلام، وراء حجاب یا القاء رحمانی یعنی الہام میں چونکہ پس پردہ ہوتا ہے وحی شیطانی سے ملبس اور آمیزش ہونے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس لیے الہام میں

Marfat.com

غلطی کی گنجائش رہتی ہے اور اسی لیے الہام غیر قطعی ہے۔ الہام کو وحی رسول کے آگے پیش کرو، مطابق ہو جائے تو رحمانی اور قطعی ہے، مطابق نہ ہو تو شیطانی اور مردود ہے۔ الہام رحمانی بھی دین نہیں، دین کامل ہو چکا، ہاں موید دین کہو تو کہہ سکتے ہو۔ تیسرے اللہ نے عام خلق اللہ سے بواسطہ رسول و برسالت رسول کلام کیا ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ کلام اللہ اللہ کا کلام میرے پاس موجود اور میرے سینہ میں محفوظ ہے۔ کیا یہ بے ادبی اور ظلم نہ ہوگا کہ اللہ تو ہم سے یوں باتیں کرے اور ہم دوسروں کے کلام کے، اقوال کے، رایوں کے، خیالات کے، اور احکام کے پابند اور دلدادہ ہوں اور اللہ کے کلام کو منتر، معما، چیستاں، مجمل، ناتمام، بلحاظ عمل ناقص، ناقابل عمل درآمد سمجھیں۔ تو یہ سرکشی اور یہ جرم ہے، ناقابل معافی۔

جب تک شاخسانے نہ ملاؤ، نہ بات میں مزہ آتا، نہ مسئلہ میں قابلیت کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس لیے قوم سمجھتی ہے کہ وحی دو قسم کی ہے۔ وحی جلی، اور وحی خفی۔ وحی جلی قرآن مجید ہے اور وحی خفی حدیث۔ یہ تقسیم اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ ایسی کوئی تقسیم قرآن مجید میں نہیں ہے یہ شاخسانے کھڑے کیے گئے ہیں اور احکام و ہدایات کو گھٹانے بڑھانے کا آلہ ایجاد کیا گیا ہے، یا تجاوز عن الحد کی راہیں نکالی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن وحی جلی ہے، اور اس کو حضرت جبرئیل ہمیشہ وحی خفی کی صورت میں لائے۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث وحی خفی ہے، اور ثابت کیا جاتا ہے اکثر حدیثوں ہی کا جلی طور پر آنا۔ حضرت جبریل نے علی روس الاشہاد نبی کی امامت کی، ہادی بنے، اور ان کی تعلیم کی ہوئی باتیں جو جلی تر بیان کی جاتی ہیں زانو سے زانو ملا کر وہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ حضرت جبرئیل کبھی اعرابی کی صورت میں آئے اور کبھی دحیہ[1] کی صورت میں، اور اس جلی طور پر جو کچھ وہ تعلیم کر گئے وہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ قرآن مجید سے کہیں ان کے امام ہونے اور ہادی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت جبرئیل قاصد تھے، مکتوب الیہ سے درجہ میں کمتر۔ وہ پیام رساں تھے مطلوب سے منزلت میں فروتر۔ وہ کچھ اختیار نہ رکھتے تھے، مختار کے برابر نہیں ہو سکتے، ان کی کرسی نبی کے مقابلہ میں نہیں بچھ سکتی۔ فرشتہ نبی کا امام ہو نہیں سکتا۔ اللہ ہادی تھا، اللہ قرآن مجید کا اپنے

---

[1] دحیہ سے مراد دحیہ الکلبی صحابی ہیں۔ جن کا تعلق قبیلہ بنی کلب سے تھا۔ روایات میں ہے کہ جبرائیل انھی کی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آتے۔ (امتیاز)

Marfat.com

قرب سے نازل کرنے والا تھا کہ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿٦﴾ بے شک قرآن مجید تم کو القا کیا جاتا ہے خدائے حکیم وعلیم کے قرب سے۔ (النمل:6) حضرت جبرئیل صرف نزول کے واسطہ تھے۔ نہ امام تھے، نہ ہادی تھے، نہ مشیر تھے، نہ بھائی تھے، نہ خود کوئی حکم یا رائے دے سکتے تھے، نہ احکام خداوندی کو کم وبیش کر سکتے تھے۔

دوسری تقسیم یہ کہی جاتی ہے کہ وحی کی دو قسم ہے۔ وحی متلو، اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو قرآن مجید ہے جس کو حضرت جبرئیل نے پڑھ کر سنایا۔ اور وحی غیر متلو حدیث ہے جس کو حضرت جبرئیل نے پڑھ کر نہ سنایا، تو یہ منزل نہ ہوا بلکہ اس کو الہام کہو۔ اور الہام کو اوپر میں نے بیان کیا ہے کہ وہ غیر قطعی ہے۔ وہ نہ تو وحی منزل کا مخالف ہو سکتا ہے، نہ اس کو کم وبیش کرنے والا۔ اور چونکہ قرآن مجید اس تقسیم کی حمایت نہیں کرتا اور اس کی کوئی آیت پیش نہیں کی جا سکتی اس لیے یہ تقسیم اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ وحی منزل کی یہ تقسیم قرآن کی قطعیت کو کھو دینے والی ہے۔

قران مجید میں **ما یوحٰی** اور **ما انزل اللہ** جو بتایا گیا ہے، جس کے مطابق حکم دینے کا حکم ہے اور جس کے خلاف حکم نہ دینے کی تہدید، وہ حسب ذیل ہے۔

ما انزل اللہ کی آیات

(۱) اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ ''لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے تورات وانجیل نازل کی تھی اور اب قرآن مجید نازل کیا ہے۔'' (آل عمران:4-3) اب کتاب منزلہ قرآن مجید ہے جس نے موجودہ تورات وانجیل کی باطل آمیزشوں کو نکال کر اعلان اسلام کیا ہے، اسی لیے قرآن مجید کا نام فرقان بھی ہے۔ یعنی قرآن مجید **ما انزل اللہ** ہے۔

(۲) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ ''ماہ رمضان ایسا مبارک ہے کہ اس میں ساری دنیا کے لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل کیا گیا۔'' (بقرہ:185) یعنی قرآن مجید ما انزل اللہ ہے اور ہادی ہے۔

(۳) يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ ''اے رسول ما انزل اللہ (قرآن مجید) کی تبلیغ کر دو، اگر تم نے یہ نہ کیا تو رسالت ہی

Marfat.com

پوری نہ کی۔" (مائدہ:67) خدمت رسالت قرآن مجید کی تبلیغ تھی اور بس۔ جو آپ نے کی اور بلا فروگذاشت کی۔ یہ رسول پر تہمت ہے کہ قرآن مجید میں بہتیری آیتیں منسوخ کر کے ضائع کی گئی ہیں، کچھ آیتیں قرآن میں داخل نہیں ہیں اور متروک التلاوۃ ہیں یعنی ان کی تبلیغ رہ گئی، کچھ آیتیں منزلہ نہیں ہیں، کچھ آیتیں مشتبہ ہیں، یعنی بعض کاتبان وحی کے قرآن میں نہ تھیں۔ حاشا ایسا نہیں۔ خدمت رسالت بلا فروگذاشت کامل طور پر انجام دی گئی ہے بذریعہ کتابت بھی، بذریعہ حفاظ بھی۔ اور حکم تبلیغ میں کوئی قید نزول جلی اور نزول خفی کی نہیں ہے۔ اگر مضمون خفی در خفی ہی نازل ہوتا مگر نازل ہوتا، جب بھی ما انزل میں داخل ہوتا۔ اور اس کی تبلیغ بھی قرآن مجید کی طرح لازم ہوتی۔ مگر تبلیغ قرآن مجید کے سوا اور کسی کتاب کی نہیں کی گئی۔ صحاح کی بھی نہیں، کیونکہ ما انزل قرآن مجید کے سوا اور کچھ تھا ہی نہیں۔ اے لوگو! فرق مراتب ضروری ہے۔

(۴) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ما انزل اللہ پر" (بقرہ:91) اور وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ما انزل اللہ کی اطاعت کرو" (بقرہ:170) تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے اور اتباع کے لیے قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا نہ اور کوئی کتاب تھی نہ پیش کی جاتی تھی۔ یعنی یہی قرآن مجید ہے، ایمان میں داخل اور اسی کی اطاعت کے ہم مامور ہیں۔

ما انزل اللہ ہی ایمان میں داخل ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ رسول اور مومنین اس پر ایمان لائے جو اللہ نے ان کی طرف نازل فرمایا۔ (بقرہ:285) اور یہی قرآن مامور بہ ایمان ہے۔ قل آمنت بما انزل اللہ من کتاب۔ کہہ دو کہ جو اللہ نے ہم پر کتاب اتاری ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ (شوریٰ:22)

اسی قرآن سے حکم دینے کا حکم ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ لوگوں میں حکم قرآن مجید سے دیتے رہو۔ (مائدہ:48)

اسی قرآن کے حکم کی اتباع فرض ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اور کسی دوسرے کی اتباع ممنوع۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ اللہ کی طرف سے جو تم پر اتارا گیا ہے اس کی اتباع کرو اور اس کے ماسوا اور رفیقوں کی اتباع نہ کرو۔ (اعراف:3) اس سے ثابت ہوا

Marfat.com

کہ قرآن مجید ہی تبلیغ کیا گیا، یہی مامور بہ ایمان ہے، یہی مامور بہ اتباع ہے جیسے اس کی اطاعت کا حکم ہے ویسے ہی اس کے سوا اوروں کی اتباع ممنوع۔ یہ اللہ کا حکم ہے تو اس کو بھولنا نہ چاہیے۔

(۵) هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ "یہ قرآن ہے کہ ہم نے اس کو نازل کیا، برکت والا ہے تو اس پر چلو" (انعام:155) جس کتاب کی اتباع کو کہا گیا اگر قرآن کے سوا اور بھی کوئی کتاب ہوتی تو کتب جمع کا لفظ ہوتا، اور انزلنٰه میں ضمیر واحد کی نہ ہوتی۔ اللہ نے نہایت صاف اور واضح فرما دیا کہ قرآن مجید ہی نازل ہوا ہے۔ اس کے ساتھ حدیث یا فقہ کی کوئی کتاب منزل نہیں ہے۔

(۶) مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى "ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ تم مشقت اٹھاؤ" (طٰہٰ:2) اب تو شک نہ رہا ہوگا کہ قرآن مجید ہی نازل ہوا۔ اس کے سوا اور کوئی کتاب نہیں۔ نہ نزول جلی کے طور پر، نہ نزول خفی کے طور پر۔

(۷) فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ "پھر جو ہم نے نازل کیا اس میں تم کو شک ہو تو ان سے پوچھو جو اگلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔" (یونس:94) وہ بتائیں گے کہ نزول یوں ہی ہوا کرتا ہے۔

(۸) وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ "یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور اس کتاب و حکمت کو جو اس نے تم پر نازل کیا ہے جس سے وہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔" (بقرہ:231) اللہ نے کتاب و حکمت نازل فرمائی۔ توجہ اس طرف دلانا ہے کہ کتاب و حکمت جہاں جہاں اللہ نے فرمایا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے اور حکمت سے حدیث۔ اور چونکہ کتاب سے حکمت کا درجہ افضل ہے اس لیے قرآن سے حدیث کو افضل بھی کہو۔ اسی لیے مراد لینا اکثر خطرناک ہوتا ہے چونکہ وہ غیر قطعی ہوتا ہے۔ مراد کیوں لو۔ اللہ نے فرمایا کہ کتاب و حکمت اس نے نازل کی اور یہ ثابت کیا گیا اور قرآن مجید کی آیتیں دی گئیں کہ اس نے نازل کیا صرف قرآن۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب و حکمت ایک ہی ہے جو منزل من اللہ ہے۔ واؤ تفسیر یہ ہے۔ قرآن مجید ہی کو کتاب کہا اور اسی کو حکمت۔ اسی سے وہ نصیحت کرتا ہے۔ اسی لیے بہ ضمیر واحد کی لایا ہے۔ قرآن مجید کے بہتیرے نام ہیں۔ قرآن مجید، فرقان، حکمت، ذکر، نور، ما انزل اللہ۔ ما یوحیٰ۔ واقعی قرآن مجید حکمت ہے بھی،

Marfat.com

اور حکمت بھی ایسی جس کا جواب ناممکن۔ ظاہر دیکھو جب بھی سلسلہ نجات وہی، اور صراط مستقیم وہی، عقل پر اور قانون فطرت پر تولو جب بھی ہر ایک مسئلہ وہی نکلے گا جو عین حقیقت ہے۔ اس لیے حکمت قرآن مجید کا نام ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ان الذی فرض علیك القرآن۔ قرآن مجید ہی فرض کیا گیا۔ اب چاہے اس کے ساتھ اور کتاب کو بھی فرض کر دو۔ یا قرآن کی فرضیت کو کسی دوسری کتاب سے مٹاؤ، یا کم وبیش کرو۔ مگر فرض کیا گیا ہے صرف قرآن ہی۔

اس ثبوت میں کہ قرآن مجید ہی نازل کیا گیا، بہتیری آیتیں ہیں۔ قرآن مجید اس سے بھرا ہوا ہے اور آیتیں دینی فضول اور طوالت لایعنی ہے۔ اس کے سوا قوم یہ تو تسلیم کرتی ہے کہ ما انزل اللہ قرآن مجید ہی ہے مگر ما یوحیٰ میں شاخسانے کھڑی کرتی ہے۔ اس لیے ما یوحیٰ کی آیتوں کی طرف توجہ کرو۔

ما یوحیٰ کی آیتیں

قبل اس کے کہ میں ما یوحی کے متعلق آیتیں دوں، اس عامۃ الورود خدشہ کو رفع کر دینا مقدم سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے قوم نے قرآن مجید کے سوا بھی ما یوحیٰ مانا ہے۔ اور حدیث کو وحی خفی مانتی ہے، اور ایسا ماننے سے وہ نبی معصوم ﷺ پر فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ۔ ''اس میں سے جو تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے کہیں تم کچھ چھوڑ نہ بیٹھو۔'' (ھود:12) کا الزام لگانے میں بے باک ہوگئی ہے۔ کیونکہ حدیث کے اجتماع اور اس کی تبلیغ کا آپ نے کوئی اہتمام نہ کیا، اور نہ اس کی تبلیغ فرمائی۔

وہ خدشہ سورہ نجم والی اس آیت سے پیدا کیا گیا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ رسول تو خواہش نفسانی سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے (النجم:3,4) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ بولتے تھے وہ وحی تھی کیونکہ نطق کا لفظ موجود ہے۔

میری سمجھ میں آیت کے یہ معنی نہیں ہیں جو مشہور ہیں۔

دیکھو اللہ فرماتا ہے: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ۔

Marfat.com

فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ﴿۱۰﴾ ''قسم ہے اس ستارے کی جب کہ گرے تمہارا رفیق یعنی پیغمبر نہ بہکا، نہ بھٹکا اور نہ بولتا ہے خواہش نفسانی سے۔ بلکہ وہ تو وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے۔ اس کو سکھایا ہے شدید القویٰ (جبرئیل) نے تو وہ پورا نظر آیا۔ درآں حالیکہ وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔ وہ نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ یہاں تک کہ فاصلہ رہ گیا دو کمان کے برابر، یا اس سے بھی کم۔ تو اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی جانب جو کچھ وحی بھیجی'' (النجم:10-1) وحی کی صورت بھی اللہ نے نزول کی سی فرمائی ہے۔ ہاں اس بیان میں کچھ کیفیت نزول کی وضاحت زیادہ ہے۔ اور وہ حضرت جبرئیل کے دیکھنے کے متعلق ہے۔

لفظ نطق سے بھی دھوکا ہوا ہے، حالانکہ نطق کے معنی بولنے ہی کے نہیں، بغیر بولے بھی جو سمجھا جائے اس کو بھی نطق کہتے ہیں، جیسے اللہ نے فرمایا: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے سچ ہی بولتی ہے۔ (جاثیہ:29)

وحی کی نسبت یہ آیت جو میں نے لکھی ہے غور وفکر کرنے کی ہے۔ اس میں وحی و نزول کی کیفیت کو اللہ نے ظاہر فرمایا ہے کہ اولاً حضرت جبرئیل بلندی آسمان پر نظر آیا کرتے تھے اور پھر قریب اور قریب تر ہو کر اللہ کی وحی کو آپ کے قلب مقدس پر نازل کیا کرتے تھے۔ یہی شان وحی کی تھی، یہی شان نزول کی اس لیے **وما ینطق عن الھوی** قرآن مجید کے متعلق ہے کہ وہ قرآن مجید خواہش نفسانی سے نہیں بولتے۔ **ان ھو الا وحی یوحی** میں **ھو** کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ تو وحی خداوندی ہے۔ مطلب صاف ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید دل سے گھڑ کر نہیں فرماتے بلکہ وہ تو اللہ کی وحی اور منزل ہے۔ علما نے بھی یہی معنی بیان کیے ہیں اور ''ھو'' کی ضمیر قرآن مجید ہی کی طرف راجع کی ہے۔ اس میں کلام نہیں۔ اور جن لوگوں نے النجم سے قرآن مجید کو سمجھا ہے اور اس کی آیتوں کے نزول کو، تو یہ بھی صحیح ہے اور اس سے **والنجم اذا ھوی** زیادہ واضح ہو جاتا ہے تو اس صورت میں **ھو** کی ضمیر قرآن مجید ہی کی طرف راجع ہے، اور اس صورت میں صاف معنی وہی ہیں جو بیان ہوئے۔ اگر **ھو** کی ضمیر نطق نبی کی طرف راجع کرو جب بھی نتیجہ واحد ہے کیونکہ آپ کا نطق یا آپ کا قول جو دین میں آپ نے فرمایا قرآن مجید ہی

Marfat.com

ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

بے شک یہ قرآن رسول بزرگ کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں مگر اس پر یقین کرنے والے تھوڑے ہیں، اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، مگر اس پر غور کرنے والے تھوڑے ہیں۔ ہاں وہ ایسا قول رسول ہے جو اللہ کا نازل فرمودہ ہے۔ (حاقہ: 43-40) قول رسول یا نطق رسول جو کہو، ہے تو یہی کہ رسول کی زبان سے بولا گیا مگر منزل من اللہ ہے۔ رسول مجازاً اس کے قائل ہیں جیسے ماں باپ مجازاً خالق ہیں۔ اس لیے نہ ہر قول منزل ہے، نہ ہر نطق وحی۔

وما ینطق عن الھوی اللہ نے کافروں کے اس قول کی تردید فرمائی ہے جو وہ قرآن مجید کو قول شاعر اور قول کاہن کہتے تھے تو اللہ نے فرمایا کہ نہیں وہ کچھ خواہش نفسانی سے نہیں بول رہے ہیں بلکہ وہ تو وحی خداوندی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ معاملات خانگی کی باتیں بھی جو بیوی بچوں سے ہوا کرتی تھیں وہ سب وحی تھیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے قول منزل اور قول غیر منزل میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ اور آپ نے فرق فرمایا کہ قول منزل کے لیے کاتبان وحی الگ تھے جو لکھا کرتے تھے اور حفاظ الگ تھے جو یاد کرلیا کرتے تھے۔

اگر شدید القوی جبرئیل کا نام ہے تو علمه شدید القوی اسی معنی کا موید ہے کہ ما ینطق عن الھوی۔ اللہ قرآن مجید ہی کو فرما رہا ہے۔ کیونکہ جو کچھ رات دن آپ تکلم فرماتے تھے سب کے حامل جبرئیل نہ تھے۔ اللہ نے ما ینطق کو صاف بھی کر دیا کہ آپ کا وہ نطق وحی خداوندی ہے جس کے حامل شدید القوی حضرت جبرئیل تھے یعنی قرآن مجید۔

قرآن مجید تو کہیں بھی اس معنی کی حمایت نہیں کرتا کہ آپ کا ہر نطق وحی ہے، سوائے اس نطق کے جس کی شان میں علمه شدید القوی ہے۔ مثلاً مفصلہ ذیل آیتیں قابل توجہ ہیں۔

عفا اللہ عنك لما اذنت لھم۔ اللہ نے تم سے درگزر کیا۔ تم نے انھیں کیوں اجازت دے دی تھی۔ (توبہ: 43) اگر آپ کا اجازت دینا از روئے وحی تھا تو اس درگزر کے کیا معنی۔ شان خداوندی سے کیا یہ بعید تر نہ ہوگا کہ خود تو وحی بھیجے اور پھر اسے غلطی اور چوک قرار دے۔ اور پھر آپ سے آپ درگزر بھی فرما دے۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ اے نبی تم کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے۔ تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو (تحریم:1) اگر آپ کا کسی حلال چیز کے کبھی نہ کھانے کی قسم کھالینا جیسا کہ مابعد کی آیت سے ظاہر ہے، ناجائز اور حلال کو حرام کرنے کے برابر تھا جس کو اللہ نے بتادیا، تو کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ خود ہی یہ وحی بھیجے کہ فلاں چیز نہ کھانے کی قسم کھالو، اور پھر خود ہی معترض ہو کہ حلال کو حرام کیوں کرو، اور پھر خود ہی قسم توڑ دینے کو کہے۔ تو جس کی وحی اس قسم کی ہو اس کی وحی کا کیا اعتبار۔ اس لیے آپ کا ہر نطق وحی نہیں ہے۔ آپ سے انسانی اقوال اور انسانی افعال سرزد ہوتے تھے۔ اس میں عیب کیا ہوا اور کسر شان کیا ہوئی۔ انسان تو وہی ہے جس سے انسانی افعال سرزد ہوں۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ تیوری چڑھائی اس سے کہ اس کے پاس نابینا آیا (عبس:1) اگر تیوری چڑھانی از روئے وحی تھی تو اس میں اعتراض کے کیا معنی۔ کیا یہ شان خداوندی ہے کہ خود ہی تو حکم دے اور تعمیل حکم کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہو اور الزام لگا کر اسے دوسرے کے سر تھوپے۔ اس لیے آپ کا ہر قول اور آپ کا ہر انسانی کام وحی منزل نہ تھا۔ بلکہ وحی منزل قرآن مجید ہے۔

ہاں جس طرح شہد کی مکھی کا گھر بنانا اس کا اقتضائے فطری ہے اور یہ بھی ایک قسم کی وحی ربانی بلا وساطت جبرئیل ہے۔ تو نبیوں کا اقتضائے فطری بھی وحی غیر منزل کہا جاسکتا ہے۔ مگر جس کا اقتضائے فطری جو ہو اس کے ساتھ وہی مخصوص ہوسکتا ہے۔ دو فطرت جن کا اقتضائے فطری مختلف و متضاد ہو ایک دوسرے کی پابند نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے تو انسان میں سے رسول بھیجے گئے ورنہ فرشتوں میں سے رسول نہ آئے ہوتے۔ اس میں کون شک کرسکتا ہے کہ آپ کا اقتضائے فطری اعلیٰ وارفع ہے۔ نبوت کا انتخاب تو اسی اصول پر ہی ہوتا ہے۔

محدثین تو اس سے انکار نہیں کرسکتے، کیونکہ حدیث بھی اسی معنی کی موید ہے کہ آپ کا ہر نطق وحی نہیں (حدیث) **انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من امر دینکم فخذوہ و اذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر** ۔ جز این نیست کہ ہم بھی بشر ہیں۔ جب ہم تم کو کسی امر دین میں حکم دیں تو تم اس کو قبول کرلو۔ اور جب ہم تم کو کسی چیز کی نسبت اپنی رائے سے حکم دیں تو

Marfat.com

ہم بھی بشر ہی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ امر دین میں آپ کا حکم واجب التعمیل ہے اور دین میں آپ حکم بالقرآن ہی دیا کرتے تھے۔کیونکہ حکم تھا فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ حکم قرآن سے دیا کرو۔اگر آپ کا ہر نطق وحی ہوتا تو سب امر دین ہوتا، اور آپ یہ نہ فرماتے کہ "جب ہم اپنی رائے سے حکم دیں تو ہم بھی بشر ہی ہیں۔"

حدیث: انما ظننت ظنًا ولا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ۔ ہم بھی وہم وگمان کیا کرتے ہیں تو اس سے بحث نہ کرو اور اس پر ہم کو ملزم نہ ٹھہراؤ۔ہاں جو کوئی بات ہم اللہ کی طرف سے کہیں (یعنی قرآن مجید) تو اسے مضبوط پکڑلو کیونکہ ہم نے کبھی بھی اللہ پر جھوٹ نہیں باندھا۔آپ نے صاف قرآن وحدیث کا فرق بتا دیا۔قرآن مجید جو اللہ کی طرف سے آپ نے فرمایا اس کے پکڑ لینے کی تاکید فرمائی۔اور اپنے وہم وگمان کو بجائے وحی خفی یا وحی غیر متلو فرمانے کے اس سے بحث نہ کرنے کو فرمایا۔

اس کو یوں بھی دیکھو کہ آپ کاموں میں اور لڑائیوں میں مشورہ بھی فرماتے تھے، پھر اپنی رائے کی جگہ دوسروں کی رائے کو بھی قبول فرماتے تھے۔حکم خداوندی بھی تھا و شاورھم فی الامر لوگوں سے مشورہ کرلیا کرو۔پھر ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے مشورہ دیا ہے اور صحابہ نے قبول بھی نہ کیا جیسے حضرت زید کو فرمایا تھا: امسک علیک زوجک۔ طلاق نہ دو مگر انہوں نے طلاق دے دی۔اس لیے حق یہی ہے کہ ما ینطق عن الھوی قرآن مجید ہی ہے۔

اگر اس پر بھی کوئی یہ تسلیم نہ کرے اور یہی سمجھے کہ آپ کی سب باتیں وحی تھیں کیونکہ بچپنے سے یہی سنتا آیا ہے، تو یہی نہیں کہ وہ اول اصحاب پر جنھوں نے مشورہ نہ مانا کفر کا الزام لگاتا ہے۔ بلکہ وہ نبی ﷺ پر بھی معترض ہے کہ آپ اپنی سب باتوں کو قرآن مجید کی طرح دے گئے، لکھوا نہ گئے، یاد نہ کرا گئے، اور ان کے محفوظ رکھنے کا کوئی سامان ہی نہ کیا۔اس پر آپ پر ترک وحی کا الزام آتا ہے جو آ نہیں سکتا اور اس آیت کی نافرمانی لازم آتی ہے۔فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک۔ کہیں کوئی وحی تم چھوڑ نہ بیٹھو (ھود:2) اور ایسا الزام آپ کی شان رسالت سے بعید ہے اور قرآن مجید کو بھی مشکوک بنا دینے والا۔نہ آپ نے اپنی باتوں کو لکھوایا، نہ گھر والوں نے خانگی باتیں لکھیں، نہ صحابہ نے ساری زندگی کی باتوں سے کتب خانہ مرتب کیا۔اگر کوئی وحی تبلیغ سے رہ گئی

Marfat.com

اور ممکن ہے کہ ایسی وحی جو رہ گئی ہو قرآن کی بھی ناسخ ہو[1]، کیونکہ حدیث قرآن کی ناسخ بھی کہی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اہل اسلام نہ اہل کتاب ہی رہتے نہ مسلمان ہی۔ بلاشبہ یہ تفسیر بالکل صحیح ہے کہ **ماینطق عن الھوی** قرآن مجید ہی ہے۔

اب مفصلہ ذیل آیتیں پیش کی جاتی ہیں کہ قرآن مجید ہی **ما یوحیٰ** ہے اور خود نبی ﷺ اور آپ کے سارے اصحاب اعتراض سے بری ہیں کسی پر اعتراض نہیں آتا۔

(۱) **وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ** ''اور میری طرف یہ قرآن مجید ہی وحی کیا گیا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم تم کو ڈرائیں اور ان کو بھی جن کو یہ قرآن پہنچے۔'' (انعام:19) اس سے زیادہ صاف اور واضح آیت اور کون سی چاہیے۔ قرآن مجید ہی وحی ہے۔ آپ نے اسی کی تبلیغ فرمائی اور اسی سے تنذیر بھی۔

(۲) **قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً** الخ۔ ''اے رسول! کہہ دو کہ کسی چیز کے کھانے والے پر جو اسے کھائے مردار وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز ہم اس میں حرام نہیں پاتے جو ہماری طرف وحی کی گئی ہے۔'' (انعام:145) اگر ما یوحیٰ قرآن مجید ہی نہ تھا تو اور کون سی وحی خفی کی کتاب تھی جس میں آپ حرام تلاش فرماتے تھے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام کرنے کا اللہ کے سوا اور کوئی مجاز بھی نہیں۔ پھر قرآن مجید سے فاضل جو کسی چیز کی حرمت بیان کی جائے تو وہ حرام نہ ہوگی اور فاضل چیزوں کا حرام کرنا نبی ﷺ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ خود آپ حرام کو قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے۔ اپنی رائے سے کسی چیز کو حرام نہ فرماتے تھے بلکہ قرآن مجید سے احکام خداوندی کی تبلیغ فرمادیتے تھے۔ **فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر**۔

(۳) **اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** ''اللہ کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہے اس کی اتباع کرو'' (انعام:106) آپ نے قرآن مجید کے سوا اور کس کی اتباع کی جس کو ما یوحی سمجھا جائے۔ کیا حدیث کی بھی!

(۴) **وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ** ''اللہ کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہے

---

[1] اہل حدیث حضرات کے مطابق۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

اس کی تلاوت کیا کرو'' (الکھف: 27) وحی کیا تھی اور آپ کس کی تلاوت فرماتے رہے کیا قرآن کے ساتھ حدیث کی بھی۔

(۵) كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔ ''اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت میں بھیجا کہ ان سے پہلے بہت امتیں گزر چکی ہیں تا کہ تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو پڑھ کر سناؤ'' (رعد: 30) تو قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تھی کہاں جو پڑھ کر سنائی جاتی، نہ وحی جلی کی، نہ وحی خفی کی۔ آپ اس حکم کے بموجب قرآن مجید ہی سناتے اور اسی کی تبلیغ فرماتے تھے پھر قرآن مجید کے سوا اور کون سی کتاب وحی تسلیم ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کے سوا کسی فاضل ما یوحی کا پتہ قرآن مجید میں تو نہیں ملتا۔

(۶) وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔ ''اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اسے اٹھا لے جائیں۔'' (بنی اسرائیل: 86) جیسے اور کتب منزلہ کو وہ اٹھا لے گیا اگر ''اوحینا'' سے اللہ کا مطلب قرآن ہی سے نہیں ہے تو کس وحی کو بشرط مشیت اٹھا لینے کو کہا۔

(۷) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ ''تمسک اس سے پکڑو جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے (یعنی قرآن سے) بے شک تم صراط مستقیم پر ہو۔ اور بے شک یہ قرآن تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم جواب طلب کیے جاؤ گے۔'' (زخرف: 43,44) تم سے ضرور جواب طلب کیا جائے گا کہ تم قرآن مجید کے احکام اور نصیحتوں پر چلے یا انسانی راویوں پر۔ تم سے جواب طلب کیا جائے گا کہ تم قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑتے رہے یا علماء و مشائخ کی تصنیفوں سے۔ قوم اللہ کے حضور اس کا جواب نہ دے سکے گی۔ کیونکہ اس نے قرآن مجید کو اس کے تفصیل کے دعوے کے خلاف مجمل، ناکافی اور تمسک پکڑنے کے ناقابل سمجھا اور انسانی راویوں، مباحثوں اور رطب و یابس ذخیروں سے جس میں اختلافات کی چاشنی ہے تمسک پکڑنے لگی ہے۔ بلکہ اگر کوئی قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑے تو وہ کافر و مرتد کہلائے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ یعنی کافر قرآن بنو تو بنو مگر کافر علمانہ بنو۔ مسلمانو! خود نبی ﷺ نے قرآن کے سوا کس چیز سے تمسک پکڑا۔ اس وقت نہ صحاح کی کتابیں تھیں نہ فقہ کی کتابیں۔ اگر آپ قرآن مجید ہی سے تمسک نہ

Marfat.com

فرماتے تولا اجد فی ما اوحی الیّ۔ جو آیت اوپر بیان ہوئی نہ فرماتے۔ ہاں آج تو آزادی ہے۔ اپنا منہ، اپنی زبان ہے، جس کسی کو جو کچھ چاہو کافر و مرتد برا بھلا کہہ لو، مگر ایک دن آئے گا کہ اس آیت کی نسبت بھی باز پرس ضرور ہوگی۔ اس وقت نفس پرستی کے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔

(۸) اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ ''بے شک جس اللہ نے تم پر قرآن مجید کو فرض کیا وہ بالضرور معاد کی طرف تم کو لوٹائے گا'' (قصص: 85) اگر قرآن مجید کے سوا اور بھی کوئی وحی خداوندی ہوتی تو وہ فرض کر دی جاتی مگر چونکہ وحی قرآن مجید ہی ہے اس لیے یہی فرض کیا گیا۔ نہ حدیث فرض ہوئی نہ فقہ۔ پھر حدیث کس طرح قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔ نبی ﷺ قرآن کے لانے والے اور اس کے بہتر سمجھنے والے تھے آپ کس طرح اس کے ایک نقطہ کو بھی نسخ فرماتے۔ اور اپنا تبلیغ کیا ہوا آپ مٹاتے۔ اللہ نے طرح طرح سے ہوش دلایا ہے۔ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ کیا لوگوں کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن مجید اتارا جو ان کو سنایا جاتا ہے (عنکبوت: 51) ہاں قوم کو یہ کافی نہیں۔ قرآن مجید مایحتاج دین کو کافی نہیں سمجھا جاتا اس کو انسانی کتاب درکار ہے جن کے مصنفین کو وہ معبود بنائے ہوئے ہے۔ تو قوم جب شرک فی الحکم میں مبتلا ہوئی تو اس حال کو نہ پہنچے۔

افسوس کہ اللہ کے بندوں کی نسبت اپنے اللہ سے اپنے اللہ کے کلام سے ٹوٹ گئی۔ اس سے ہدایت پانے کی راہ مسدود کی گئی ہے۔ یا تو تلاوت نہیں یا اس میں تدبر و تفکر نہیں۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ کیا وہ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔ (محمد: 24) ان کا حال ہو گیا ہے خیر آج تو جوں توں کٹ جائے گا اور اپنی سی ہر کوئی کہہ لے گا کہ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ ہم تو اسی روش پر چلیں گے جس پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا (بقرہ: 170) مگر کل باز پرس کے دن جو نا گزیر آنے والا ہے میری فریاد سنی جائے، نہ سنی جائے، میں کون، مگر نبی ﷺ کی اس فریاد کا کیا جواب دیا جائے گا وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ رسول کہیں گے کہ اے میرے اللہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا (فرقان: 30) اگر کچھ جواب ہے تو آج دے لو۔ فَمَالِ

Marfat.com

هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۝ اس قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ بات نہیں سمجھتی۔ (النساء:78) اے قوم! ہر امت سے کتاب اللہ کی نسبت باز پرس ہو گی كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ (جاثیہ:28) یہی کتاب اللہ تو حجت ایزدی ہے، اسی کو تو پیش ہونا ہے۔ اس آیت میں کتاب سے نامۂ اعمال مراد لینا مراد مفروضہ غیر قطعی ہے اگر نامۂ اعمال مراد ہوتا تو کل امۃ کیوں ہوتا۔ نامۂ اعمال تو ہر ایک کا ہر ایک کے ہاتھ میں ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ہاں ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی کہ دیکھو حکم یہ اور کرتوت یہ۔ امۃ کا لفظ صریح معنی کو ظاہر کر رہا ہے پھر مراد کیوں لو۔ اور اللہ کی اس دنیا کی تنبیہ کو اس دنیا پر اٹھا رکھنے کی کیا ضرورت۔

اے اللہ، ایسا نہ کیجیے گا کہ باز پرس کے دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمانا پڑے۔ اور آپ کی اس فریاد میں کہ قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا ہمارا نام بھی ہو۔ ورنہ ہم بے پناہ ہو جائیں گے۔ اے پناہ دینے والے! اپنی کریمی و رحیمی کا صدقہ، جب تو نے ہم کو اپنے کلام پاک میں پناہ دی ہے تو بے پناہ نہ کر۔ اے دل کی لگی بجھانے والے! اپنا نور تمام عالم میں پھیلا دے، اپنا وعدہ پورا کر، اپنی بشارتیں ظاہر کر، اسلام کا بول بالا کر، میری التجا سن لے، میری دعا قبول کر، کہ پرسش اعمال کے دن جب تیرا سوال ہمارے ایمان سے ہو تو ہم تجھی کو دیکھیں۔ ہمارے ہادی اور امام سے ہو تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑیں اور جب ہمارے اعمال سے ہو تو تیرا کلام مقدس اپنے سینہ سے نکال کر پیش کر دیں، اور نامہ اعمال کی جگہ یہی تیرا قرآن ہمارے ہاتھ میں دیا جائے جس میں تیری شریعت ہے، جس میں تیری طریقت ہے جس میں تیری روحانیت ہے، اور تیری حقیقت تک رسائی ہے۔ اے محیط و منزہ! جب تو نے اپنے قرآن پاک کے نور میں ڈھانپا ہے تو اب ماسوا کی تاریکی میں نہ بھیج۔

سو دفعہ اور سو جان سے قربان اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جنھوں نے ہم کو گندگی سے گود میں اٹھا لیا۔ جن کی بدولت ہم کو اللہ کا کلام ملا، اللہ کا نور ملا، اللہ کی راہ ملی اور اللہ ملا۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں اللہ کا کلام۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب چہارم

بعد اس کے کہ احکام وہدایات کی راہ بذریعہ وحی ونزول کھولی گئی دین الٰہی میں حکم اللہ ہی کا واجب التعمیل ہے یا کسی اور کا بھی؟

اس کی نسبت فرمان خداوندی حسب ذیل ہے:

(۱) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ''اتباع کرو قرآن مجید کی اور نہ اتباع کرو اللہ کے سوا اور رفیقوں کی۔'' (اعراف:3) بہت صریح اور صاف حکم ہے۔ قرآن مجید ہی ما انزل اللہ ہے تو اسی کی پیروی کرو اس کے سوا اور کسی کی نہیں۔

(۲) اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ''آگاہ رہو حکم اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (انعام:62) یہ انحصار ہے اور بلا قید، نہ اس دنیا کی قید، نہ اس دنیا کی۔ اس کی خدائی اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔ دین بھیجا اللہ نے تو اس میں حکم دینے کا دوسرا کوئی مجاز ہی کس طرح ہو سکتا ہے۔

(۳) لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ''حکم اسی کے لیے ہے اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔'' (قصص:88) یعنی تم کو اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ تم سے شرک فی الحکم کی نسبت باز پرس ہوگی۔

(۴) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ''تم صبر سے حکم خداوندی کے منتظر رہو تم تو میری آنکھوں کے سامنے ہو۔'' (طور:48) جب حکم دینے کی ضرورت ہو تو تم میرے حکم کے منتظر رہو، بوقت ضرورت ہم تم کو اپنے حکم سے آگاہ کرتے رہیں گے۔ آپ اپنی طرف سے حکم نہ دیتے تھے، بلکہ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرتے تھے۔ جو حکم آیا وہ پہنچا دیا۔ یہی شان رسالت تھی۔ مگر قوم نے اللہ و رسول کے حکم میں بٹوارہ کیا ہے۔ ۷/اللہ کا حصہ اور ۹/رسول کا حصہ (7/16 اور 9/16)۔ اور اس درجہ دین میں اضافہ کیا ہے کہ اس کی صورت ہی وہ نہ رہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی۔ اس اضافہ کے ذمہ دار ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔

(۵) لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ''خدا اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔''

Marfat.com

(کہف:26) پھر جو کوئی حکم خداوندی کو مجمل مان کر اس کے حکم میں کسی کو شریک کرے تو وہ شرک فی الحکم میں مبتلا ہے۔ اور غیرت کبریائی اس کی مقتضی نہیں کہ اس کے حکم میں کوئی بھی شریک ہو۔

(۶) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، اجی اللہ سے بہتر حکم کرنے والا اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے کون ہے (مائدہ:50) افسوس ہے کہ قوم نے اللہ سے بہتر حکم دینے والا جو نہایت واضح اور تفصیل سے حکم دے، سینکڑوں اپنے لیے ٹھہرا رکھے ہیں۔ جاہلیت کا زمانہ پھر لوٹ آیا۔ تلک الایام نداولھا بین الناس۔

(۷) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا حکم دینے والا ہم تلاش کریں، جی وہ تو خدا ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری۔ (انعام:114) کتاب اللہ نے مفصل اتاری، مگر قوم نے اسے مجمل قرار دے کر پیٹھ پیچھے پھینکا، کتٰب اللّٰہ وراء ظھورھم۔ اور اپنا مفصل حکم دینے والا اس نے ماسوا اللہ کو بنا رکھا ہے۔ یا تو تاریخ واخبار کو یا اسلامی سلطنت کے ملکی قانون کو۔ روحانی احکامات وہدایات ربانی تو گئے گزرے ہوئے، ان کی جگہ رسومات وبدعات نے لے لی ہے۔ افسوس اس دیدہ دلیری پر۔

(۸) لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ ’’حکم اللہ ہی کے لیے ہے پہلے پیچھے سب‘‘ (الروم:4) دنیا میں بھی، دین میں بھی، ازل میں بھی، ابد میں بھی، آج بھی کہ اس نے احکام بھیجے اور کل بھی کہ وہ جزا دے گا۔ واقعی اللہ وہ احکم الحاکمین وہ اس کے سوا حکم کس کا مگر مشکل یہ آ پڑی ہے کہ اس کا حکم محض مجمل اور مغلق ہے، دس اور علوم کا محتاج، بغیر دستار بندی کے سمجھ میں نہیں آنے کا، اس لیے وہ بے کار اور نا قابل عملدر آمد سمجھا جاتا ہے، پھر اس کی جگہ کیوں نہ علماء کے فرمان سمجھے جائیں جن کے ہاتھ میں کفر واسلام کی مہر اور جنت وجہنم کی کنجیاں ہیں اور اللہ کے ہاتھ میں کیا رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو دعوت قرآن مجید کی طرف دیتے تھے۔ اور قرآن مجید کے حکم کو کافی سمجھ کر اس کی تبلیغ فرماتے تھے۔ آج دعوت الی الحدیث وفقہ دی جاتی ہے جو مصنفہ فلاں ابن فلاں ہیں، جس پر نہ نبی کی قبولیت کی مہر ہے نہ قرون اولیٰ کی شہادت، نہ یہ اللہ کی نازل فرمودہ، نہ رسول کی تصنیف کردہ، مگر دین میں داخل بلکہ عین دین ہوگئی ہیں۔ اور یہ کھلی کھلی بدعت ہے۔

Marfat.com

(۹) قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ ۚ مَا عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ (انعام: 57) ''کہہ دو اے رسول کہ میں تو اللہ کی روشن دلیل پر ہوں (یعنی میری روش قرآن مجید ہے) اور تم نے اس کو جھٹلایا تو وہ (عذاب) میرے پاس نہیں ہے جس کی تم جلدی مچارہے ہو۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں، وہی حق بات بیان کرتا ہے اور وہی بہتر فیصلے کرنے والا ہے۔''

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قرآن پر چلیں اور اس کو روشن دلیل راہ فرمائیں اور وہ ہم کو دھندلا نظر آئے، بالکل مجمل، اللہ کی شان۔ افسوس بہ ایں حال ہم مسلمان ہیں اور **کنتم خیر امۃ** کے خطاب کے مستحق، اور انعام اسلامی کے دعویدار۔ اللہ اللہ کیا دنیا پلٹی، چرب زبانی کا جلوہ دیکھو کہ اللہ پرستی کا نام کفر والحاد رکھا گیا، اور نفس پرستی، اہوا پرستی، علما پرستی، اور پیر پرستی کا نام رکھا گیا اللہ پرستی۔ حالانکہ اللہ کے سوا ساری پرستشیں بت پرستی کی جلوہ آرائیاں ہیں۔ **کل یوم ھو فی شان۔**

اے خدا! اسلام کا پرچم پھر سے کھول دے کہ تیرے بندے تیری کتاب سے دور پڑ گئے ہیں، اور تیرے خاتم الرسل کی امت تیری خاتم الکتب سے منہ پھیر بیٹھی ہے، جس سے اس کی دین ودنیا کی راہ دھندلکے میں پڑ گئی ہے۔ اے خدا! اگر تو ان کا پرسان حال نہ ہوگا تو تیرے پیارے نبی کی امت دنیا سے معدوم ہو جائے گی، اور تیری مقدس کتاب افسون وعملیات ہی کی کتاب ہو کر رہ جائے گی۔ جب مسلمان ہی نہ ہوں گے تو اسلام بھی نہ ہوگا، اور دنیا بے چراغ ہو جائے گی۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب پنجم

جوکوئی بما انزل اللہ حکم نہ دے تو اس کے لیے کوئی تہدید بھی ہے یا نہیں؟

خداوند تعالیٰ وتبارک نے قرآن مجید نازل فرما کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا۔
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (مائدہ:48) ''لوگوں کو قرآن مجید سے حکم دیا کرو۔'' یہ تو حکم ہوا بما انزل اللہ حکم دینے کا۔ اور بما انزل اللہ حکم نہ دینے کی تحدید خداوند عالم نے قرآن مجید میں تین جگہ فرمائی ہے۔

۱) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (مائدہ:45) ''جوکوئی بما انزل اللہ حکم نہ دے وہ ظالم ہے۔''

۲) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (مائدہ:47) ''جوکوئی بما انزل اللہ حکم نہ دے وہ فاسق ہے۔''

۳) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (مائدہ:44) ''جوکوئی بما انزل اللہ حکم نہ دے وہ کافر ہے۔''

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن مجید ہی ما انزل اللہ ہے اس لیے دین میں قرآن مجید سے حکم نہ دینا اللہ کے فرمان کے مطابق ظلم ہے، فسق ہے، کفر ہے۔ تو مسلمانو اللہ سے ڈرو، اور امور دین میں اللہ و رسول کی طرف یعنی قرآن مجید کی طرف رجوع کرو۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (شوریٰ:10) ''جس کسی بات میں بھی تم مختلف فیہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالہ کرو۔ یہ ہے میرا پروردگار اور اسی پر میرا بھروسہ اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔'' جس کا فیصلہ قرآن مجید میں ہے یا تو وہ دینی امور ہیں اور وہ حکم اللہ و رسول کے حکم ہیں اور جو قرآن میں نہ پاؤ اس کے لیے اللہ نے تمہیں عقل دی ہے۔ دیکھو اللہ و رسول یعنی احکام قرآنی کی سرکشی رنگ نہ لائے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ

Marfat.com

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۝ (الانعام:157) ''اس سے ظالم تر کون جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ کی آیتوں سے کترایا، جو میری آیتوں سے کتراتے ہیں تو ان کے کترانے کے سبب ہم ان کو برے عذاب کی سزا دیں گے۔'' تو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاؤ نہیں اس سے کتراؤ نہیں اسی کی آیتوں سے حکم دیا کرو، اسی سے تمسک پکڑا کرو۔ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ (زخرف:43) اسی سے نصیحت کیا کرو جو تم پر وحی کی گئی ہے۔وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ (انعام:70) اور اسی سے ڈراتے رہو ان کو جو روز حشر سے ڈرتے ہیں کہ وہ ایک دن اللہ کے حضور میں حاضر کئے جائیں گے۔وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ (انعام:51) آپ ہمیشہ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرتے تھے، اور وہی حکم دیتے جو اللہ حکم دیتا، اور ہمیشہ ہر حکم میں قرآن مجید ہی سے تمسک پکڑتے رہے، اسی سے نصیحتیں فرماتے رہے۔اسی کو سنا کر انذار کی خدمت ادا کرتے رہے۔کہیں وہ آیت ہی پڑھ دی، کہیں اس آیت کو اپنی زبان میں کہہ دیا۔اپنے فرمان خداوندی کی تعمیل کی جو تعمیل کا حق تھا، پھر آپ کے وہ احکام اور وہ نصیحت جو دین کے متعلق ہو اور قرآن کے خلاف یا فاضل پائی جائے اس کی نسبت آپ کی طرف صحیح نہ ہوگی، اور ایسا بہت پایا جاتا ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ (الشوری:21)
''کیا لوگوں کے لیے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے ان کے لیے دین کی شریعت بنا دی جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔'' اللہ کے حکم سے باہر کوئی شریعت بنانے کا مجاز نہیں۔ مسلمانو! اللہ کے حضور میں اس کا جواب دو کہ موجودہ شریعت اسلام قرآن سے ہے یا حدیث سے، یا علما کی رایوں سے۔یہ آیت یاد رکھنے کی ہے، تاکہ قوم کا ایمان کامل ہو کہ قرآن مجید کے سوا کوئی شریعت قائم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

غرض حکم اللہ ہی کا حکم، اور تعمیل کامل تر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعمیل، کہ قدم نہ ذرا اِدھر ہوا نہ اُدھر، کیونکہ وہ مجسم عبداللہ تھے، سراپا روح اللہ تھے، ظاہر میں انسان کامل، تکمیل انسانی کی غایت، باطن میں رسول اللہ مورد وحی و نزول، قوم نے اللہ و رسول کے حکم میں تفرقہ کیا ہے اور اسی طرح اللہ و رسول کی اطاعت میں بھی، لیکن ایسا نہیں ہے، آپ وہی حکم دیتے تھے جو اللہ حکم دیتا

Marfat.com

تھا،آپ کا اور اللہ کا دو حکم نہیں ہے ایک ہی حکم ہے،اسی طرح اللہ ورسول کے حکم کی دو اطاعت نہیں ہے ایک اطاعت ہے:من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس سے واضح ہوا کہ اطاعت رسول سنت نہیں بلکہ فرض ہے۔وہ اطاعت قرآن مجید کی ہے۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ......... محمد رسول اللہ......... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب ششم

اگراطاعت ما انزل اللہ یعنی قرآن مجید ہی فرض ہے تواطاعت رسول کے معنی کیا ہیں اور من حیث رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کونسی منزلت ہے؟

اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت مفصلہ ذیل آیتوں پر توجہ کرو۔

۱) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:31) ''آپ کہہ دیں اگرتم اللہ سے محبت کرتے ہوتو میری پیروی کرواللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔''

۲) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِينًا (احزاب:36) ''اور کسی مومن یا مومنہ کو یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر خیران کے لیے ٹھہرادے پھر بھی ان کو اپنے کام کا اختیار رہے۔تو جس کسی نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی وہ سخت گمراہی میں پڑ گیا۔''

۳) وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ (حشر:7) ''جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لےلواور جو نہ دیں نہ لو۔''

۴) أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء:59) ''اطاعت کرواللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔''

علیٰ ہذا رسول کی اطاعت اور رسول کو راضی رکھنے کی سخت تاکیدیں اور آپ کو ناراض کرنے اور آپ کی عدول حکمی کی سخت سخت ممانعتیں آئی ہیں بے شک جو ان حکموں کی نافرمانی کرے وہ جہنمی ہے۔اسی طرح بہت سی آیتیں آپ کی عظمت وجلالت اور آپ کی تعظیم وتوقیر کے متعلق ہیں صرف یہی نہیں بلکہ ہم بندوں پر اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی محبت بھی فرض کی گئی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

Marfat.com

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ (توبہ:24) ''کہہ دو اے رسول کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہاری برادری، تمھارے مال جو تم نے کمائے ہیں، تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم خوف کرتے ہو، اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، یہ سب چیزیں اگر تم کو اللہ و رسول اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔''

اب دیکھو مسلمان کس حال میں ہیں۔ اللہ و رسول اور مجاہدہ کی محبت جو کل ماسوائے سے بڑھ کر فرض کی گئی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ روپے، پیسے، رشوت، بے ایمانی، غرور تشخص، آبائی روش وغیرہ وغیرہ کے عوض حق بیچ دیا جاتا ہے، اور ڈھٹائی سے نافرمانی کی جاتی ہے، لیکن اگر کوئی حق دکھائے کہ قرآن سے تمسک پکڑے، حدیث کی چھان بین کرے، جانچنے کی مقرر کردہ شرائط میں اختلاف کرے، اگر کوئی اسی اسلام کو قبول کرنا اور شائع کرنا چاہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، یعنی اگر وہ واخلصوا دینھم للہ کی تعمیل کرے تو اس پر کفر کا فتویٰ ہونے میں کچھ وقفہ نہ ہوگا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں ان آیتوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اطاعت کے متعلق اوپر لکھی گئی ہیں۔ ان آیتوں میں تیسری آیت ما اٰتکم الرسول الخ کو مجھے سمجھانا ہے کہ آیت کے معنی اطاعت صحاح کے غلط سمجھے گئے ہیں۔ یہ آیت تقسیم غنیمت کے متعلق ہے: ما افاء اللہ علی رسولہ والی آیت مال غنیمت کو تقسیم کر رہی ہے۔ یہ اسی آیت کا ٹکڑہ ہے: ما اٰتکم الرسول فخذوہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت میں سے جو ہاتھ اٹھا کر تمہیں دے دیں وہ لے لو، نہ دیں نہ لو، کسی طرح کم و بیش کے خیال سے دل میں ناراضی نہ پیدا کرو کہ یہ شان محبت کے خلاف ہوگا، جو مفروضہ خداوندی ہے۔ یہ تو صاف اور صریح آیت مال غنیمت کے متعلق ہے، اس سے اطاعتِ صحاح مراد لینا آیت کو ذبح کرنا ہے۔

باقی تینوں آیتیں اور ان کے سوا اور بہت سی آیتیں آپ کی اطاعت کے متعلق ہیں آپ کی اطاعت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

Marfat.com

(النساء:64) ''ہم نے رسول اسی لیے بھیجے ہیں کہ وہ بحکم اللہ اطاعت کیے جائیں۔'' یہ تو فرض ہے اور اس تاکید سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ بغیر رسول کی اطاعت کئے جانے کے رسالت کی تبلیغ مکمل ناممکن ہے، اور بندوں کی نجات محال، جس نے آپ کی اطاعت نہ کی، اس نے اللہ کی اطاعت نہ کی، وہ احاطۂ قرآن سے باہر نکلا، وہ جہنمی ہے۔ بارگاہ خداوندی کا مردود ہے، جس کی کہیں پناہ نہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اطاعت رسول کے معنی کیا ہیں۔ آیا اطاعت رسالت یعنی قرآن کے یا اطاعت حدیث کے وہ کونسی اطاعت ہے جسے اللہ نے فرض کردی ہے، جس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ مثال سے بات ذرا زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اور قرآن مجید کی روش یہی ہے اس لیے اسے میں پہلے مثال میں واضح کروں تو مناسب ہوگا۔

مثلاً: بادشاہ جو والی یا خلیفہ مقرر کرتا ہے تو اس کا کام ہوتا ہے کہ بادشاہی قانون پہنچا دے، اور کوشش کرے کہ قانون شاہی بہ احسن وجوہ جاری ہو۔ خود بھی پابند ہو، تاکہ کوئی قانون شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔ نگران ہو، کہ رعایا قانون کی خلاف ورزی کر کے فساد نہ مچائے اور باغی نہ ہو جائے۔ نہ شاہی قانون کو توڑے، نہ کسی اور کو اپنا بادشاہ تسلیم کرے اور رعایا کو چاہئے کہ اگر والی منصف اور ہمدرد ہے تو اس کی عظمت کرے، اس سے محبت کرے، اس کی اطاعت کرے، جو اطاعت کا حق ہے، تاکہ وفادار رعایا میں داخل ہو کر انعام واکرام کا مستحق ہو۔ والی یا خلیفہ کی اطاعت عین بادشاہ کی اطاعت ہے، اور اس کی بغاوت بادشاہ کی بغاوت۔ مگر اس اطاعت کے معنی قانون واحکام شاہی میں طاعت کے ہیں، نہ یہ کہ والی کی حرکت رعایا کے لیے قانون ہو جائے، کہ جو والی یا خلیفہ کھائے وہ یہ کھائے، جیسے وہ کھائے ویسے یہ کھائے۔ جو وہ پہنے وہ یہ پہنے، جیسی اس کی ماندوبود ہو ویسی ہی اس کی بھی، رسومات شادی و بیاہ، رسومات ملکی وقومی، جس طرح وہ ادا کرے یہ بھی ادا کرے، جو عادات یا رقوم آمد وخرچ اس کے ہوں وہی اس کے بھی، جو مزاح یا خوش کلامیاں وہ اپنے گھروں میں اپنے اعزہ واحباب سے کرے ان سب کو رعایا قانون شاہی سمجھ کے اطاعت کرے، تو اطاعت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے۔

بس اسی طرح سمجھو کہ اللہ کو تو کوئی دیکھتا نہیں جس کی یہ ساری خدائی ہے، پھر اس کے بندے

Marfat.com

اس کی رضا و حکم سے کیونکر آگاہ ہوں اور کس طرح اس کے حکم کی اطاعت کریں، اس لیے رسول آئے، تو رسول کی ذات اقدس اس دنیا میں اللہ کے والی یا گورنر کی ہے۔ اگر اطاعت کے یہ معنی ہوں کے قانون الٰہی کے علاوہ آپ کی ساری باتوں کی اطاعت کی جائے جو مثالاً اوپر بیان ہوئیں تو **اطیعوا الرسول** کے احاطہ کے اندر ہر مسلمان پر مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی، وہ بھی اونٹ پر، اور غار ثور میں قیام کے بعد، پھر قبا میں ایک مسجد بنانی، سریہ بھیجنا، جہاد کرنا، وہ بھی توپ بندوق اور ہوائی جہاز سے نہیں کہ یہ خلاف سنت ہوگا، بلکہ تیر و تلوار سے فرض ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ بجائے خچر اور اونٹ کے ریل پر چڑھنا، ٹیلیفون اور تار برقی استعمال کرنا، اور **اطیعوا الرسول** کے خلاف ہوگا۔ غرض وہی کھانا، وہی بچھانا، وہی پہننا! وہی اوڑھنا، اور سارے رسومات قوم و ملکی فرض ہو جائیں گے، اور اس کے خلاف عمل فسق ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ باقر خانی، بریانی، زردہ، شیشہ کا گلاس اور برف، اور سارے معالجین و ادویات خلاف سنت ہو کر حرام ہو جائیں گے۔ اگر **اطیعوا الرسول** کے یہ معنی سمجھے جائیں تو اللہ کی یہ غرض نہیں۔ اور ایسی صورت میں کہ آپ کے کل اقوال و افعال، کل حرکات و سکنات، بحفاظت تمام قطعی طور پر پہنچے نہیں۔ **اطیعوا الرسول** کی تعمیل محال ہو جائے گی، اور یہ حکم ناقابل التعمیل ہو جائے گا۔ اگر **اطیعوا الرسول** کے یہ معنی ہوں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق تھے، اپنے کل اقوال و افعال کو قرآن مجید کی طرح لکھوا جانا، اور بذریعہ حفاظ اشاعت کرنا، لازم ہو جائے گا، تاکہ آپ کی امت **اطیعوا الرسول** کی نافرمان نہ ہو سکے۔ اگر آپ قرطاس اسی لیے طلب فرماتے ہوں، اور نہ لکھوا سکے، تو صحابہ، خلفا، اہل بیت اور کل مخلصین مسلمانوں کو، فتوحات سے بڑھ کر ضروری اور لازم تھا کہ آپ کے اقوال و افعال کو جمع کر لیں، اور آپ کے حرکات و سکنات کو قلم بند کر لیں، جس کے لیے ایک جج کا زمانہ کافی تھا۔ تاکہ خود بھی اور سارے مسلمان بھی **اطیعوا الرسول** کے نافرمان نہ بن سکیں۔ مگر کسی نے جمع نہ کیا۔ اگر **اطیعوا الرسول** کے یہی معنی ہیں تو اس کا مطیع کوئی بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ آپ کی مقدس زندگی کے سارے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات نہ پہلے کسی کو پہنچے ہوئے تھے، نہ اب پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر اطاعت رسول کس نے کی اور کون کر سکتا ہے۔ اگر اطاعت رسول کے یہ معنی ہوتے جو لوگ

Marfat.com

سمجھتے ہیں تو صحابہ اس سوال میں بے باک نہ ہوتے کہ یا رسول اللہ یہ حکم آپ کا ہے یا اللہ کا۔ اور ایسے حال میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کبھی حضرت زینب کو طلاق نہ دیتے دراں حالیکہ نبی فرما رہے تھے امسك عليك زوجك اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ (احزاب)

اس کے سوا ہر پیغمبر نے فرمایا فاتقوا الله واطيعون (خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) یہ اطاعت رسالت یعنی کتاب اللہ ہی کی تھی۔ اگرچہ قوم نے یہ نہ سمجھا اور اطیعون کی پیروی حدیثیں جمع کر کے کی۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ تو غائب ہوگئی اور حدیث کی کتاب رہ گئی۔ جو حال موجودہ تورات وانجیل کا ہے۔

بوجوہات بالا اطاعت رسول میں سارے اقوال وافعال اور رسومات ملکی وقومی داخل نہیں، کہ یہ ناممکن التعمیل ہے اور اس سے سارے صحابہ، خلفائے راشدین، اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سب کی اطاعت کھوٹی ہوجاتی ہے، اور دنیا میں آج تک کسی کامل مسلمان کا وجود نہ ملے گا اور اس آیت کا مطیع ایک بھی نہ نکلے گا۔

اگر اطاعت رسول کے معنی حدیث ہی کے لو۔ تو اس کو آپ نے جمع نہ کرایا، نہ اس کی تبلیغ کی، نہ اس کی تبلیغ کا کوئی اہتمام کیا، نہ اس کو آپ نے لکھوایا، نہ اس کی اشاعت فرمائی، نہ گھر باہر کے ہر ایک قول وفعل کے وقت مسلمانوں کی جماعت بلوائی کہ وہ اس کو محفوظ کر لے، بلکہ اس کے لکھے جانے کی ممانعت فرمائی، اور ہدایت قرآنی کے مطابق ممانعت فرمائی، جس کی حقیقت حدیث کے بیان میں واضح کی جائے گی۔ حدیث کی کتابیں نہ رسول کی مصنفہ ہیں نہ آپ کا دیا ہوا قانون، بلکہ یہ تو تاریخ واخبار مصنفہ فلاں ابن فلاں ہے، جس کے آپ ذمہ دار نہیں۔ پھر تحقیق وطریقہ چھان بین مبنی بر عقیدت ہے، جس کی حمایت کوئی وحی نہیں کرتی۔ نہ مصنفین حدیث پر ایمان لانا دین میں داخل ہے نہ ان کی تصنیف ہی دین وایمان میں داخل۔ پھر یہ کتابیں قبل از وجود کس طرح احاطہ اطيعوا الرسول کے اندر آسکتی ہیں۔ اگر ان کتابوں کو اخبار وتاریخ ہی سمجھو، اور ان سے سو طرح کے فوائد حاصل کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، مگر ان کو دین میں داخل کر کے اضافہ فی الدین کیوں کرو، ان کو قطعاً رسول کی طرف منسوب کر کے خطرناک روش کیوں اختیار کرو، ان پر عقائد واحکام کی بنا کیوں قائم کرو۔ ان کو بغیر سند قرآنی مفسر وناسخ قرآن کیوں قرار

Marfat.com

دود۔ کیا ایسی حدیث کا جو موضوع ہو یا جس میں ذرا بھی شبہ ہو رسول کے ساتھ منسوب کرنا حدیث ہی کی رو سے خطرناک نہیں ہے اور کیا یہ خطرناک راہ نہ چلی گئی؟

بوجوہات بالا یہ کھلی کھلی بات ہے کہ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** کے معنی اطاعت رسالت یعنی قرآن کے ہیں۔ یہی اطاعت اللہ کے بھیجے ہوئے اور رسول کے لائے ہوئے قرآن کی ہے، اور یہی ایک اطاعت دونوں کی اطاعت ہے۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (النساء:80) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' اسی لیے ہر جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کو اللہ نے فرمایا ہے۔ یہی سمجھا تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی، اور یہی سمجھا تھا مسلمانوں نے بھی جبھی تو مال غنیمت میں ایک ہی خمس نکالا گیا، اور فرمان تھا، **فان للہ خمسہٗ و للرسول۔** اللہ کو بت بنا کے اس کا حصہ الگ نہ نکالا گیا۔ اللہ و رسول کی پکار ایک پکار ہے، اللہ نے فرمایا: **اتبع ما انزل اللہ الیك** اور **اتبعوا ما انزل الیکم** یعنی اے رسول اور اے مسلمانو قرآن کی اتباع کرو۔ ایک ہی دعوت ہے جو خدا نے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائی۔ اللہ ایسا ہے جو حقیقت و مجاز دونوں کو ساتھ ساتھ لیے جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال:24) ''مومنو! حکم مانو اللہ و رسول کا جب وہ تم کو ایسے کام کی طرف بلائے جو تم کو زندگی بخشتا ہے۔'' **لما یحییکم** نے واضح کر دیا کہ جب رسول روحانی زندگی بخشنے کو یعنی دین کی طرف یا دینی امور کی طرف بلائیں تو اس کو سر آنکھوں پر قبول کر لو۔ یعنی اطاعت و اتباع دینی امور میں فرض ہے جو زندگی بخش ہیں، نہ ملکی اور قومی رسومات میں جب ہی اللہ نے فرمایا: **ان الذی فرض علیك القرآن** اللہ نے صرف قرآن ہی فرض کیا۔ اور کوئی انسانی تصنیف نہ فرض کی اور نہ اس سے قرآن فرض کردہ کے منسوخ ہونے کو بتایا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف قرآن مجید ہی تبلیغ فرمایا۔ تبلیغ دین میں جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داخل نہ کیا اس کو بلا حمایت وحی خداوندی داخل کرنا ایسا عقیدہ ہے جو نہ رسول کا تھا، نہ خلفا کا، نہ صحابہ کا۔

قرآن مجید میں دو الفاظ آئے ہیں ''اطاعت اور اتباع'' اتباع کے معنی پیروی کے ہیں۔ تو

Marfat.com

قرآن مجید میں اتنے اتباع کو اللہ نے فرمایا ہے، اتباع ذکر، اتباع مایوحی، اتباع ماانزل اللہ، اتباع ہدایت اللہ، اتباع حق، اتباع نور منزل، اتباع صراط مستقیم، اتباع دین اللہ، اتباع رضوان اللہ، اتباع بالمعروف، اتباع ملتہ ابراہیم، اتباع رسول و اتباع منیبین، اتباع قرآن۔ اس میں تدبر و تفکر کرو تو معلوم ہوگا کہ یہ ساری اتباع بہ الفاظ مختلف قرآن مجید ہی کی اتباع ہے۔

غرض اتباع و اطاعت ایک ہے۔ اطاعت فرمان کی ہوتی ہے، اور دین میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید ہی ہے جو منزل من اللہ ہے جیسا اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ [الحاقه] ''قرآن مجید نہ تو قول شاعر ہے نہ قولِ کاہن، بلکہ یہ تو قول رسول ہے منزل من اللہ مگر اس پر یقین کرنے والے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے والے تھوڑے ہی لوگ ہیں۔'' بعض مفسروں نے رسول سے جبرئیل مراد لیا ہے، مگر یہ مراد ہی مراد ہے غیر قطعی، کیونکہ قرآن قول جبرئیل ہوا تو منزل من اللہ نہ رہا، اور تنزیل من رب العلمین بھی دولخت نہ ہو جائے گا اور اگر رسول سے رسول ہی سمجھو تو قرآن منزل من اللہ بھی رہے گا، تنزیل من رب العالمین دولخت نہ ہوگا۔ یعنی قرآن مجید ہے تو منزل من اللہ مگر تبلیغ کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے تو قول رسول ہوا۔ ظاہر میں قول رسول ہوا اور حقیقت میں کلام اللہ ہے منزل۔ دوسرے اگر قرآن مجید کو قول جبرئیل کہو تو اس کی اطاعت ہم پر کیوں لازم ہونے لگی۔ نہ ہم حضرت جبرئیل کے بندے، نہ ان کی امت، نہ وہ ہمارے امام و پیشوا، نہ اللہ نے ان کی اتباع ہم پر لازم کی۔ تیسرے اس کے بعد کی آیت ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ [الحاقه] ''اگر رسول ہم پر کوئی بات بنالاتے، تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔'' تقول کی ضمیر بلاشبہ رسول کی طرف ہے۔ تو اگر رسول کریم سے جبرئیل مراد لو تو اس آیت کے معنی ہی نہیں بیٹھتے۔ اس کے سوا فرشتوں کے ساتھ تقول علینا نہیں بیٹھتا، وہ تو تفعلون مایومرون ہیں، ان کو اپنے کچھ اختیارات کہاں۔ اس لیے قرآن مجید قول رسول کریم ہے منزل من اللہ اس کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ اطیعوا اللہ و

Marfat.com

اطیعوا الرسول کے یہ معنی ہیں۔

اب میں منزلت نبوی کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔مگر خاتم الرسل جو ساری دنیا کے لیے مبعوث ہوا ہو، کافۃ للناس، اس کی منزل تو بحر بے پایاں ہے۔اس کتاب میں سمانا مشکل، مگر میں چند جملے بیان کروں گا جن کو اوپر کے مضمون سے تعلق ہے۔

خداوند تعالیٰ و تبارک نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت قرآن بھیجا، دونوں کو رسول فرمایا، دونوں کو ھدًی و نور فرمایا اور دونوں کے شان میں قریب قریب ایک ہی سے الفاظ فرمائے، یعنی دونوں ایک ہیں۔قرآن مجید کلام اللہ ہے، اور آپ نے قرآن مجید کو کمال درجہ پر برت کر دکھا دیا، آپ فعل اللہ ہیں، اللہ کا قول و فعل ایک ہی ہے، کوئی فرق نہیں۔ہادی حقیقی اللہ ہے، اس کی صفت ہدایت کی دو شانیں ہیں، قولی، فعلی، قولی کا مظہر قرآن مجید ہے، اور فعلی کے مظہر آپ ہیں، دونوں تجلیوں سے جو ایک اللہ کی ہے اور ایک ہی ہے ہماری ہدایت کی گئی ہے۔الحمد للہ علی احسانہ۔

قوم نے منزلت نبوی کی قدر نہ کی، آپ کے مراتب کو نہ جانا نہ پہچانا، اور اسی بے قدری کے سبب گرفتار عذاب ہے۔آپ کی منزلت ما اُرسل یا ما انزل اللہ یعنی قرآن مجید کے ساتھ جو آپ لائے، جس کی آپ نے تبلیغ فرمائی، اور جس کے آپ متبع تھے، قائم نہیں کی، بلکہ ان کتابوں کے ساتھ قائم کی ہے جو انسانی تصانیف ہیں۔جس کی صحت و عدم صحت سے آپ بری الذمہ ہیں، اور آپ کے اصحاب بھی۔اس نے قرآن میں اور نبی میں دوری اور مغائرت پیدا کر دی، جس سے قوم دوری میں پڑ گئی، اور لگی خدائی کتاب کو باوجود اس کے دعوے تفصیل کے مجمل ماننے، اور انسانی کتاب کو مفصل بہ تفصیل عمرو زید۔اس لیے منزل رسالت کو ما اُرسل سے علیحدہ اس کتاب کے ساتھ قائم کرنا جس کی قطعیت مسلم نہیں، شان رسالت کے بھی خلاف ہے، اور خطرناک بھی۔

غرض منزلت رسالت کے بارے کیا بیان کیا جائے، اللہ کو، اللہ کی خدائی کو اور اللہ کی نسبت جو کچھ جانا وہ رسول ہی کے صدقے میں۔قران اور قرآن سے صراط مستقیم کی راہ جو کچھ پائی وہ رسول ہی کی بدولت۔وہ میرے دین میں داخل، وہی میرے ایمان میں داخل، جس کی منزلت قرآن مجید میں خود اللہ بیان فرمائے اس کی منزلت مجھ سے بیان ہو سکے گی، کس طرح ممکن ہے۔

Marfat.com

مجھ سے نہ تو اللہ کی حمد ہو سکتی ہے نہ رسول کی نعت، میں سراسر عاجز ہوں اور اس عجز کا اعتراف ہے۔

شان رسالت کے سوا آپ کی دوسری شان فقیہ و امام ربانی کی بھی ہے۔ آپ نے تفقہ اور رشد و ارشاد کی تعلیم و تربیت کا قولاً اور عملاً طریقہ بتا دیا ہے کہ تفقہ اور رشد و ارشاد کے حکم و ہدایت کی خدمت کس طرح انجام دینی چاہیے جو قرآن مجید میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور جو کچھ قرآن میں ہے وہی آپ کے افعال زندگی ہیں اس کو منہاج الحق میں دیکھو۔ یہ ہمارے لیے مفید دین اور معین صراط مستقیم ہیں۔ اس سے ہم کو سمجھ آئی کہ تفقہ کا مقام اور اس کے حدود کیا ہیں اور ارشاد کے منازل اور اس کے حدود کیا ہیں۔

تیسری شان آپ کی الوالامر کی ہے۔ آپ دنیاوی بادشاہ بھی ہیں۔ اپنے دنیاوی امور میں مشورہ دے کر، مشورہ لے کر، مشورہ تسلیم فرما کر، انتظام سلطنت، تمدن اور انتظام جہاد وغیرہ کے اصولوں کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔ یہ امور ہر چند مفید تر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر نہ دین ہیں، نہ فرض ہیں، بلکہ اس سے غرض آپ کی یہ تھی کہ ایسے امور حسب مشورہ و حسب اقتضائے زمانہ انجام دو، نہ یہ کہ ان کو دین الٰہی سمجھ لو۔ اسی لیے مشوروں میں آپ اپنی رائے ترک بھی فرماتے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ فرض ہے اور وصولی زکوٰۃ کے طریقے غیر فرض، انتظام الوالامر میں داخل۔ جہاد فرض ہے، اور نظم جہاد کہ تلوار و تیر و کمان سے ہو یا توپ بندوق اور ہوائی جہاز سے، انتظام الوالامر میں داخل، علیٰ ہذا تو جو حدیثیں دین الٰہی کے متعلق ہیں اگر وہ قرآن مجید کی مخالف نہیں، نہ حدود قرآنی کو کم و بیش کرنے والی، بلکہ تمام تر مصدق ہیں، تو وہ بہ عبارت دیگر قرآن مجید کی تشریح ہیں، گرچہ اسناد صحیح ہوں نہ ہوں، کیوں کہ ان کی صداقت قرآن مجید سے ہو گئی اور جو حدیثیں اصطلاح مذہبی کو واضح کرنے والی ہیں ان میں بھی کلام نہیں ان کو حدیث کہو، وہ معین دین ہیں، جیسے لغات و مصطلحات کی کتابیں، مگر وہ دین میں داخل نہیں۔ اور جو حدیثیں تفقہ اور رشد و ارشاد کے متعلق ہیں وہ بھی دین نہیں، دین قرآن مجید میں کامل ہو چکا، ہاں اگر تعمیل احکام ربانی میں ان سے تائید ملتی ہے تو بلاشبہ وہ موید دین ہیں اگر اس کے اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہوں اور صحیح ہوں اور جو حدیثیں نظم الوالامر کے متعلق ہیں وہ مجاز صورتیں ہیں کہ اقتضائے زمانہ کے مطابق جیسے چاہو کرو۔ تو ان کی سند کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہوں، یا حدود اللہ کو کم وبیش کر کے توڑنے والی، تو ان کو حدیث نہ کہو، اور حدیث سے خارج کر دو، جو حدیثیں عقل کے خلاف ہوں، اور قرآن سے باہر، وہ بھی حدیث نہیں۔ جو حدیثیں نفل کے ثواب کو فرض سے بڑھائیں، یا ترغیب وترہیب کی حدیثیں جن کی چھان بین بھی نہیں ہوئی، وہ بھی حدیث نہیں، کیونکہ انذار بھی قرآن مجید ہی سے کرنے کا حکم ہے۔ فضائل کی حدیثیں تو دوستانہ محبت کے کلام ہیں، ان کو دین سے کیا تعلق، مگر لوگوں نے دین میں داخل کر کے فرقہ بندی قائم کی ہے، یہ سخت نادانی ہے، ایسے محبت کے الفاظ جو جان نثاران اسلام سے محبت کے طور پر بولے گئے بعض کی روایت ملی ہوگی، بعض کی نہیں، ان پر دین کے شاخسانے کھڑے کرنا اور ممتحن سمجھ کر سب کو درجہ دینا اور تفرقے پیدا کرنا، جہالت ہے۔

میں موضوع سے باہر ہو گیا اور جو کچھ اللہ نے لکھایا وہ لکھا جا چکا، ورنہ حدیث کا بیان تو خود آتا ہی ہے۔ بہر کیف اس اتنے بیان سے غرض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت حدیث کے ساتھ نہیں، قرآن مجید کے ساتھ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف منزلتیں مختلف حیثیتوں سے ہیں، ہر منزلت میں تمیز کرنی چاہیے۔ دینی حیثیت قرآن مجید کے ساتھ ہے جو کمال عروج انسانی سے بالاتر ہے اور باقی منزلتیں انسانی کمال کا نمونہ ہیں یعنی انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ ایک کمال بشریت ہے، اور ایک مورد وحی ہوتا ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب ہفتم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین الٰہی میں مبلغ قرآن مجید تھے، یا اپنی رضا وخواہش سے بھی حکم دیتے تھے۔ اور آیا آپ احکام قرآنی کو کم وبیش کرنے، حدود اللہ کو توڑنے، یا حلال وحرام کی فہرست گھٹانے بڑھانے کے بھی مجاز من اللہ تھے یا نہیں؟

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آپ بکمال متبع قرآن مجید تھے۔ کیونکہ حکم خداوندی تھا اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (انعام:106) ''قرآن مجید کی اتباع کرتے رہو۔'' آپ حکم بھی قرآن مجید سے دیتے رہے کیونکہ حکم تھا: فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (مائدہ:48) ''حکم قرآن مجید سے دیتے رہو۔'' لوگ حلال وحرام کا سوال کرنے آتے اور اس کا حکم قرآن مجید میں نہ ملتا تو آپ فرما دیتے: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً الخ۔ (انعام:145) ''آپ کہہ دو کسی کھانے والے پر جو کچھ کھا رہا ہے ہم قرآن مجید میں مردار وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کچھ حرام نہیں پاتے۔'' یعنی جو تم پوچھتے ہو اس کو ہم قرآن مجید میں تو حرام پاتے نہیں پھر اپنے جی سے ہم کس طرح حکم دیں۔ حکم نہیں معلوم ہوتا تو آپ حکم خداوندی کے منتظر رہا کرتے، کیونکہ حکم تھا فاصبر لحکم ربك حکم خداوندی کے منتظر رہا کرو۔ اِن سارے احکام خداوندی کی تعمیل آپ سے زیادہ کون کرسکتا تھا، جس کی شان تھی عبودیت کی، جو عروج انسانی کی غایت ہے۔

آپ نے صاف فرما دیا کہ حلال وحرام کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے ہم اس کے مجاز نہیں۔ اسی لیے آپ قرآن مجید میں تلاش فرماتے تھے، نہ ملتا، تو فرما دیتے کہ مایوحی یعنی قرآن مجید میں تو ہم یہ حرام نہیں پاتے۔ پھر اگر آپ کے ساتھ منسوب ہو کر کسی چیز کی حرمت پائی جائے جس کی حرمت قرآن مجید میں نہ ہو تو وہ نسبت غلط ہوگی۔ اور وہ چیز آپ کی حرام کردہ نہ ہوگی۔ اور وہ حکم آپ کا نہ ہوگا۔ آپ احکام قرآنی کو کم وبیش نہیں فرماتے تھے، کیونکہ یہ حدود اللہ کا توڑنا ہوگا اور تجاوز عن الحد۔ اور ومن یتعدّ حدود اللہ فقد ظلم نفسہ کے احاطہ میں آجائے گا جو شان رسالت سے بہت بعید ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ ۚ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ (یونس:109)

Marfat.com

''قرآن مجید کی اتباع کرتے رہو اور حکم خداوندی کے منتظر رہا کرو کہ وہ حکم بھیجے۔ حکم کرنے والوں میں اللہ ہی بہتر حکم کرنے والا ہے۔'' آپ حکم خداوندی کے منتظر رہتے تھے اپنے جی سے حکم نہ دیتے تھے۔ اس مسئلہ کے لیے یہ آیت بہت صریح قطعی اور کافی ہے۔ اللہ نے رزق طیب یعنی ستھری چیزوں کو حلال کیا، اور چند چیزیں جو حرمت کے لائق تھیں وہ حرام کیں۔ قوم نے اس میں شبہ کو دخل دیا، اور مشتبہ چیزوں کی فہرست الگ قائم کی۔ پھر تورع کا لفظ اختیار کیا اور تورع کے طور پر اللہ کے حلال کئے ہوئے کو بھی حرام کیا حالانکہ کسی حلال چیز کی نسبت عزم بالجزم کر لینا کہ اس کو کبھی نہ کھائیں گے، یہ بھی حلال کو حرام کرنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کبھی نہ کھانے کی قسم کھائی تھی، اللہ نے فرمایا کہ قسم توڑ دو یہ حلال کو حرام کرنا ہے۔ یَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ الخ (تحریم:1) آپ حرام کرنے کے مجاز من اللہ نہ تھے، تو آپ نے خود کچھ حرام کیا نہیں، مگر لوگوں نے حدیثیں آپ کی طرف منسوب کر کے حرام کی فہرست کی نظر ثانی کی، اور اضافہ کیا۔ مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونا اللہ نے کہیں حرام نہیں کیا مگر یہ چیزیں حرام کی گئیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر کے باوجود یکہ یہ آیت موجود ہے۔ قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ ٱلرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِى مَا يُفْعَلُ بِى وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَىَّ (احقاف:9) ''کہہ دو اے رسول کہ میں کچھ نیا رسول تو ہوں نہیں، میں نہیں جانتا کہ اللہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا، میں تو صرف قرآن مجید ما یوحیٰ کی اتباع کرتا ہوں۔'' صدقے رسول کے اور صدقے اس شان رسالت کے۔ واقعی شان رسالت یہی ہے کہ اللہ کا بھیجا ہوا فرمان لوگوں تک پہنچا دیا جائے۔ اور شان عبودیت یہی ہے کہ ما یوحیٰ کما حقہ برت کر دکھا دیا جائے۔ اشهد ان محمدًا عبده و رسوله آپ نے رسالت بکمال عبودیت پہنچا دی۔ حکم تھا لَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ (مائدہ:87) ''حد سے تجاوز نہ کرو۔'' آپ نے ذرہ تجاوز نہ کیا۔ نہ حدود اللہ کو گھٹایا نہ بڑھایا۔ اگر ایسی کوئی حدیث پائی جائے جس میں حکم کا گھٹاؤ بڑھاؤ ثابت ہو تو ایسی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایسی حدیثیں ہیں اور ایسی ہی حدیثیں مفسر قرآن سمجھی گئی ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بات کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى

Marfat.com

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۸﴾ (یونس:108) ''کہہ دو کہ اے لوگو! اللہ کی طرف سے تمہارے پاس حق یعنی قرآن مجید آچکا تو جس نے ہدایت حاصل کی وہ اپنے لئے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے لئے۔ ہم تم پر کچھ مسلط تو ہیں نہیں۔'' آپ نے قرآن مجید لاکر دے دیا، چاہے ہدایت حاصل کرو، چاہے گمراہی میں پڑے رہو۔ اب رسول کی ذمہ داری نہیں۔ قرآن پہنچادینے کی ذمہ داری تھی، وہ آپ نے پہنچادیا، دین تمام ہوا، اور رسالت کی خدمت بھی پوری ہوئی۔ اگر دین کا اتمام حدیث پر سمجھو کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے فاضل اپنی رضا وخواہش سے حکم دے کر دین کو تمام اور مکمل کیا ہے تو حدیث کا قرآن کی طرح پر پہنچادینا کیوں نہ لازم ہوگا اور حدیث تبلیغ نہ کی گئی۔ تو ایسی صورت میں قد جاء کم الحق کیونکر صحیح ہوگا، کیونکہ جامعان احادیث سے پہلے تو جو حق آیا تھا وہ کیا ناقص تھا، جس سے آدمی نہ گمراہی سے بچ سکتا، نہ ہدایت پاسکتا تھا، جیسا کہ قوم سمجھائی گئی ہے۔ اور ایسی حالت میں فمن اھتدی کے کیا معنی ہوں گے کیونکہ صلوٰۃ وصوم، حج وزکوٰۃ، ربوا اور وراثت وغیرہ وغیرہ سارے ہی احکام قرآن مجید سے تو معلوم نہیں ہوتے، مجمل ہیں، تو قرآن کے ساتھ فمن اھتدیٰ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے اور ما انا علیکم بوکیل تو قرآن مجید دے کر نبی کی برأت کررہا ہے، کہ یہ آپ کے ذمہ نہیں کہ جس چال چاہیں چلائیں۔ بلکہ قرآن اللہ کا فرمان دے دیا، اب برے بھلے جس چال چاہو چلو۔ اپنا کیا اپنے ساتھ فاستقم کما امرت (ھود:112) ''تم کو جو حکم دیا گیا اس پر مستقیم رہو۔'' آپ تمام عمر بلا فروگزاشت اور بغیر اک نقطہ کے اضافہ کے بھی تعمیل قرآن مجید پر مستقیم رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا وہ قرآن مجید ہے، حدیث تو اللہ کا حکم نہیں۔ اس لیے احکام قرآنی پر مستقیم رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ حدیث پر۔ اے لوگو! رسول رحمۃ للعلمین کا دین ومذہب اختیار کرو، اور اللہ ورسول کے سوا کسی کو دین وایمان میں داخل نہ کرو، چاہے کوئی محدث ہو، یا فقیہہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے سوا کسی کو دینی حکم میں شریک نہ کیا۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ؕ (النساء: 105) ''ہم نے تمہاری طرف کتاب اس لئے اتاری کہ تم لوگوں کے درمیان حکم دو جو اللہ نے تم کو سوجھا دیا ہے۔'' یعنی کتاب اللہ جو سمجھ میں آئے اس کے مطابق حکم دے دو۔ بس علماء ربانیین کا یہی

Marfat.com

کام ہے کہ قرآن مجید سے جو حکم دیا تھا وہ سمجھیں وہ فرما دیں۔ برخلاف اس کے مذہب مجادلہ کی رزمگاہ اور خود پرستیوں کا بازار بنا دیا گیا ہے، باوجود یہ حکم تھا: **ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم** (النساء:107) ''نہ مجادلہ کرو ان سے جو اپنے ساتھ دغا کرتے ہیں۔'' الختصر قرآن مجید سے جو کچھ سمجھ میں آئے اسی پر خود بھی معمل رہو، اور لوگوں کو بھی اسی کی تعمیل کی ہدایت کرتے رہو۔

ایسی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے کہاں تک دی جائیں اس لئے آخر میں ایک فیصلہ کن آیت پر میں اس مفہوم کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (آل عمران:79,80) ''کسی بشر کو یہ شایاں نہیں کہ اللہ تو اس کو عنایت فرمائے کتاب اور عقل اور نبوت، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو یہ کہے گا کہ اللہ والے بنو کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ وہ تم کو یہ حکم نہ دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنا معبود بنالو۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد تمہارے مسلمان ہونے کے۔'' مسلمانو! اس آیت کی طرف توجہ کرو کہ یہ بہت واضح ہے۔ اور بہت صاف، حسب فرمان خداوندی یقین کرو کہ ہمارے رسول ہمارے پیارے ہادی کا بھی یہی حکم تھا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق اللہ والے بنو اللہ والے۔ اور کسی کو بھی اس کے سوا اپنا معبود نہ بناؤ۔ کتاب اللہ پر چلو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دے گئے ہیں۔ ورنہ اسلام کے بعد بھی شرک فی الحکم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں اپنے فرقہ کے مست نفسانیت اور تشخص نما علماء یا اپنے احبار و رھبان کے کہے میں اور ان کی اگر مگر میں نہ آ جانا:

سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

(الانعام 157:6) ''جو میری آیتوں سے کتراتے ہیں انہیں اس جرم میں ہم بدترین عذاب دیں گے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب ہشتم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے خلفا نے دین الٰہی کی تبلیغ کس کتاب کے ذریعے سے کی اور کونسی کتاب ان کی دستور العمل رہی، اور ان کی یہ تبلیغ ناقص تھی یا کامل، اگر تبلیغ کامل کرنے کے لیے حدیث کی بھی تبلیغ کی گئی تھی، تو صحابہ کو کل حدیثیں پہنچی ہوئی تھیں یا نہیں، اگر پہنچی ہوئی تھیں اور تبلیغ بھی کی گئی تھیں تو وہ تبلیغ شدہ کتاب کہاں ہے، اور اگر پہنچی ہوئی نہ تھیں اور تبلیغ بھی نہ ہوئی تھیں تو کیا تبلیغ ناقص کی گئی، اور اس صورت میں تبلیغ کامل کرنے کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتماع حدیث کے لیے کیا اہتمام کیا، اگر کوئی اہتمام نہ کیا تو کیا تبلیغ کی تکمیل اجتماع حدیث تک دو ڈھائی سو برسوں کے لیے ملتوی رہی، اور کیا رسالت کا کام ناتمام رہا، اور مسلمان **اطیعوا الرسول** کے نافرمان رہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تبلیغ کے مامور تھے، نہ اپنی ساری زندگی کے اقوال وافعال کے، نہ صحابہ کے اقوال وافعال کے، نہ تابعین وتبع تابعین کے اقوال وافعال کے، جیسا کہ حدیث میں یہ سارے اقوال وافعال داخل کیئے گئے ہیں، اور سب کا ہی نام حدیث ہے۔ اس لیے آپ نے تبلیغ دین **مایوحیٰ** اور **ما انزل اللہ** کے ذریعہ سے کی، اور میں نے نمبر 3 میں دکھایا ہے کہ **مایوحی** اور **ما انزل اللہ** قرآن مجید ہی ہے، آپ نے قرآن مجید ہی کی تبلیغ کی اور آپ کی تبلیغ سے ایک آیت بھی ترک نہ ہوئی، اور قرآن مجید ہی آپ کا دستور العمل رہا۔

قرآن مجید کی تبلیغ بذریعہ حفاظ بھی کی گئی اور بذریعہ کتابت بھی اور یہ دونوں صورتیں آج تک متواتراً قائم ہیں۔ یہ تبلیغ ایسی کامل کی گئی جس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ میں حدیث داخل نہ کی گئی۔ نہ صحابہ نے دین میں کوئی نئی بدعت کھڑی کی، اس لیے حدیث اس دور میں کتابت میں داخل نہ ہوسکی، اور اسی لیے صحابہ کو کل حدیثیں نہ پہنچ سکیں اور چونکہ قرآن مجید دین میں کامل سمجھا گیا، اس لیے اجتماع حدیث کے لیے صحابہ کی کوششوں کا ایک قدم بھی نہ اُٹھا۔ وہ **اطیعوا الرسول** کے معنی اطاعت حدیث کے نہیں سمجھے تھے، اگر ایسا سمجھتے تو اپنے لیئے اور موجودہ وآئندہ کل مسلمانوں کے لیے بالضرور وہ حدیث

Marfat.com

جمع کر جاتے، تاکہ مسلمان مسلمان ہونے پر **اطیعوا الرسول** کے بے قصور نافرمان بن کر جہنم میں جھونکے نہ جاسکیں، بلکہ وہ **اطیعوا الرسول** کے معنی رسول کے لائے ہوئے اور عمل کئے ہوئے قرآن کے سمجھے تھے، جیسا کہ میں نے اس کو نمبر 6 میں واضح کیا ہے۔

آپ نے **بلغ ما انزل الیك** کی تعمیل قرآن اور صرف قرآن ہی کی تبلیغ سے کی۔ حضور نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ دین کے لیے مدینہ منورہ بھیجا، تو وہ بھی لگے صرف قرآن مجید ہی سنانے، اور اسی تبلیغ پر جماعت کی جماعت مسلمان ہوگئی، اور یوں ہی مسلمان ہوئے تھے کہ **جاء الحق و زھق الباطل**۔ آج کل تبلیغ دین کا دروازہ بند ہوگیا ہے، کہیں کچھ تبلیغ ہے بھی تو وہ روایتوں کی، گویا قرآن کی تبلیغ ہے ہی نہیں۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (نمل: 91,92) ”مجھ کو حکم ہے کہ میں مسلمانوں میں ہوؤں اور قرآن پڑھ پڑھ کر سنایا کروں۔“ تو یہ کھلا کھلا ہے کہ آپ قرآن مجید ہی سناتے رہے، اور اسی کی تبلیغ فرماتے رہے۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (رعد: 30) ”اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے اس کے پہلے بھی امتیں ہو گزری ہیں تاکہ تم ان کو قرآن سنایا کرو۔“ کار رسالت قرآن پہنچا دینا تھا وہ آپ نے پورا کیا۔ نہ اللہ نے کہیں حکم دیا کہ تم اس تبلیغ کے ساتھ اس کے اجمال کو کھولتے جاؤ۔ نہ وہ مجمل تھا کہ آپ اس کے اجمال کو کھولنے کے بعد تبلیغ فرماتے۔

منادِ اسلام بھی جہاں کہیں بھیجے گئے وہ اس قدر قرآن جس قدر اس وقت تک نازل ہوا تھا یاد کر کے لے گئے اور اسی قدر تبلیغ کی، اس خیال سے تبلیغ روکی نہ گئی کہ شاید کوئی آیت ان احکام و ہدایات کی ناسخ اترے اور گزشتہ آیتوں کو بیکار کر دے۔ کیونکہ قرآن کی آیتوں کو تو علماء نے بعد میں منسوخ کیا ہے، قرآن تو کوئی حرف بھی منسوخ نہیں کرتا۔ اسی طرح نہ قرآن کو مجمل سمجھ کر کوئی ضمیمہ اور نہ لغات کو لاینحل سمجھ کر کوئی فرہنگ تبلیغ میں شامل کیا گیا، بلکہ جو کچھ اترتا گیا وہ مفصل، کامل، اور ازلی و ابدی سمجھ کر تبلیغ کیا جاتا رہا۔

خلفاء بھی قرآن مجید جوں کا توں تبلیغ کرتے رہے، اور حدیثیں جمع نہ کیں۔ اس وجہ سے

Marfat.com

نہیں کہ انہوں نے حدیثوں کو چھپایا، اس وجہ سے نہیں کہ تبلیغ دین میں حدیث داخل اور ضروری تھی مگر ان سبھوں نے کوتاہی کی، اس وجہ سے نہیں کہ فتوح شام وفتوح مصر سے دین کی اس اہم اور ضروری خدمت کو انہوں نے فروتر سمجھا، اس وجہ سے نہیں کہ حدیثوں کا جمع کرنا دشوار تھا کیونکہ اس وقت تو ایک حج کے زمانہ میں ساری حدیثیں جمع ہو جاتیں، اور ان کی جانچ بھی ہو جاتی، بلکہ اس وجہ سے کہ حدیث کو دین الہی میں داخل کرنے کی مرضی خود حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ تھی، کیونکہ آپ اس دن سے ڈرتے تھے کہ اور ادیان کی طرح حدیث قرآن کی جگہ لے لے گی، اور خدائی کتاب کی جگہ انسانی کتاب کا عمل ودخل ہو جائے گا، اور قرآن جزو بیکار سمجھا جائے گا جیسا کہ سمجھا گیا، اور یوں تبلیغ کی خدمت ضائع ہو جائے گی۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن لائے جو مایوحیٰ اور ما انزل اللہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت قرآن کے ساتھ ہے جس کی آپ نے تبلیغ فرمائی۔ مگر افسوس کہ زمانہ کے تھپیڑوں سے آخر اسلام بھی نہ بچا، اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے اسلام کا ہوتا رہا ہے۔ سنة الله التي قد خلت من قبل۔ دیکھ لو بنی اسرائیل کا کیا حال ہوا۔ پہلے انہوں نے آیتوں کو چھپانا شروع کیا۔ پھر تحریف بالمعنی کرنے لگے۔ پھر تاویل سے احکام بدلنے لگے۔ پھر لالچ اور نفسانیت کے سبب احکام فروشی شروع کی۔ رفتہ رفتہ خدائی کتاب وہ کھو بیٹھے، اور انسانی تصانیف کو لگے وہ خدائی کتاب کہنے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ متیٰ و یوحنا کی انجیل ہے پھر بھی وہ اللہ کی انجیل ہے۔ اللہ سے مواجہہ پھیر لیا، اور احبار و رہبان کے بندے ہو گئے۔ کیا یہی حال مسلمانوں کا نہ ہوا۔ متیٰ و یوحنا کی حدیث نے انجیل کی جگہ لے لی ہے، تو کیا صحیح بخاری، صحیح مسلم، ہدایہ اور شرح وقایہ نے قرآن کی جگہ نہیں لے لی۔ بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں کی اصلاح سے بھی یاس ہی ہوتی، اگر کتاب اللہ محفوظ نہ رہ جاتی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا جو مسلمانوں کی اصلاح کا سہارا ہے۔

دنیا بدل گئی اور بدل رہی ہے، اور ہر کوئی اپنے اصلاح حال کی جانب متوجہ اور سرگرم ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کا مواجہہ جدھر تھا اُدھر ہی ہے۔ اور اب تک ویسے ہی اسلام سے چشم پوشی۔ کافی دنوں کی بات ہے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسہ ٹائٹل کانفرنس میں، میں بھی بلایا گیا تھا، نصاب

Marfat.com

کی اصلاح مقصود تھی۔ اولاً تو مدرسہ کا اٹھان ہی اس بنا پر قائم ہوا تھا کہ حدیث کی تعلیم وہاں نہ دی جائے کیونکہ حدیث پڑھ پڑھ کر لوگ اہل حدیث ہو جائیں گے، اس دفعہ اس کی تو اصلاح ہوئی اور حدیث کی تعلیم نصاب میں داخل نہ کی گئی۔ میں نے پیش کیا قرآن مجید، کہ قرآن مجید کی تعلیم شروع سے آخر تک ہونی چاہیے، وہ اس طرح کہ اول لڑکا قرآن مجید ناظرہ پڑھایا جائے۔ عبارت رواں ہو جانے کے بعد پارہ عم اور چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرائی جائیں، اس وقت تک کہ صرف ونحو میں کافی مہارت حاصل ہو جائے، پھر قرآن مجید کا ترجمہ بلحاظ صرف ونحو پڑھایا جائے، جب ادب میں کچھ قابلیت آئے تو قرآن مجید کی تعلیم بلحاظ خوبی ادب اور بلحاظ فصاحت و بلاغت دی جائے، جب یہ تکمیل کو پہنچے تو پھر مسائل قرآنی دیئے جائیں کہ طالب علم ان کو حل کرے اور اس میں مادہ پیدا ہو کہ وہ قرآن مجید سے اپنی، دوسروں کی اور دوسرے مذہب والوں کی تشفی کر سکے، اور تبلیغ کی خدمت بوجہ احسن انجام دے سکے، اور یوں اللہ کے اس فرمان کی تعمیل کی جائے جو اس نے فرمایا: **فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔** (التوبہ 122:9) (یہ آیت فقہ کی سرخی میں دی گئی ہے) غرض قرآن مجید تو بچپنے سے مرتے دم تک ہمارا نصب العین اور ہمارا طریقہ زندگی رہنا چاہیے کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ مسلمانو! رونے کا مقام اور ماتم کی جگہ ہے کہ اس جلسہ میں جتنے علماء اور شمس العلما موجود تھے سب نے اس کی مخالفت کی، اور شدید مخالفت کی، مسٹر چیپ مین ایک عیسائی اس جلسہ کے صدر تھے وہ اس اختلاف کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھ کر علما سے کہنے لگے کہ میں تو مسلمان نہیں، نہ عربی دان ہی ہوں ہاں انگریزی میں میں نے قرآن کو پڑھا ہے اس میں کوئی بری بات تو میں نے نہیں پائی جس کی تعلیم سے آپ مزاحمت کرتے ہیں، میں نے کہا کہ اسلام اس حال کو پہنچ گیا کہ مدعیان وراثت انبیا ہی اشاعت دین اور تبلیغ اسلام سے روکتے ہیں، جس کی اشاعت کے لیے خود مآبدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کچھ مصیبتیں نہیں جھیلیں، آج اس تبلیغ کے دروازہ میں دوہرے تالے ڈالے جاتے ہیں، ووٹ میرے خلاف تھا میں ناکام ہوا، مگر ان کی دلیل کس قدر معقول تھی جس کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خیال نہ فرمایا تھا، وہ یہ کہ قرآن مجید کی تبلیغ سے سیکڑوں مذاہب پیدا ہو جائیں گے، ایسے حال میں

Marfat.com

مسلمان جس حال کو نہ پہنچیں وہ تھوڑا ہے۔ مسلمانو! کیا قرآن ایسا ہی سلوک کئے جانے کا مستحق ہے، اللہ اور اللہ کی کتاب سے منہ موڑنا ایک دن رنگ لائے گا۔ قرآن مجید درس سے نکالا گیا، قرآن مجید کے سمجھنے والے اٹھ گئے، جو ہیں وہ چند اگلی یادگاریں ہیں، ایک دن یہ بھی نہ رہیں گے، اسی غفلت کے ہاتھوں نوبت یہ پہنچی کہ قرآن مجید مُردوں کی ثواب رسانی، عملیات اور جھاڑ پھونک کے لئے رہ گیا، اور انہیں غرضوں سے عبارت کی تلاوت کے سوا اور کسی کام کا نہیں سمجھا گیا۔ نَسُوا اللہَ فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ط (حشر:19) ''وہ اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے ان سے ان کی جانوں کو بھلا دیا۔'' جب تو یہود کے حال کو پہنچ گئے۔ خسر الدنیا والاخرہ کے مصداق۔

فاعتبروا یا اوالابصارہ

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب نہم

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا یا منع فرمایا تھا۔اگر حکم دیا تھا تو خود آپ کے زمانہ باسعادت میں اس کی تعمیل کیوں نہ کی گئی اور اگر منع فرمایا تھا تو یہ بدعت کس نے کھڑی کی اور کب کھڑی کی اور حدیث کے ساتھ خلفاء راشدین اور صحابہ کا کیا سلوک رہا اور ان کی حقیقت کیا ہے؟

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمع کرنے کا حکم دیتے، تو جس طرح قرآن مجید لکھواتے تھے، اور حفاظ کو بتاتے تھے، حدیث کے لیے بھی اہتمام فرماتے، کہ آپ کے کل حرکات وسکنات لکھ لیے جائیں اور ہر قول اور خاموشی قلم بند کر لی جائے۔صحابہ نے بھی جس طرح قرآن کے جمع کرنے کی خدمت انجام دی، حدیث جمع کرنے سے بھی چشم پوشی گوارا نہ کرتے، اور قرآن کی طرح حدیث بھی جمع ہی ہو کر رہتی۔مگر آپ نے منع فرمایا اور حسب ہدایت خداوندی منع فرمایا جو آگے چل کر اسی نمبر میں بیان کیا جائے گا۔

ڈیڑھ دو صدی کے بعد جب بادشاہی سطوت اور دولت کے ترنگوں نے رنگ جمایا۔علوم کی طرف توجہ ہوئی، ان کے ترجمے ہوئے، اضافہ ہوا، ترقی ہوئی۔فلسفہ ترجمہ ہوا تو اس نے ضرورت پیدا کی علم کلام کی اس کی بنیاد بھی پڑی، اور اس کے بیل بوٹے بھی نکلے۔یہ زمانہ ہی ترجمہ اور تصنیف کا تھا، کچھ لوگ متوجہ ہوئے حدیث جمع کرنے کی طرف، مگر یہ کب متوجہ ہوئے جب ہزاروں لاکھوں موضوع حدیثوں نے اپنا سکہ رائج کر لیا تھا۔اس لیے ضرورت پڑی جانچنے کے قواعد کی، ان قواعد کی بنا پر حدیث جانچی گئی اور وہ دین میں داخل کر دی گئی اور اس پر دین کی بنیاد قائم ہو گئی اس سے فرقے نکلے، ہر فرقہ حدیث کی رزم گاہ میں اترا، اس نے عقیدت کے جوش کو گرمایا، اور اس نے تحقیق کا حق ادا کئے بغیر مہر کر دی۔

حدیثوں کی روایت سے فقہائے صحابہ اور خلفائے راشدین سخت معترز رہے، اور لوگوں کو بھی روایت سے منع کیا، بلکہ اسمیں اس قدر سختی برتی کہ حدیث روایت کرنی قانونی جرم قرار دیا گیا تھا روایت کی حقیقت مقدمہ میں میں نے بیان کر دی ہے، اس سے ہر جویائے حق فیصلہ کر سکتا

Marfat.com

ہے، آئندہ نمبر میں بھی کچھ بیان کر دوں گا۔ یہاں پر مجھے حدیث کے متعلق جلیل القدر صحابہ کی روش دکھانی ہے۔ حضرت شعبہ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں، جن کو حضرت انس بن مالک صحابی سے زیارت کا شرف حاصل ہے، جن کی شاگردی پر حضرت سفیان ثوریؒ محدث کو ناز ہے، انہوں نے چار سو تابعین سے سات یا دس ہزار حدیث کے فن رجال کا سنگ بنیاد رکھا ہے، وہ جب روایت حدیث کے خطرات و فسادات سے متنبہ ہوئے تو نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ راوی حدیث بننے سے سوختنی بنا بہتر۔ حضرت شعبہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہیں، اور لقب ان کا امام المحدثین ہے، انہیں کے وقت سے تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا، وہ فرماتے ہیں۔ **کلما تقدمتم فی الحدیث تأخرتم فی القرآن** (تذکرہ الحفاظ، ذھبی، ج 1 ص 196) **وددت انی وقاد الحمام ولم اعرف الحدیث** (تذکرۃ الحفاظ [ج1 ص197] تذکرہ شعبہ) یاد رکھو تم کو حدیث میں جس قدر کمال حاصل ہوگا تم کو قرآن سے جہل ہوگا، اگر میں حمام میں ایندھن ہو کر جلتا تو میری حدیث دانی سے وہ میرے لیے اچھا تھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ جن کا خطاب سید الحفاظ ہے، انہوں نے بیس یا تیس ہزار حدیثیں روایت کیں، جن کا پایۂ فضل و کمال حضرت امام مالک محدث مدینہ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ سے زیادہ بلند تھا، یہ جب روایت حدیث کے فسادوں سے متنبہ ہوئے تو نہایت خوف و ہراس سے فرمانے لگے کہ قیامت کے دن مجھے کسی قسم کا مواخذہ میرے علم پر نہ ہو تو میں غنیمت سمجھوں، مجھے اپنے تمام برے اعمال میں روایت حدیث سے زیادہ کسی سے اندیشہ نہیں ہے۔ (ایضاً: ص204)

ھشام دستوائیؒ جن کا لقب **الحافظ الحجۃ** ہے، وہ جب روایت حدیث کے فسادوں سے متنبہ ہوئے، تو اس قدر روئے کہ ان کی آنکھ جاتی رہی، اور یہی فرمایا کرتے کہ روایت حدیث کی باز پرس سے کاش میری نجات ہو۔ **بکی ھشام الدستوائی حتی فسدت عینہ و یقول لیتنا ننجو من الحدیث**۔ (تذکرۃ الحفاظ از ذھبی، ج1 ص164)

عبداللہ ابن داؤد ابو عبدالرحمن بڑے پایہ کے محدث ہیں، جب روایت حدیث کے فسادات پر متنبہ ہوئے، تو روایت کرنی ہی چھوڑ دی۔ اسی وجہ سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے کسی حدیث کے سننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

Marfat.com

حماد بن سلمہؒ شیخ الاسلام جن سے حضرت یحیٰیؒ نے دس ہزار حدیثیں روایت کیں، جب روایت حدیث کے نقصانات سے متنبہ ہوئے تو ترک روایت کا مصمم ارادہ کرلیا۔ (تذکرہ ذھبی)

اسحٰق بن اسمعیل الطالقانی ابو ایوبؒ روایت حدیث سے ایسے بیزار ہوئے کہ مرنے سے پانچ سال قبل یہ قسم کھائی تھی کہ آج سے روایت نہ کروں گا۔ (تہذیب التھذیب، ج1،ص227)

حیات بن ھلال باھلیؒ نے بھی روایت حدیث سے تنگ آ کر کنارہ کشی اختیار کی۔

(تہذیب التھذیب، ج2،ص170)

مسعر بن کدامؒ جو کہ اعلام محدثین سے ہیں، اور بقول ابن قطانؒ فن حدیث میں انکا کوئی ہمسر نہ تھا، جب یہ روایت حدیث کے فسادات پر مطلع ہوئے تو پریشانی میں گھبرا کر فرمانے لگے

وددت ان الحدیث قواریر علی راسی فسقطت فکسرت۔ مجھے یہ پسند تھا کہ حدیثیں میرے سر پر آبگینہ ہوتیں جو میرے سر سے گر کر ٹوٹ جاتیں۔ (تذکرہ ذھبی ج1 ص189)

اس پر بھی وہ زمانہ آیا کہ روایت کرنے والوں نے جو دل کھول کر روایت بھی کی اور قدم آگے بڑھایا کہ کتابت بھی کی۔ باوجود یہ کہ خود صحابہ راویوں سے مشتبہ بھی ہوئے، اور ان کو جھٹلایا بھی، دراں حالیکہ روایت کرنے والے بھی صحابہ ہی تھے۔

فحدث رجل من الصحابة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الشعبی کذبت (تذکرہ ذھبی) شعبی کے روبرو کسی صحابی نے حدیث روایت کی تو شعبی نے کہا تو جھوٹا ہے۔

حضرت عمار صحابی کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ نے تیمم میں نہیں مانا۔

حضرت عثمانؓ کے روبرو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی آپ نے قبول نہ کیا۔ **ان ناسًا یتحدثون عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عثمان لا ادری ماھی** (صحیح مسلم)

ذھبی نے فتح المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے:

وکان ان جا عالما متحریا فی الاخذ بحیث انه یستحلف من یحدثه بالحدیث فقال عثمان بن المغیرة الثقفی عن علی بن ربیعه عن السماء بن الحکم

Marfat.com

الفذازی انه سمع علیا یقول: کنت اذا سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیثا تفعنی الله بما شاء ان ینفعنی منه وکان اذا حدثنی عنه غیرہ استحلفته فاذا حلف صدقته (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 10)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھ سے جب کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں حلف پیش کرتا ہوں، اگر حلف اٹھالیتا ہے تو میں اس کو سچا سمجھتا ہوں، ورنہ جھوٹا۔ قال علی اذا حدثنی غیرہ استحلفته فاذا حلف صدقته (تذکرۃ الحفاظ) اس میں کوئی تخصیص صحابی یا غیر صحابی کی نہیں۔

عمران بن حصین صحابی فرماتے ہیں کہ واللہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد ہیں کہ اگر میں دو روز برابر روایت کروں تو کرسکتا ہوں، لیکن مانع یہ ہے کہ چند صحابہ نے میری طرح حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر بھی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔ البتہ دیدہ ودانستہ جھوٹ نہیں بولتے۔ اگر میں بھی روایت کروں تو ڈر ہے کہ اسی گروہ میں میرا بھی شمار نہ ہو۔ (تاویل مختلف الحدیث)

حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی کہ احتیاج غسل کی حالت میں اگر روزہ دار صبح کرے تو روزہ نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت غسل کیا ہے اور روزہ رکھا۔ ابوہریرہ کی یہ روایت غلط ہے (بخاری شریف کتاب الصوم)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی کہ نمازی کے سامنے سے عورت یا کتا وغیرہ گزر جائے اور سُترہ نہ ہو تو نماز جاتی رہے گی (مشکوٰۃ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ روایت غلط ہے۔ (بخاری شریف)

خدا ورسول سے فاضل اوروں پر ایمان لانے والے اپنے ایمان کا جائزہ لیں۔ ان پر ثابت ہوگا کہ ایمان لانے کے لائق اور ایمان میں داخل اللہ ورسول کے سوا کوئی نہیں۔

ان باتوں کے علاوہ اس پر بھی توجہ کرو کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت کے تین سال قبل ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت وہ تیرہ سال کے تھے، خود تو پچیس (25) حدیثیں سنیں، لیکن ایک ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں روایت کیں۔

Marfat.com

عبداللہ بن عمرؓ نبوت کے تین سال بعد پیدا ہوئے اور آپ کی وفات کے وقت بیس سال کے تھے لیکن ایک ہزار چھ سو بیس حدیثیں روایت کیں۔

ابو ہریرہؓ ۷ ھجری میں اسلام لائے، اُس وقت ان کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ کل تین سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے فیضیاب رہے اور پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں روایت کیں۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں ابن مسعود، ابو درداء، ابو مسعود انصاری کو اس جرم میں قید کیا کہ انہوں نے روایت حدیث زیادہ کی۔

قال ابراهیم ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود۔ ابادرداء۔ ابا مسعود الانصاری فقال لقد اکثرتم الاحادیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 7) حضرت ابن مسعودؓ زیادہ روایت کرنے والوں میں شمار نہیں ہوئے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا اتنا روایت کرنا بھی جائز نہیں رکھا۔

ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے اُبی بن کعب کے پاس ایک جماعت بیٹھی دیکھی جن سے وہ حدیث روایت کر رہے تھے۔ آپ نے اُبی پر دُرّہ فاروقی اُٹھایا۔ اُبی نے کہا کہ دیکھو کیا کرتے ہو اللہ تم پر رحم کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے کیا نہ جانا کہ روایت کرنی تمہارے لیے فتنہ ہے اور سننے والوں کے لیے ذلت۔ قال ابن عیینه رائ عمر ابن الخطابؓ مع اُبی (بن کعب) جماعة فعلاه بالدرّة فقال اُبی اعلم ما تصنع یرحمك الله فقال عمر اما علمت انها فتنة المتبوع وذلة للتابع (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 7)

خلافت فاروقی کے بعد حدیث کی آزادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار رسالت کے اصلی نور کو جس بے باکی سے روایتوں کی تاریکیوں میں ڈھانپا اس کو فاروق اعظمؓ کے دور میں بصیرت نے ادراک کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس میں آپ نے سرگرمی برتی۔

ابو سلمہؒ نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ تم عہد فاروقی میں بھی اسی طرح روایت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عہد فاروقی میں اس طرح روایت کرتا تو کوڑے نہ کھاتا۔ قال ابو سلمه قلت لابی هریره اکنت تحدث فی زمان عمر هکذا فقال لو کنت

Marfat.com

احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضر بنی بمخفقة (تذکرۃ الحفاظ، ج1 ص7)

آج اسلامی دنیا کے بہتر کیا سیکڑوں فرقے، سنی، شیعہ، اہل حدیث، قادیانی وغیرہ وغیرہ سب انہیں روایتوں کی بدولت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: بالجملہ بعد انقضائے خلافت خاصہ یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم اختلاف پیدا شد۔ ونیز دریں زماں روایت حدیث بسیار کم بود (ازالۃ الخفا) خلافت خاصہ یعنی دور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بعد اختلاف پیدا ہوا لہٰذا اس زمانہ میں روایت حدیث بہت کم تھی۔

راوی کے لیے اس طرح پر روایت کرنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو بعینہ یاد رکھے دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، جس کا محدثین کو بھی اقرار ہے، کہ ہم ایک حدیث بھی بلفظہ نہیں روایت کر سکتے۔ امام المحدثین حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں، جس کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ: لو اردنا ان نحدثکم بالحدیث کما سمعنا ما حدثنا کم بحدیث واحد۔ اگر ہم ایک حدیث بھی اس طرح روایت کرنی چاہیں جس طرح سنا ہے تو روایت نہیں کر سکتے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج1 ص205)

رئیس المحدثین حضرت امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ روایت باللفظ نہیں ہے روایت بالمعنی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے: عن ابن سیرین قال کنت اسمع الحدیث من عشرة کلهم یختلف فی اللفظ والمعنی واحد۔ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث کو دس شیوخ سے سنا سب مختلف الالفاظ بمعنی واحد تھے۔

تهذیب تهذیب الکمال میں قبیصه (بن عقبة بن محمد بن سفیان بن عقبة الکوفی) کے تذکرہ میں ابو حاتم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے لم أر من المحدثین من یحفظ و یاتی بالحدیث علی لفظ واحد لا یغیرہ سوی قبیصة۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ قبیصہ کے سوا میں نے کوئی ایسا محدث نہ پایا جو بعینہ الفاظ حدیث کو بلا تغیر وتبدل بیان کرے۔

محمد بن علی ابو جعفرؒ فرماتے ہیں: لم یکن احد من اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اذا سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثاً أحدر ان لا یزید

Marfat.com

فیه ولا ینقص منه ولا من عبداللہ بن عمر (طبقات ابن سعد ج2 ص321 وج4 ص 134) "ابن عمر کے سوا میں نے صحابہ میں کسی کو ایسا نہ پایا جس سے روایت حدیث میں نہ زیادتی ہوئی ہو نہ کمی۔" یہ نہ فرمایا کہ کسی قسم کی زیادتی اور کمی ہوتی تھی، لفظ میں یا معنی میں یا دونوں میں ایسے حال میں قرآن کو حدیثوں سے منسوخ نہیں کر سکتے۔

جب روایت حدیث باللفظ نہیں بالمعنی ہے، تو جب کوئی لفظ کا ذمہ دار نہیں تو معنی کا ذمہ دار کون ہو۔ ایک جملہ کا مفہوم بہ اعتبار موقعہ و محل، بہ اعتبار قابلیت و تفقہ، بہ اعتبار خیالات و جذبات فطری، ہر کوئی اپنا سا سمجھتا ہے، اس لیے سمجھ میں اختلاف ہونا اقتضائے فطرت ہے۔ آج دنیا میں بداہتہً دیکھ لو، باوجود ریل و تار برقی کے، باوجود ذرائع اخبار کے سہل ہونے کے، ایک ہی واقعہ دس حاضرین کی زبانی بہ اختلافات کثیرہ سنا جاتا ہے، اس لیے حدیث میں اختلافات کا ہونا لازمی تھا جو ہو کر رہا۔ اس اختلاف نے فرقہ بندی قائم کر دی اور اسلام کو پاش پاش کر دیا۔ فراست صدیقی و فاروقی نے اس کو خوب سمجھا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث بیان کرو گے لیکن اس میں تمہارے بیان مختلف ہوں گے، اور جو لوگ تم سے روایت کریں گے ان کے بیان میں تم سے بھی زیادہ اختلاف ہوگا، اس لیے تم روایت حدیث نہ کیا کرو، اگر تم سے کوئی اس کی خواہش کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے تو اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کیے ہوئے کو حرام۔ ان الصدیق جمع الناس بعد وفاۃ نبیّھم (صلی اللہ علیہ وسلم) فقال انکم تحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیھا و الناس بعد کم اشد اختلافاً فلا تحدثوا عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شیئا فمن سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالہ و حرموا حرامہ (تذکرہ ذھبی، تذکرہ صدیقؓ ج1 ص3-2) اس مفہوم کو حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: حسبنا کتاب اللہ۔

تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت قرظہ کو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیے

Marfat.com

جب عراق روانہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو قرآن سے حدیث میں نہ مشغول کر لینا، محض قرآن ہی کی تعلیم دینا، چنانچہ جب حضرت قرظہؓ سے کہا جاتا کہ حدیث بیان کرو، تو وہ فرماتے: نھانا عمر، حضرت عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے۔ (تذکرہ ذھبی، تذکرہ عمر بن الخطاب ج1 ص7)

حضرت فاروقؓ نے تو روایت حدیث کو جرم ہی قرار دیا تھا اور حضرت صدیقؓ کی روش یہ تھی۔ قالت عائشۃؓ جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کانت خمسمائۃ حدیث فبات لیلۃ ینقلب کثیرا قالت فغمنی فقلت اتتقلب لشکوی اولشئ بلغک فلما اصبح قال ای بنیۃ ھلمی الاحادیث التی عندک فجئتہ بھا فدعا بنار فحرقھا فقلت لم احرقتھا فقال خشیت ان اموت و ھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد أتمنتہ و ثقت ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذاک فھذا لایصح واللہ اعلم
(تذکرۃ الحفاظ، ص5)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں، ایک رات نہایت بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے جس سے مجھے تکلیف ہوئی، میں نے پوچھا کہ آپ کسی مرض سے بے چین ہیں یا کوئی اور بات ہے۔ صبح ہوتے ہی مجھ سے کہا تمہارے پاس جو حدیث کی کتاب ہے وہ لے آؤ میں لے آئی تو اسے آگ لگا کر جلا دیا، میں نے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو فرمایا کہ میں اندیشہ مند ہوا کہ میں مرجاؤں اور یہ کتاب چھوڑ جاؤں، شاید اس میں ایسے آدمی کی بھی حدیث ہو جو میرے نزدیک معتبر ہے اور حقیقت میں وہ معتبر نہ ہو۔ اس کی حدیث واقع کے مطابق نہ ہو پس ایسی حدیث کو میں نقل کر دوں یہ ٹھیک نہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب اور جھوٹا ہونے سے ہی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی سہو و نسیان کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ واقعی اس اعتدال اور احتیاط کی توقع صدیق اکبرؓ جیسے حضرات سے ہی کی جا سکتی تھی کہ صحابی راوی کو جھوٹا بھی نہیں کہا لیکن احتیاط کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔" (امتیاز عثمانی)

روایت کرنے والوں کا اصلی منصب یہ ہے کہ وہ بلفظ روایت کرے اس لیے بالعموم مسلمان

Marfat.com

یہ سمجھتے ہیں کہ حدیثیں بلفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اس بنا پر ان الفاظ سے استخراج و استنباط مسائل میں ان اصولی اصطلاحات کو داخل کیا گیا ہے جو علما نے الفاظ قرآنی کے لیے مقرر کئے ہیں، مثلاً عام و خاص، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، امر و اباحتہ وغیرہ وغیرہ اور بعض محدثین کی غایت خوش اعتقادی نے تو اس درجہ ترقی کی کہ ان حدیثوں کے الفاظ کو بھی انکساراً بعد قرآن مجید معجزہ اور بلاغت و فصاحت کی اس حد میں داخل کیا ہے جہاں اور فصحا کی پرواز ممکن نہیں، یعنی وحی غیر متلو کے پردہ میں الفاظ صحابہ سے بھی فاتو بسورۃ من مثلہ کا دعویٰ بلند کیا ہے۔ اس اعتقاد کا لازمی نتیجہ تھا کہ قرآن مجید سے توجہ پھرے، اور حدیث قرآن مجید کا نعم البدل قرار پائے۔ یہی وہ خطرۂ فی الدین تھا، جس کو حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم نے بھانپا تھا، اور اس طغیانی کا دہانہ ہی بند کرنا چاہا تھا۔ مگر یہ تو فطرت کی رفتار تھی **فطال علیهم الامد فقست قلوبهم**۔ امتدادِ زمانہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے۔ اسی اصول خداوندی کے مطابق ہر قوم نے کتاب اللہ چھوڑی اور حدیث اور انسانی تصانیف پر جھک پڑی جس کو اللہ نے فرمایا: **کتٰب الله وراء ظهورهم كانهم لا يعلمون**۔

بعضوں کا یہ خیال ہے کہ سنن کی حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئیں، مگر اس وقت کی کسی کتاب کا قرآن مجید کے سوا کہیں وجود نہیں پایا جاتا تو ایسی لکھی گئی نہ لکھی گئی برابر ہیں۔ اس کے سوا مصنف عبدالرزاق اور طبقات ابن سعد میں ہے۔ **اراد عمر ان یکتب السنن فاستشار أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فی ذلك فاشاروا عليه ان يكتبها فطفق يستخير الله فيها شهراً ثم اصبح يوماً و قد عزم [له] فقال انی كنت اريد ان أكتب السنن و انی ذكرت قوماً كانوا قبلكم كتبوا كُتبًا فأكبوّا عليها و تركوا كتاب الله**۔ "حضرت عمرؓ کا ارادہ ہوا کہ سنن کو لکھ ڈالیں اور تمام صحابہ کے مشورہ سے یہ طے بھی ہو گیا، اس پر بھی حضرت عمرؓ نے اس بارہ میں ایک مہینہ کامل استخارہ کیا۔ پھر ایک روز صبح کو فرمایا کہ میرا ارادہ حدیث جمع کرنے کا مستحکم ہو گیا تھا، لیکن پھر اس قوم کا خیال آیا جس نے خود ایک کتاب لکھی اور اس پر اس قدر متوجہ ہوئی کہ اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ (مصنف عبدالرزاق صفحہ 258-257)

Marfat.com

عبداللہ بن علاء نے القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سے درخواست کی کہ حدیثیں لکھوایئے۔ حضرت قاسمؒ نے کہا کہ عہد فاروقی میں لوگوں نے جب حدیثیں زیادہ لکھیں تو فاروق اعظمؓ نے تمام لکھنے والوں کو معہ ان کی حدیث کی کتابوں کے طلب کیا اور ان کتابوں کو جلوا دیا۔ (طبقات، ج7، ص187)

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی جمع کردہ حدیثیں جلائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کی جمع کردہ حدیثیں جلوائیں اور دونوں نے فرمایا: حسبنا کتاب اللہ کتاب اللہ کافی ہے صرف یہی نہیں بلکہ فاروق اعظمؓ نے تو حدیثوں کی زیادہ روایت کرنے کو قانونی جرم ہی قرار دیا تھا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم عہد فاروقی میں تو تصنیف ہو نہیں سکتی تھیں، اگر بعد کو بھی نہ ہوتی تو غضب ہی ہو جاتا کیونکہ قرآن مجید کے اجمال کو کھولنے اور اس کی تفسیر کے لیے پھر سے سلسلۂ نبوت جاری کرنا پڑتا یا حضرت جبرئیل ہی کو تکلیف کرنی ہوتی۔

حضرت صدیق اکبر یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہم رسالت کے منکر نہ تھے، اطاعت رسول کے منکر نہ تھے، ہاں روایت حدیث اور کتابت حدیث کے منکر تھے، وہ بھی حسب فرمان نبوی جو حدیث آگے بیان ہوگی۔ وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ ایسی کتاب جس کے نہ رسول مصنف ہوں نہ مولف اور جس کی عبارت بھی دوسروں کی ہو وہ دین میں داخل ہو کر اور مفسر قرآن کی مدعی ہو کر ناسخ قرآن کہی جائے گی۔ جس سے حدود اللہ ٹوٹ جائیں گے، اور تفرقے پڑ پڑ کر فرقے پیدا ہو جائیں گے، جو روز بد مسلمانوں کو دیکھنے پڑے۔ یہ عاشقان خدا، خادمان رسول، جاندادۂ اسلام، تبلیغ اسلام کی خدمت سے واقف تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا تھی، اور **اطیعوا الرسول** کے اطاعت گزار تھے جو اللہ کی رضا تھی۔ وہ جانتے تھے کہ فرمان خداوندی ہے **یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیك** یعنی **ما انزل اللہ** قرآن مجید ہی کی تبلیغ لازم و فرض ہے اور اسی کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگرچہ میرا مواجہ قرآن مجید سے الگ ہوا جاتا ہے مگر یہ سوال حدیث کے متعلق ہے تو اس کو حدیث اور اس کے اسماء رجال ہی سے حل کرنا چاہیے۔ اس لیے ضرورت ہوئی کہ میں تھوڑی دیر کے لیے ادھر سے ادھر ہو جاؤں اور اس نمبر کو حدیث ہی کے حوالہ کروں۔

Marfat.com

صحیح مسلم- باب النهی عن الحدیث. باب النهی عن الروایت اور باب ان الاسناد من الدین میں لکھا ہے ''حضرت عمرؓ، حضرت امام مالک، عبدالرحمن بن مہدی، ایاس بن معاویہ نے صرف سن کر بغیر تحقیق کئے ہوئے حدیث بیان کرنے کو منع کیا۔'' ضرور منع کیا ہوگا کیونکہ خود اللہ نے بھی منع کیا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (بنی اسرائیل:36) ''جس کا تم کو علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہولو کیونکہ کان آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔'' جس بات کا یقینی علم نہ ہو نہ بولو، سنی سنائی باتوں پر نہ جایا کرو۔ تو کیا ایسا نہیں ہوا کہ راوی نے سنا اور عقیدۃً مان کر بے تحقیق کئے ہوئے بے دھڑک روایت کر دی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تھا تو بلا تحقیق روایت سے لوگ منع کیوں کئے گئے تھے۔ اور اگر ایسا ہوتا تھا تو یہ قرآن و حدیث دونوں کے خلاف تھا۔ پھر جہاں تک تحقیق ہوئی، اور تحقیق نے جن حدیثوں کا سلسلہ رسول تک نہ پہنچایا اور جن پر ضعیف اور کمزور ہونے کی مہر لگائی، یا جن میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش رہی، وہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کیوں کی گئیں۔ کیا حدیث ہی کی رو سے یہ سخت تر جرم نہیں ہے کیوں نہ ایسی حدیثیں چھانٹ دی گئیں۔

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے خلاف عقل حدیثیں بیان کرنے کو منع کیا کہ اس سے فتنے اٹھیں گے۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ روایت حدیث میں مصلحت بینی بھی کرتے تھے۔ اب کسی کی مصلحت بینی ممکن ہے کہ صحیح ہو یا غلط، اور اس وجہ سے ممکن ہے کہ بہت سی حدیثیں نہ بیان کی گئی ہوں جو موجودہ حدیثوں میں سے بہتیری حدیثوں کی ناسخ ہوں، جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ نے بہت سی حدیثیں چھانٹ کر موجودہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اس کے سوا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے منع کرنے کو قوم نے نہ مانا، مانتی تو آج خلاف عقل حدیثیں نہ پائی جاتیں کہ تبلیغ میں حارج ہوں، باوجودیکہ صحت حدیث کی جانچ کے لیے یہ شرط بھی موجود ہے کہ حدیث خلاف عقل نہ ہو۔

''حضرت ابن عباسؓ نے حدیث بیان کرنی اس سبب سے چھوڑ دی کہ لوگ غلط و صحیح سب طرح کی حدیثیں نقل کرنے لگ گئے تھے، بلکہ انہوں نے تو حدیث کا سننا بھی ترک کر دیا تھا۔'' یہ تھی روش صحابہ اور حضرت ابن عباس جیسے جلیل القدر صحابہ کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برگزیدہ

Marfat.com

اصحاب کی نسبت قرآن مجید کے ساتھ کیا تھی اور حدیث کے ساتھ کیا تھی۔ اگر وہ حدیث کو داخل فی الدین سمجھتے تو حدیث کا کہنا سننا ترک نہ کرتے بلکہ کہہ سن کر حدیث کی تصحیح کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتنی غلط روایتیں منسوب ہوئیں ''حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت کرتے تھے تو جب تک عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھی اس کی تصدیق نہ کرتے وہ مانی نہ جاتی۔'' یہ ہے عقیدت کی ریشہ دوانی۔

شہاب بن خراش اور حجاج دونوں ثقہ مانے جاتے ہیں مگر حجاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو روایت کی ہے اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ ''حجاج سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اتنے بڑے بڑے جنگل ہیں کہ ان کو طے کرنے کے لیے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں۔'' اس پر بھی یہ تو ثقہ مانے جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی جائے اس کی تصدیق کے لیے عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھی ڈھونڈھے جائیں یہ جو میں نے لکھا صحیح مسلم سے لکھا ہے جیسا کہ ابتدا میں ظاہر کر دیا ہے۔ قول رسول نہیں ہے اس لیے اصل عربی عبارت نہیں لکھی، اور محض چند سطریں لکھ دیں اس کی نسبت مجھے لکھنی ہیں حدیثیں تو وہ ذیل میں ہیں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفٰی بالمر کذبًا ان یحدث بکل ماسمع ''ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافی ہے آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے کہ جو سنے وہ بیان کر دے۔'' یہ حدیث صحیح مسلم کی بالکل صحیح ہے چاہے سلسلۂ روایت کچھ ہی ہو۔ اس لیے کہ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بات کو جب تک تحقیق نہ کر لیا کرو بیان نہ کیا کرو۔ بے تحقیق بیان کرنے سے کبھی سچے ہونے پر بھی جھوٹے سمجھے جاؤ گے۔ یہ حقیقت میں آپ نے اس آیت قرآنی کو سمجھایا ہے۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم الخ جو آیت اوپر بیان ہوئی ہے یعنی (جس بات کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لو۔ بنی اسرائیل: 36) بے تحقیق بات زبان سے نہ نکالو۔ یہی اقتضائے عقل بھی ہے کیونکہ بات اگر جھوٹی ہوئی تو تم سے سننے والے تم ہی کو جھوٹا سمجھ لیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث پر کہاں تک عملدرآمد ہوا۔ تو حضرت امام بخاریؒ نے چالیس ہزار عورت و مرد سے روایت کی ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی مصنفہ تاریخ میں لکھا ہے۔ اگر دو چار حدیثیں بھی موضوع اور غلط

Marfat.com

ہوں تو کیسا خطرناک نقشہ قائم ہوگا۔

محمد بن یحییٰ بن سعید قطانؒ نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم نے صلحاء یعنی نیک آدمیوں کو اتنا جھوٹا کسی چیز میں نہیں دیکھا جتنا جھوٹا حدیث کی روایت کرنے میں۔ امام مسلم نے اس میں تاویل کی ہے کہ جھوٹ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے۔ مانا کہ وہ قصداً جھوٹ نہیں بولتے مگر جھوٹ ان کی زبان سے نکل تو آتا ہے۔ ایسی صورت میں قطعیت پیدا کرنے کے لیے روایت کی منزلت ہی کیا رہی۔ اس پر خدشات تو دین کا ستون ہی ہلا دیتے ہیں جس دین کا ستون روایت ہو۔ کیونکہ حضرت امام مسلم اور حضرت امام بخاری رحمہا اللہ کیا صلحاء میں سے نہ تھے اور کیا انہوں نے حدیثیں صلحا سے روایت نہیں کیں اور کیا صحت حدیث کے لیے صلحاء کی قید نہیں رکھی گئی ہے جن کو حضرت امام مسلم مانتے ہیں کہ جھوٹ ان کی زبان سے بے ساختہ نکل آتا ہے۔

علاوہ ازیں ترغیب، ترہیب، فضائل، قصص، زہد اور اخلاص کی حدیثیں ضعیف شخصوں سے روایت کرنے کو اور اس قسم کی ضعیف روایتوں کو اہل حدیث نے جائز رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی حدیثیں بھی چونکہ صحاح میں موجود ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی فرمودہ تسلیم ہو گئیں اور ان پر دین کی بنا قائم کی گئی، جس سے قوم حد سے تجاوز کر گئی۔ ترغیب نے جب قرآن سے تجاوز کیا تو اس نے مذہب اور آخرت کو عجوبہ مثال بنا دیا۔ ترہیب نے حد سے متجاوز ہو کر اللہ کو ڈراؤنا بنا دیا۔ زہد حد سے متجاوز ہو کر رہبانیت کے سانچے میں ڈھلا۔ فضائل نے مذہب میں پولیٹیکل جھگڑوں کی بنیاد رکھی اور شیعہ وسنی کا پولیٹیکل مذہب بنا دیا۔ مدت ہوئی کہ خلافت تو گئی گزری ہوئی مگر ووٹ آج پاس ہو رہا ہے۔ قوم ممتحن بنی اور اس خیال نے کہ حدیث کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہیں لحمك لحمی ودمك دمی سے یہ مطلب نکالا کہ رسول کا گوشت اور خون اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گوشت اور خون ایک تھا اور بلا فرق دونوں ایک تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت بی بی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ ہوتا۔ اگر آپ نے یہ جملہ فرمایا بھی ہو تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ ہم ان کو عزیز رکھتے ہیں۔ ہر زبان میں ایسے محبت کے الفاظ بولے جاتے ہیں کہ ہم دونوں تو ایک جان دو قالب ہیں۔ یہ اصطلاحی جملے ہیں، لوگ لفظ کے پھیر میں پڑے ہیں۔ اسی طرح جاں نثاران اسلام کے ساتھ محبت کے جملے فرمائے گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے بنی

Marfat.com

عباس اور بنی امیہ کا مردہ جھگڑا زندہ کیا ہے اور اس کو نبی کے سر بھی تھوپا ہے، جنہوں نے ساری دنیا کے اختلافات اور جھگڑوں کو مٹایا۔ مذہب کو ان پولیٹیکل جھگڑوں سے کیا تعلق۔ مگر مسلمانوں ہی نے دین اسلام کو جو خالص اللہ کے لیے تھا الا للہ الدین الخالص مسلمانوں کو انسان کا بندہ بنا کر ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ ان باتوں سے سادہ اسلام رنگ برنگ کا منقش اسلام ہو گیا۔ وہ گروہوں میں بٹ گیا۔ اس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ اس سے اس کی برکتیں بھی کھو گئیں۔ اور اب ہر شخص کا اسلام پیدائشی اور خاندان کا اسلام ہی اللہ کا اسلام نہیں رہا جس کی حمایت قرآن مجید کرتا ہو۔

موضوعات ملا علی قاری، دارمی، اور ابن ماجہ نے قتادہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا وہ اسی ممبر پر فرمار ہے تھے۔ ایاکم و کثرۃ الحدیث عنّی فمن قال علی فلیقل حقًا او صدقًا و من عنّی تقول عنّی مالم أقل فلیتبوأ مقعدہ من النار "ہماری زیادہ حدیث بیان کرنے سے بچو جو ہماری حدیث بیان کرے وہ حق اور سچ ہی بیان کرے اور جو ایسا کچھ بیان کرے گا جو ہم نے کہا نہیں تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

اس حدیث کا منشا جس احتیاط کا تھا اس کو سمجھا تھا خلفا نے، اور برتا تھا خلفا نے، انہوں نے تقربا الی اللہ، یا تقربا الی رسول اللہ، نہ کوئی کتاب لکھ کر دین میں اضافہ کیا، نہ اس حدیث کے نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔ اس حدیث میں کثرت روایت کی امتناع ہے گرچہ اس کی تعمیل بعد کو نہ ہوئی۔

مسلم، ترمذی اور نسائی نے ابو سعید الخذری سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاتکتبوا عنی شیئًا سوی القرآن ومَن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہ۔ وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی فمن کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولاحرج۔ "قرآن مجید کے سوا میرا کہا ہوا کچھ نہ لکھو، جس کسی نے کچھ لکھا ہو تو وہ مٹا دے اور محو کر دے ہاں بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرو کچھ مضائقہ نہیں اور ہم سے بھی حدیث بیان کرو مگر جھوٹ نہ ہو، جو میری حدیث قصداً جھوٹ بیان کرے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرنے کا جواز یہ ثابت کرتا ہے کہ خود آپ نے حدیث کو دین میں داخل نہ فرمایا۔ دوسرے اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ

Marfat.com

آپ نے قرآن مجید کے سوا حدیث کی کتابت کو منع فرمایا تھا، ہاں زبانی روایت اور تذکروں کی بشرط صحت اجازت تھی۔

اس حدیث کی صحت میں سنداً کلام نہیں کیونکہ یہ مرفوع ہے اور نہ جانچنے کی ضرورت کیونکہ یہ بالکل قرآن مجید کے مطابق ہے۔ اللہ نے فرمایا جو آیت اوپر بھی لکھی گئی ہے۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ ٱللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۟ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ (یونس: 57) ''لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے موعظت و نصیحت یعنی قرآن مجید آ چکا جو دل کی بیماریوں کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ کہہ دو کہ اللہ کے فضل و رحمت یعنی قرآن ہی پر چاہئے کہ لوگ خوشیاں منائیں۔ یہ اس سے بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں۔'' یہ کہنا کہ لوگ جو مال و خزانہ جمع کرتے ہیں اس سے قرآن بہتر ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ بہتر ہونا ہم جنس میں ہوتا ہے، نہ غیر جنس میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حدیث وغیرہ جمع کرنے لگ گئے تھے اس کو اللہ نے اس آیت میں منع فرمایا، اور اسی کو اوپر کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیونکہ آپ کا فرمانا عین قرآن ہوا کرتا تھا۔

احمد، حارث، ابن ابی اسامہ، بزاز، طبرانی اور حاکم نے مدخل میں بنی یحییٰ بن میمون خضرمی سے روایت کی ہے کہ ابو موسیٰ الغافقی نے عقبہ بن عامر الجہنی سے سنا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں ممبر پر بیان کر رہے تھے تو ابو موسیٰ نے کہا کہ تمہارے جو یہ صاحب ہیں یا حافظ ہیں یا بالک ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر بات جس کا ہم سے وعدہ لیا تھا یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: علیکم بکتاب اللہ و سترجعون الی قوم یحبون الحدیث عنی ومن قال علی مالم أقل فلیتبوأ مقعده من النار و من حفظ شیئًا فلیحدث به. ''تم پر قرآن مجید کی اطاعت لازم ہے اور عنقریب تم ایسی قوم کو پاؤ گے جو میری حدیث بیان کرنی پسند کرے گی۔ تو جو شخص ایسا کچھ کہے گا جو ہم نے نہیں کہا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور جس نے کچھ محفوظ کر لیا ہے وہ حدیث بیان کرے۔''

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ، کہ خلیفہ دوئم نے جو حسبنا

Marfat.com

کتاب اللہ فرمایا تھا وہ تعمیل یا ترجمہ تھا علیکم بکتاب اللہ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا، دوسرے جیسا کہ فطرتاً ہوا کیا ہے کہ لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑا اور ہمیشہ حدیث کی طرف جھک پڑے ہیں، آپ دانائے قوانین فطرت تھے، آپ کی فراست صادقہ نے سمجھا تھا کہ ایسا ہی ہوگا، اور ہماری امت بھی ہم پر نازل شدہ قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی طرف جھک پڑے گی، اس کو آپ پسند نہ فرماتے تھے اور اس دن سے ڈرایا تھا کہ ستر جعون الی قوم یحبون الحدیث عنی تیسرے باہمہ احتیاط حدیث بیان کرنے کی جس میں شائبہ شک و شبہ نہ ہوا جازت تھی مگر بیان ہی کرنے کی کتابت کی اجازت نہیں۔

سیکون فی آخر امتی أناس یحدثونکم مالم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم و ایاکم۔ (اخرجه مسلم عن ابی هریرة)۔ ''عنقریب آخر زمانہ میں میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تم سے ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ تم نے سنی ہوگی نہ تمہارے آبا نے تو دیکھو بچے رہنا بچے رہنا۔'' صدقے اس فراست نبوت کے جس دن سے آپ نے ڈرایا تھا وہ ہم کو اور ہمارے اگلوں کو دیکھنا نصیب ہو چکا۔ مگر فایاکم و ایاکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اسی کی تعمیل تھی جو حضرت ابن عباس جیسے جلیل القدر صحابی نے حدیث کا کہنا سننا سب ترک کر دیا تھا۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ اور دارقطنی نے انسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو زیادہ حدیث بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من تعمد علیَّ کذباً فلیتبوا مقعدہ من النار۔ جو کوئی قصداً ہماری طرف جھوٹ منسوب کر کے روایت کرے وہ جہنمی ہے۔

اے لوگو! یہ انداز تھا صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کا، اور یہ روش تھی خلفاء رضوان اللہ علیہم کی جو اوپر بیان ہوئی۔ اور یہی طریقہ تھا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا، گرچہ محدثین اپنی نفسانیت اور احبار پرستی کے سبب انہیں حدیث میں نابلد شمار کریں، مگر جو روش ان کی تھی وہ قرآن و حدیث کے مطابق خلفاء راشدین اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح محتاط تھی۔ اسی لیے جتنی حدیثیں ان سے مروی ہیں ان کی تعداد قوم سے مخفی نہیں وہ بھی اس خدشہ سے محفوظ نہیں کہ جب قوم کو غلط حدیث نبی کی طرف منسوب کرنے میں دیر نہ لگی تو ان بزرگوں کی طرف غلط منسوب کرنے

Marfat.com

میں کونسی حقانیت مانع ہوئی ہوگی۔ وہ بھی ان سے روایت ہے، ان بزرگوں نے نہ کتابت کی، نہ کتابت کو جائز رکھا۔ چونکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی نئی تصنیف سے بدعت کھڑی نہیں کی، اس لیے ان پر پتھر پھینکے جاتے ہیں کہ یہ حدیث سے جاہل تھے، کیونکہ انہوں نے دین کے لیے قرآن کو کافی سمجھا اور حدیث کی دکان نہ لگائی۔ کتابت حدیث کے امتناع کی تعمیل جس طرح خلفا نے کی، جلیل القدر صحابہ نے بھی بالضرور کی۔ پھر ان کی روایتیں اور زبانی تذکرے جو ڈیڑھ دوصدیوں کے بعد قلم بند ہوئے، اور بعد موضوعی حدیثوں کی اشاعت پذیر ہونے کے جن میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں، وہ کس طرح مستلزم یقین ہیں کہ وہ صحیح ہیں۔ ممکن ہے کہ وضعی حدیثوں کی طرح صحابہ کی طرف نسبت بھی وضعی ہو۔ ان اشتباہ کے ساتھ قرآن مجید کو حدیث سے منسوخ کرو تو کرو، اور حدود اللہ کو کم وبیش کر کے توڑو تو توڑو۔

حدیث اب تو کوئی روایت نہیں کرتا، نہ اب کوئی وضع کرتا ہے، یہ سارے دور گزر گئے اس زمانہ میں جو ہمارے حسابوں برگزیدہ ہے۔ جب موضوع حدیثیں سکہ رائج الوقت کی طرح رائج ہو گئیں تو لوگوں نے قرآن مجید کو کافی سمجھا اور حدیث سے چشم پوشی کی کہ دودھ پانی سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اور بعضوں نے بنا صحت کے شرائط قائم کر کے یہ کہنا شروع کیا کہ دین کی بنیاد قائم کرنے کا ثواب حاصل کریں۔ اس جوش مذہبی نے منہمک کر دیا کہ بجائے بچے رہنے اور تذکروں ہی پر کفایت کرنے کے جیسا کہ حدیث میں حکم تھا حدیث کی کتابت میں دل کھول کے لگ گئے۔ تو جس خطرہ سے آپ نے ڈرایا تھا وہ پیش آنا ہی تھا پیش آیا۔ رفتہ رفتہ مصنفین کتب حدیث کے تقدس نے فتح حاصل کی۔ تصنیف کو قوم نے سر اور آنکھوں پر لیا یہاں تک کہ ان کتابوں نے قرآن مجید پر بھی چھاپا مارا اور کامیابی حاصل کی۔ قوم قرآن مجید سے بے نیاز ہوگئی، اور قرآن مجید کے مقابلہ میں حدیث شریف کے بھی تیس پارے قائم کرنے، اس کے بھی حفاظ تیار کرنے، اس کا بھی ختم پڑھنے، اس کے اختلافات کو بھی ناسخ منسوخ سے مٹانے، یا امکانی شقوق سے اصلاح کرنے اور اس میں قیاسات کے سلسلہ جنبانی سے مرادات اور تاویلات کی گھوڑ دوڑ میں لگ گئی۔ اس کا درس بھی باوضو ہونے لگا، عملیات کے لیے، حصول مراد کے لیے، حدیث کا ختم بھی پڑھا جانے لگا۔ ظاہراً بھی قرآن مجید کی طرح محض چھاپنے اور تحت اللفظ مترجم بنانے میں بھی تقابل کا حق پورا پورا ادا کیا گیا۔

Marfat.com

اور کیوں نہ ہوتا، ان کے مطابق تو قرآن مجید مجمل ہے محتاج حدیث، اور حدیث مفصل ہے بے نیاز قرآن سے، علماء کے یہاں بھی بجائے قرآن کے حدیث کا دور، اور فقراء کے یہاں بھی بجائے قرآن کے حدیث کا درس جاری ہوا۔ قرآن کی تعلیم، قرآن کی ہدایات اور قرآن کی تبلیغ کا دروازہ بند کیا گیا اور قرآن حوالہ کیا گیا، اندھوں، مفلسوں محتاجوں، یتیموں بے کسوں اور گداگروں کے یاد کرنے کے، کہ وہ قرآن یاد کر کے تراویح کے صدقہ میں کما کھائیں، اور قرآن مجید کا مصرف قرار پائی گداگری۔ چہلم کی ثواب رسائی، عملیات، وظائف۔ افسون جھاڑ پھونک، توسیع رزق حصول اولاد۔ وصال محبوبہ، اور مرگ دشمن وغیرہ وغیرہ ضروریات کے لیے۔ اللہ اللہ یہ قرآن، اللہ کا کلام، اور رسول کا مایۂ رسالت، اس کے ساتھ مسلمانوں کا یہ برتاؤ۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون!**

حدیث کی نسبت ارشاد خداوندی اشارۃ النص سے اور ارشاد نبوی صریحاً کیا گیا تھا، اور اس کے ساتھ خلفا اور جلیل القدر صحابہ کا کیا سلوک رہا محض اختصار اور بہت کچھ فرد گزاشت کے ساتھ میں نے بیان کر دیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ہی پر خوشی منانی اور قرآن ہی کو اپنے اوپر لازم کر لینا اللہ و رسول کی مرضی بھی تھی، اور اللہ و رسول کا حکم بھی تھا۔ آپ کی حدیثیں بشرط صحت زبانی بیان کرنی ممنوع نہ تھی مگر کتابت اور کثرت روایت ممنوع تھی، چونکہ قرآن کامل تھا، مفصل تھا، محتاج تفصیل و تفسیر نہ تھا، دین کی تکمیل ڈیڑھ دو صدیوں تک ملتوی نہ رہی، اور انسانی سعی پر اٹھا نہ رکھی گئی۔ رسالت اور تبلیغ رسالت رسول پر ختم ہوئی، نہ مصنفین صحاح پر۔

علماء و محدثین کا احسان:

عربی زبان کا ماہر قرآن مجید کے رہتے ہوئے دین الٰہی کے لیے ساری کتابوں سے بے نیاز ہو گا۔ ہاں جو اس زبان کا ماہر نہیں وہ صرف و نحو، لغات، مصطلحات یعنی ادب کا ضرور محتاج ہو گا۔ پھر جن بزرگوں نے اس احتیاج کو رفع کیا ان کا وہ ضرور شکر گزار ہو گا، ہم کو ان سب کا ممنون احسان ہونا چاہیے جن کی سعی کی بدولت ہم قرآن مجید سیکھنے سمجھنے کے لائق ہو سکے۔ اسی طرح ہم کو تاریخ اسلام یا سوانح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی حدیث لکھنے والوں کا بھی ممنون ہونا چاہیے جن کی پاک نیتوں اور پاک سعی کی بدولت ہم کو تاریخ اسلام سے آگاہی حاصل کرنے کا موقعہ ملا، مسلمانوں کا ابتدائی تمدن اور معاشرت معلوم ہو سکی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کے سوانح مقدس سے کسی قدر اطلاع حاصل ہو سکی۔ مگر ان سب باتوں کے ایک حد تک نفع بخش ہونے کے باوجود بھی یہ ساری کتابیں دین میں داخل نہ ہو جائیں گی۔ ان کو خبر واخبار ہی کہنا اور سمجھنا صحیح ہوگا۔ ہاں حصول دین کے لیے کہ مصطلحات سے اطلاع ہو، سہولت کا باعث ہو سکتی ہیں خصوصاً ہمارے لئے اور ہم جیسوں کے لیے مگر یہ دین کی حصہ دار نہیں ہو سکتیں اور قرآن مجید کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ یہ کبھی روا نہیں رکھا جا سکتا کہ حبل اللہ یعنی خدائی نسبت توڑ کر ادھر اُدھر جوڑی جائے۔ یہ کبھی روا نہیں رکھا جا سکتا کہ استاد یا ہادی یا مرشد سرتاج سہی مگر اللہ کا شریک وسہیم ہو۔ گرچہ ان کی تعلیم وہدایت سے اللہ تک رسائی بھی ہو۔ اے لوگو! اللہ اللہ ہے جل جلالہ، اس کا کلام اس کا کلام ہے، عم نوالہ، اس کا دین اس کا دین ہے سبحان اللہ وبحمدہ، اس کے اسماء وصفات میں، اس کی قدرت وافعال میں، اس کے احکام واقوال میں غرض کسی بات میں، کسی طرح، کوئی بھی اس کا مشیر نہیں، اس کا شریک نہیں۔ **ولا یشرك فی حکمه احدا۔**

فامنوا باللہ ورسوله والنور الذی انزلنا

لا اله الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب دہم

حقیقت حدیث

حدیث کی حقیقت جیسا کہ مقدمہ میں بیان ہوئی اور جو مسلمۂ علماء کرام ہے، اس رو سے بھی اگر دیکھا جائے تو کس کس قسم کی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہی جانے کی حیثیت رکھتی ہیں اور کس کس قسم کی حدیثیں حدیث ہی نہیں ہیں مگر حدیث سمجھی جاتی ہیں؟

مسلمانو! دین کی بنیاد اگر قطعیات پر ہوگی تو دین مضبوط ہوگا اور مستحکم اور اگر ظنیات اور شک وشبہ پر ہوگی تو وہ مشکوک ہوگا۔ الحمد اللہ کہ دین اسلام کی بنیاد ایسی نہیں ہے جو ظنیات پر ہو۔ کیونکہ اس کی بنیاد قرآن مجید پر ہے جو قطعی اور ابدی ہے۔ اگر اس کی بنیاد حدیث پر رکھو تو اس کی حقیقت مفصلہ ذیل ہے۔

حدیث کی حقیقت جو مسلمہ علماء کرام ہے اس کو میں نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ تو جس طرح پر حدیثیں جانچی گئی ہیں اس کو مجھے پھر چھادینا ہے۔

موقوف اور موقوف کے تینوں سلسلے مسند، متصل اور منقطع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب نہیں، وہ کسی طرح بھی رسول کی حدیث نہیں۔ جس کا سلسلہ بھی رسول تک نہ پہنچے اس کو رسول کی حدیث کہنا اور اس پر بنیاد دین قائم کرنا ظلم ہے۔

مرسل۔ تابعی نے روایت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی مگر بیچ میں صحابی کا ذکر نہ کیا تو سلسلہ روایت کیونکر درست ہوا اور کس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مسلم ہوگئی اس لیے اس کو بھی مع اس کے تینوں سلسلوں مسند، متصل اور منقطع کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث تسلیم کر لینا صحیح نہیں بلکہ حدیث ہی کی رو سے خطرناک ہے۔

معلل۔ میں چونکہ پوشیدہ سبب طعن پائے جاتے ہیں اس لیے کسی طرح قطعاً وہ آنحضرت کی حدیث نہیں ہو سکتی۔

اور مدرج روایت تو کسی طرح بھی حدیث تسلیم نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں نہ تو صحت روایت ہی ہے نہ صحت راوی۔

Marfat.com

مرفوع کی قسم منقطع بھی حدیث نہیں کیونکہ اس کا تو سلسلہ ہی منقطع ہے۔

علما نے ایسی حدیثوں کو بے خوف وخطر حدیث میں داخل کر کے قوم کو دھوکے سے منوالیا ہے کہ یہ سب حدیثیں ہیں اور حدیث کا منکر قول رسول کا منکر کافر ہے۔ اس کفر کے ڈر سے کوئی تحقیق نہیں کرتا اور جو تحقیق کرتا ہے وہ اپنی تحقیق کو ظاہر نہیں کرتا۔ ایسی حدیثیں اللہ کے رسول کی ثابت نہیں ہوتیں، اس لیے وہ حدیث ہی نہیں ہو سکتیں۔ جن میں شک وشبہ کی گنجائش ہو ان کو رسول کی حدیث نہ کہو بلکہ حدیث کی کتاب سے نکال دو۔

ہاں مرفوع مسند متصل بس یہی ایک قسم کی حدیث رہ جاتی ہے جو قطعاً حدیث کہی جا سکتی ہے بشرطیکہ راویوں کی جانچ میں بھی صحیح اترے یعنی وہ بھی صحیح یا حسن یا ضعیف یا غریب ہو اور پھر یہ بھی کہ متواتر یا مشہور ہو۔

یہ مانا کہ چونکہ لاکھوں موضوع حدیثیں ثم الذین یلونہم میں ہی بن چکی تھیں اس لیے موضوع اور صحیح حدیث کی تمیز کے لیے شرائط مقرر کیے گئے جو مقدمہ میں حدیث کے زیر سرخی بیان ہوئے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان پر عملدرآمد کس طرح ہوا۔

اہلحدیثوں کے ہاں صحاح میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف ہے اس لیے صحیح بخاری کے ہی راویوں کا جانچنا طالب حق کے لیے کافی ہوگا۔

تعصب کی آنکھوں پھوٹیں۔ چونکہ حضرت امام اعظمؒ کوفی تھے اس لئے کوفہ والے جوش تعصب کے سبب غیر معتبر نا قابل روایت حدیث سمجھے گئے۔ سنن ابی داود، مطبوعہ مجتبائی جلد 6 ص 350 میں ہے کہ کوفہ والوں کی حدیث بے نور ہے۔ کوفہ عراق میں ہے اس لیے عراق والے بھی اسی مد میں لائے گئے کہ ان کی سو حدیثوں میں 99 چھوڑ دو اور جو ایک لو بھی تو اسے مشتبہ ہی سمجھو۔

تعصب کی بدبیں آنکھوں نے حضرت امام اعظمؒ کو (جو مسلمانوں کے سرتاج تھے۔ اتباع قرآن مجید کے نمونہ تھے انہوں نے اس کی راہ کھولی اور یہ کہہ کر کہ بغیر سند وتحقیق میری باتوں کو نہ مانو اپنے تفقہ کو بھی دین میں داخل نہ کیا) صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی طرح کسی تصنیف سے نہ کوئی بدعت کھڑی کی، نہ کسی تصنیف کو دین میں داخل کر کے اضافہ علی القرآن کیا، ان متعصبین نے ان کو بری آنکھوں دیکھا کہ ان کا حافظہ ضعیف شمار ہوا۔ وہ حدیث

Marfat.com

سے جاہل گنے گئے۔ وہ مرجیہ، جہمیہ۔ اور زندیق قرار دے گئے۔ خود امام بخاریؒ نے بھی حضرت امام اعظم پر چوٹیں کی ہیں اور تہمتیں دھری ہیں، ان کو ضعیف الحافظہ شمار کر کے بھی ان کے تفقہ کو ناکارہ کیا ہے۔ اور خود حضرت امام بخاریؒ کا تفقہ تھا کہ چار پایہ کے دودھ سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کی نسبت بھی دو جلیل القدر اماموں یعنی امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم نے بہ سبب مسئلہ خلق قرآن تکلم کیا ہے، یہاں تک کہ ان سے روایت ترک کر دی ہے۔ جس پر شیخ الاسلام تاج الدین سبکی نے فریاد کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔ پھر صحیح بخاری کی کتنی حدیثیں یحییٰ بن معین جانتے تھے (خلاصہ تذهیب تهذیب الکمال مطبوعہ مصر ص 422) ایسے حال میں امام احمد بن حنبل کے نزدیک صحیح بخاری کا کیا درجہ قرار پاتا ہے۔

امام مسلم نے اپنے صحیح کے دیباچہ میں امام بخاری کو منتحل الحدیث یعنی جھوٹ موٹ (خود ساختہ) حدیث کا امام لکھا ہے۔

روایت حدیث میں حافظہ کی شرط ہے اور اس کا اعتراض بلا کسی ثبوت کے حضرت امام اعظمؒ پر کیا جاتا ہے، مگر امام بخاری کے حافظہ کو ملاحظہ کرو کہ صحیح بخاری میں بابوں کی تقسیم صحت حافظہ کو باطل کرتی ہے۔ دیکھو الجرح علی البخاری، اس کے سوا ان کے اوہام بھی مشہور ہیں دیکھو المتفق و المفترق تصنیف خطیب بغدادی۔

بہر حال جن جن صاحبوں سے اماموں نے اور خود حضرت امام بخاریؒ نے روایت کرنی ناجائز قرار دی ہے، اور از روئے روایت ان کو مردود کہا ہے، ان سب سے بخاری میں روایتیں موجود ہیں، جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، اور جس پر ایمان و عمل کا دارومدار بتایا جاتا ہے، اور جو اہل حدیث احباب کے ہاں عملاً ناسخ قرآن بھی تسلیم کی گئی ہے۔

مثلاً:

1- امام بخاری اور امام مسلم کے صدہا راوی عراق کے رہنے والے ہیں۔ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کا ضعیف ہونا خود حضرت امام بخاریؒ نے تسلیم کیا ہے۔ پھر بھی ان سے اپنی صحیح میں روایت

Marfat.com

کی ہے مثلاً چند نام سن لو۔

ابراھیم بن اسمعیل بن مجمع۔ اسمعیل بن ابان ابواسحٰق۔ ایوب بن عائذ الطائی، حارث بن شبل، زھیر بن محمد التیمی الغبری۔ سعید بن ابوعروبہ۔ عبداللہ بن ابی ولید عبدالملک بن اعین۔ عبدالوارث بن سعید۔ عطاء بن السائب بن زید۔ عطاء بن ابی میمونۃ البصری۔ عکرمہ بن خالد المخزومی۔ کھمس بن المنھال۔ ان ضعفا میں سے اسمعیل بن ابان کو متروک الحدیث اور عکرمہ بن خالد کو منکر الحدیث خود امام بخاری نے لکھا ہے، اور ان سے روایت بھی کی ہے (علامہ ذہبی میزان الاعتدال، مجلد اول ص 5 اور طبقات الشافعیۃ الکبری جزو ثالث ص 148 اور تدریب الراوی مطبوعہ مصر ص 127) باوجودیکہ خود فرماتے ہیں کہ جس راوی کی نسبت میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت جائز نہیں۔ نقل ابن القطان ان البخاری قال: کل من قلتُ فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ۔

2- مرجیہ کی نسبت حدیث بیان کی جاتی ہے۔ صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب۔ احدھما مرجی والاخر قدری۔ کما رواہ الترمذی، یعنی میری امت میں مرجیہ وقدریہ مسلمان نہیں۔ اور ان سے روایت کرنی ناجائز قرار دی گئی ہے۔ اس پر بھی امام بخاریؒ نے مرجی راوی بھرے ہوئے ہیں۔

امام بخاریؒ نے مرجیوں سے روایت کی ہے۔ ان کی اس روش پر علامہ ذہبی نے بھی تعجب ظاہر کیا ہے (دیکھو میزان الاعتدال، مجلد اول، ص 134) امام بخاریؒ نے کہا کہ ایوب مرجیہ میں سے تھا اور ارجاء کے سبب اس کو ضعفا میں داخل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایوب پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس سے روایت واحتجاج بھی کرتے ہیں۔

اس طرح امام ذہبی نے مقسم کی نسبت لکھا ہے کہ ان سے امام بخاریؒ نے روایت بھی کی ہے اور ان کو ضعفا میں بھی شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال، مجلد ثالث، ص 198)

امام بخاریؒ نے کہا کہ امام ابو یوسف ضعیف ہیں، اور ابوداؤد اور نسائی نے لکھا کہ امام محمد ضعیف ہیں، علامہ ذہبی نے صحیح بخاری کے ایک راوی محارب بن دثار کی نسبت لکھا ہے: وقال

Marfat.com

ابن سعد "لا یحتجون به کان ممن یرجی علیاً و عثمان ولا یشهد علیهما بایمان ولا بالکفر (میزان الاعتدال مجلد ثالث ص 9) " یعنی ابن سعد نے کہا کہ لوگ محارب بن دثار کے ساتھ احتجاج نہیں کرتے جو من جملہ ان کے تھا جو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے لیے ارجاء کا رویہ اختیار کرتے تھے۔ یعنی نہ ان کے ایمان کی گواہی دیتے تھے نہ ان کے کفر کی شہادت دیتے تھے۔" ایسوں سے روایت لی گئی اس کتاب میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے تو ایسی حدیثوں کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھو تو سمجھو اور داخل فی الدین کرو تو کرو۔

مزید تفصیل سے بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ مختصراً یہ کہ تھذیب تھذیب الکمال لذھبی اور کتاب الجمع بین رجال الصحیحین لابن القیسرانی الشیبانی ملاحظہ کرو۔

ابراھیم تیمی۔ عمرو بن مرو۔ ذر ھمدانی۔ ابو معاویہ ضریر۔ یحیٰی بن ذکریا بن زائدہ۔ مسعر بن کدام۔ طلق بن حبیب۔ عبدالعزیز بن ابی داؤد۔ عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی داؤد۔ خارجہ بن مصعب۔ محمد بن السائب۔ ابراھیم بن طھمان۔ یہ سارے مرجیہ ہیں اور تمام صحاح ستہ میں ان سے روایتیں بکثرت موجود ہیں۔ ایوب بن عائذ الطائی کو کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری ص 5 میں خود امام صاحب مرجی بھی فرماتے ہیں اور صدوق بھی۔ شبابہ بن سواع الفزاری عبدالحمید بن عبدالرحمن الحمانی یہ سب داعیان مرجیہ تھے، اور ان سارے مرجیوں سے صحیح بخاری میں روایتیں موجود ہیں۔

صحیح بخاری کے راوی جو نصب[1] کے قائل ہیں (یعنی وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے) اسحق بن سوید العدوی (جلد اول صفحہ 236) ان پر ثقہ کا اطلاق ہوا ہے۔ حریز بن عثمان۔ (مجلد الثانی، صفحہ 436) حصین بن نمیر الواسطی۔ (مجلد الثانی، صفحہ 391) قیس بن ابی حازم (مجلد الثامن صفحہ 386) یہ سب ناصبی راویان حدیث ہیں۔ (دیکھو تھذیب التھذیب، جزء اول ص 236)

---

[1] یہ غلط ہے نصب کی ضد عزل ہے یعنی کسی کو عہدہ دینا یا عہدہ سے معزول کرنا، سیدنا عمر فاروق نے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کو خلافت پر نصب کیا تھا سیدنا عمر کو مطعون کرنے کے لیے یہ ناصبی کی گالی ایجاد کی گئی۔ (امتیاز)

Marfat.com

صحیح بخاری کے شیعہ راوی۔ اسمعیل بن ابان۔ حریر بن عبدالحمید۔ سعید بن فیروز۔ سعید بن عمرو بن اشوع۔ خالد بن مخلد القطوانی۔ عباد بن العوام۔ عباد بن یعقوب۔ عبداللہ بن عیسٰی بن عبدالرحمن بن ابی لیلٰی۔ یہ سارے شیعی راویان احادیث ہیں۔ (دیکھو تہذیب التہذیب، جزء اول، ص 270 و جزء ثانی ص 70 و جزء رابع ص 73,67 و جزء ثالث ص 117، جزء خامس ص 99,109,352) امام بخاریؒ کے نزدیک شیعہ اور رافضی سب وشتم کرنے والے بہتیرے راوی ثقہ ہیں۔

صحیح بخاری کے قدریہ راوی۔ ثود بن یزید لحمصی 2/33، جسمان بن عطیة المحاربی حسن بن ذکوان (دیکھو تہذیب التہذیب جزء ثانی ص 35,251,276)

صحیح بخاری کے خوارج راوی۔ عکرمہ مولٰی ابن عباس۔ ولید بن کثیر۔ عمران بن حطان (دیکھو تہذیب التہذیب جزء سابع ص 267، جزء حادی عشر ص 148، جزء ثامن ص 127)

صحیح بخاری کے جہمیہ راوی علی بن ہاشم (تہذیب التہذیب جزء سابع ص 394)

مثالاً مختصر سے نام دیئے گئے، فہرست کہاں تک دی جائے۔

صحیح بخاری کے راویوں میں سے ایک جماعت ضعیف اور مجہول راویوں کی بھی ہے (دیکھو میزان الاعتدال مجلد ثالث ص 3) جسے تفصیل دیکھنی ہو وہ الجرح علی البخاری مؤلفہ مولانا محمد عمر حنفی کا مطالعہ کرے جس نے عقیدت کا چشمہ اتار کر حقیقت کھول دی ہے۔

اس اتنے بیان سے اتنا تو ضرور واضح ہوتا ہے کہ انسانی تصنیف کتاب اللہ کی جگہ نہیں لے سکتی اور نہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں اساس دین ہو سکتی ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الٰہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

احقاق حق

میں صحیح حدیثوں کا قائل ہوں

لوگ میری اس کتاب کے جستہ جستہ مقامات سے بالخصوص ان آخر کے دونمبروں سے بدگمانی اور اعتراض کو اٹھ کھڑے ہوں گے کیوں کہ یہ حضرات قرآن مجید کو لغو، بیکار، مجمل اور نامکمل سمجھتے ہیں، اگر کوئی سمجھے تو مضائقہ نہیں، مگر حدیث کا معترض تو منکر حدیث ہوا، وہ کافر اور خلود فی النار کا مستوجب نہ ہوگا۔ مگر ان کو معلوم رہے کہ کسی کے کافر کہہ دینے سے کوئی کافر نہیں ہوتا، اور نہ جنت و جہنم کے اختیارات کوئی اللہ سے چھین سکتا ہے۔ میرا مقصد احقاق حق ہے۔ میں صحیح حدیثوں کا منکر نہیں اور اس کے منکر کو مستوجب سزا سمجھتا ہوں لیکن موضوع اور غلط حدیثوں کا میں حامی بھی نہیں اور اس کے حامی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتہام رکھنے والا سمجھتا ہوں۔

اگلے بزرگوں نے جائز یا ناجائز حدیث کے متعلق جو کوششیں کیں ان کا مطلب کیا تھا صحیح حدیثوں کا غلط حدیثوں سے چننا، اسی غرض سے انہوں نے شرائط مقرر کیے ہیں ان بزرگوں کی عزت کرتا ہوں لیکن ان کو رسول مورد وحی نہیں مانتا۔ نہ ان کے شرائط کو مایوحی اور ما انزل اللہ مانتا ہوں۔ اس لیے حقیقت میں میرا اختلاف ان شرائط سے ہے جن شرائط پر حدیثیں پرکھی گئی ہیں جس کو میں بیان کروں گا۔ کیونکہ ان شرائط میں کوئی قطعیت نہیں۔

اگر حدیثیں اس طرح پر جانچی جائیں جس طرح پر وہ جانچی گئی ہیں تو میں نے ابھی اوپر کے نمبر میں دکھایا ہے کہ صرف ایک ہی قسم کی حدیث یعنی مرفوع مسند متصل جو راویوں کے جانچ پر بھی صحیح اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہی جاسکتی ہے۔ اگر اس میں بھی تواتر کی قید لگاؤں تو سوائے قرآن مجید کے اور کیا رہے گا یا چار پانچ حدیثیں، کیونکہ متواتر حدیثیں یا تو ہیں نہیں یا تین اور پانچ سے متجاوز نہیں۔ تو رہ گئی مشہور کی قید۔ اس طرح پر تو حدیث کا ذخیرہ ہی غائب ہوجاتا ہے۔ اس پر بھی یہ حدیثیں افادۂ ظن ہی کرتی ہیں اور ظنیات سے نہیں نکلتیں اور اللہ نے فرمایا۔ ''ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ظن وگمان حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا۔'' (یونس:36) اس لیے حدیثوں کو اس طرح جانچو جس میں قطعیت پیدا ہو۔

Marfat.com

میں نے مقدمہ میں فیصلہ کی زیر سرخی قرآن مجید کی آیتوں سے دکھایا ہے کہ قرآن مجید حق و باطل کی ترازو ہے اور خدائی ترازو۔ تو حدیثوں کو قرآن مجید پر ہی کیوں نہ تولو۔ جو حدیث قرآن مجید کے مخالف ہو تو وہ رسول کی حدیث ہو نہیں سکتی۔ جو حدیث حاکم علی القرآن اور قرآن مجید کو منسوخ کرنے والی، کم و بیش کرنے والی، اور اس طرح حدود اللہ کو توڑنے والی ہو، وہ بھی حکم خداوندی لا تعتدوا کے اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہو نہیں سکتی۔ تو ایسی حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو نہیں سکتیں ان کو حدیث کی کتابوں سے نکال دو اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منسوب بھی نہ کرو اور قرآن مجید کے مطابق ہونے کی صورت میں چاہے وہ موجودہ شرائط کی رو سے روایت اور راوی کے سلسلہ پر صحیح نہ بھی اتریں، لیکن وہ بعبارت دیگر قرآن کی تصدیق کردہ ہیں۔ قرآن قول رسول ہے مگر منزل --- اور حدیث قول رسول ہے مگر غیر منزل۔ لہٰذا

1- خلاف عقل حدیثیں تو قرآن مجید کی مطابقت میں اتریں گی نہیں ان کو بھی حدیث سے اور قول رسول سے خارج کر دو۔

2- انذار کی نسبت بھی حکم تھا انذر بہ الذین الخ قرآن مجید سے انذار کرنے کا۔ اس لیے اس سے فاضل جو انذار کی حدیث پائی جائے وہ بھی رسول کی حدیث نہیں۔

3- اسی طرح ترغیب، ترہیب، فضائل، رسومات ملکی، انتظام شاہی وغیرہ وغیرہ جو قرآن مجید سے فاضل ہیں، وہ رسول کی حدیث نہیں، اللہ نے فرمایا ہے: **الیوم اکملت لکم دینکم** دین کامل ہو چکا، نعمت قرآن مجید دے کر اللہ نے تمام کر دی۔

قرآن کے مطابق حدیثیں:

افسوس کہ قوم نے ادھر توجہ نہ کی، اور حدیث کو قرآن مجید یعنی اللہ کی دی ہوئی ترازو پر نہ تولا۔ اگر ادھر توجہ کرتی تو بہت سی حدیثیں قرآن مجید کے احاطہ میں ملتیں اور وہ علاوہ اس کے کہ متواتر کے درجہ سے کم نہ ہوتیں، روایت اور راوی کی جانچ سے بھی بے نیاز کر دیتیں مثلاً کس قدر اصولی حدیث ہے۔ **انما الاعمال بالنیات وانما لامرءٍ مانوی** الخ اس کے اسماء رجال کو کیوں دیکھو، راویوں کے ادھیڑ بن میں کیوں پڑو، اس کو قرآن مجید میں کیوں نہ دیکھو۔ اللہ فرماتا ہے: **من**

Marfat.com

یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا و من یرد ثواب الاخرۃ نوتہ منہا (آل عمران: 145)
"جو ارادہ یا نیت کرتا ہے ثواب دنیا کا اسے وہ ملتا ہے، اور جو ارادہ یا نیت کرتا ہے ثواب اُخروی کا اسے وہ ملتا ہے۔" یعنی جیسی نیت ویسا پھل۔ قرآن وحدیث دونوں کا ایک ہی مطلب ہے اسی کو اللہ نے سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے: ولکن یواخذ کم بما کسبت قلوبکم (البقرہ: 225)
اعمال کا مواخذہ اللہ تمہاری نیت کے مطابق کرے گا جیسی نیت ویسا نتیجہ۔

اعمال کی ایک صورت اور بھی ہے۔ اعمال جاریہ، جسے کھیتی کہو کہ بوؤ ایک اور حاصل کرو سو۔ یعنی خیر جاریہ اور شر جاریہ۔ تو اس کی نسبت اللہ فرماتا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ (الشوریٰ: 20) "جس کی نیت آخرت کی کھیتی کی ہوگی تو ہم اس کی کھیتی میں بڑھتی دیں گے یعنی دین کیساتھ دنیا بھی۔ اور جس کی نیت دنیا کی کھیتی کی ہوگی تو ہم اسے دنیا تو دیں گے مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔" خیر جاریہ ہی کو لوگوں نے بدعت حسنہ بھی کہا ہے۔ جیسے قرآن چھاپنا، مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔ قرآن سمجھنے کے ذرائع سہل کرنا۔ تبلیغ دین کے لیے کتابیں لکھنی، مدرسہ قائم کرنا، یتیم خانہ کھولنا، تراویح جاری کرنی اور کل وہ کام جو مسلمانوں کی راحت رسانی، ان کی ظاہری اور باطنی فلاح و بہبود کے لیے بہ نیت رضائے مولیٰ کئے جائیں اور اس میں قیام ہو، اس کے فوائد، متعدیہ جاریہ ہوں، وہ خیر جاریہ اور حرث الاخرۃ میں داخل ہیں، ان کے ساتھ بدعت کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح تعزیہ بنانا، علم و تابوت نکالنا، مرثیہ خوانی کی شاعرانہ غلط روایتوں کی مجلسیں قائم کرنا جس میں اہل بیت کی تضحیک ہو، یا رسومات پیر پرستی، مزار پرستی، یا اللہ طلبی ہی کے لیے ماسوا پرستی، یا ایسے کل وہ کام جو اللہ کے ساتھ کی نسبت توڑ کر ماسوا کی نسبت کے ساتھ قائم ہو کر داخل فی الدین ہوں، وہ شر جاریہ یا حرث الدنیا میں داخل ہیں۔ ماذبح لغیر اللہ کی طرح حرام۔

قرآن مجید کے مطابقت کی حدیثیں اس کتاب میں بھی کہیں کہیں دی گئی ہیں، اور بہتیری دی جاسکتی ہیں، مگر اس پر تو ضرورت ہے ایک الگ کتاب لکھنے کی تاکہ قرآن مجید کے مطابق حدیثیں الگ کردی جائیں، تاکہ ان میں قطعیت پیدا ہو اور ان حدیثوں میں راوی یا روایت کی جانچ کی

Marfat.com

ضرورت نہ رہے۔

اے لوگو! امتدادِ زمانہ کی یہ تاثیر دیکھ کر کہ مسلمان برے حال کو پہنچ گئے ہیں، کیونکہ ان کی نسبت اللہ سے ٹوٹ گئی ہے اور اس لیے اسلام کی ودیعتیں ان سے چھن گئی ہیں، ان میں ایک جماعت جو اپنے کو پابند شریعت کہتی ہے اس نے قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینکا ہے، اور احبار پرست ہو گئی ہے اور دوسری جماعت جو اپنے کو فی زمانہ صوفی کا لقب دیے ہوئے ہے، اس نے بھی قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینکا ہے، اور رہبان پرست ہو گئی ہے۔ اللہ سے سب کی نسبت ٹوٹ گئی ہے، دل بے چین ہو گیا اور بے چین ہے۔ قرآن مجید ہرگز اس سلوک کا مستحق نہیں جو اس کے ساتھ مسلمان کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن ہی کی تعمیل اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ جب قرآن کی اطاعت نہیں تو اللہ و رسول کی اطاعت نہیں، اسی دکھ نے مجبور کیا کہ میں اللہ و رسول کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو پھر سے جوڑوں اور اللہ کی رضا اور اس کے حکم و اشارہ کی تعمیل کروں۔ ایک دن یہ ہونا ہے اور ہو کر رہے گا۔ ایک دن قوم میری باتوں کو حق سمجھ کر گردن جھکائے گی مگر میرے بعد کیونکہ یہی اللہ کا باندھا ہوا قانونِ فطرت ہے۔

مجھے کسی کے برا بھلا کہنے کی پرواہ نہیں کیونکہ میں اللہ کے حضور میں اللہ کی ہدایت سے اپنے رسول اپنے مرشد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے مطابق لکھ رہا ہوں اس لیے مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں، میرا نصب العین اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں، میرا لکھنا اس کی رضا کی تعمیل ہے اور کوئی مقصد نہیں۔ مانو نہ مانو، حق کہو ناحق کہو۔ **أَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ أَعْمَلُ وَ أَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔**

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب یازدہم

جواقوال و افعال حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ثابت ہو جائیں وہ حدیث ہے یا جو مشتبہ رہیں وہ بھی، یا جو صحابہ تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی، جو تابعین تک سلسلہ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی، جو تبع تابعین تک سلسلۂ نسبت رکھتے ہوں وہ بھی، یا جن کو علما نے حدیث تسلیم کرلیا ہو وہ بھی یا حدیث کے معنی کتاب حدیث کے ہیں؟

حدیث کا لکھنا اور بکتابت جمع کرنا تو ممنوع ہوا تھا۔ اللہ و رسول دونوں نے منع کیا تھا۔ قرآن میں بھی حدیث میں بھی، میں نے اوپر قرآن کی آیت بھی دیدی ہے اور حدیث بھی۔ قوم نے خلاف کیا تو اس پر قانع نہ ہوئی کہ جو اقوال و افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعاً اپنے مفروضہ شرط ہی کے ساتھ ثابت ہو جائیں انہیں حدیث تسلیم کرے، بلکہ اندھیر یہ ہے کہ جو مشتبہ رہے وہ بھی حدیث ہے۔ جس کا سلسلہ خود نبی تک نہ بھی پہنچتا ہو وہ بھی حدیث ہے جس کا سلسلہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین تک ہی پہنچتا ہو وہ بھی حدیث ہے۔ یا جس کو علما نے حدیث تسلیم کرلیا ہو وہ بھی حدیث ہے یا جس کے راوی بھی مجہول ہوں وہ بھی حدیث ہے یعنی اب تو حدیث کے معنی کتاب حدیث کے ہیں۔ افسوس مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (انعام: 91) ''خدا کی جو قدر کرنی چاہئے تھی وہ لوگوں نے نہ کی۔''

ایسی حدیث کی کتابیں کتاب اللہ کی شریک و سہیم ہی ہو کہ نہ رہیں بلکہ اب تو دین کا مدار ہی حدیث کی کتابوں پر ہو گیا ہے۔ اگر اللہ قرآن مجید کو اٹھالے، جیسے اس نے توریت وانجیل کو اٹھالیا، تو قوم کچھ فریادی نہ ہو، کیونکہ جس طرح متی و یوحنا کی انجیل موجود ہیں ہمارے پاس بھی حدیث کے تیسوں پارے موجود ہیں بلکہ قرآن کا نعم البدل، کہ یہ مجمل ہے اور وہ مفصل، یہ بیکار ہے اور وہ کام کی اور اگر اللہ حدیث کو اٹھالے تو بڑی مشکل آپڑے کہ فرقوں کا اختلاف اسی پر۔ عالموں کی ڈھال تلوار بھی یہی۔ صوفیوں کی تلاوت اور درس کی پونجی یہی۔ وہ بھی ان کی جو متشرع ہوں اور کفر کے فتوؤں کا آلہ یہی مسلمانوں کا میدان رزمگاہ یہی۔ اور حافظان قرآن حاملان وحی سہی،

Marfat.com

محافظان کتاب الٰہی سہی، مگر یہ رگڑے جھگڑے کے کام کے نہیں تو ہیں کس گنتی میں؟ کس عظمت کے مستحق۔ افسوس اللہ کے کلام کی حمایت کرنے والا خدائے حلیم ورحیم کے سوا کوئی نہ رہا۔ اسی لیے دین وایمان جاتا رہا۔ اور مسلمان نام کے مسلمان رہ گئے اگر دین حنیف کی پیرو جماعت ہوتی تو وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾ (صفت: 173) ''بیشک ہمارا ہی گروہ غالب ہے۔'' تم ہی غالب ہوتے کیونکہ اللہ جھوٹا نہیں، اللہ کا تو یہ وعدہ تھا: لَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ (النساء: 141) مسلمان مغلوب نہ ہوتے۔ مگر یہ بدیہیات میں داخل ہے، کہ تمام دنیا کے مسلمان افسوسناک حالت کے ساتھ مغلوب ہیں، مسلمانوں کی تباہی کا راز اصل میں یہ ہے کہ اللہ کو بھول بیٹھے، قرآن کو چھوڑ بیٹھے: نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ (حشر: 19) ''خدا کو کیا بھولے کہ اللہ نے خود انہیں کو ان سے بھلا دیا۔'' وہ اپنے سے ایسے بے خبر ہو رہے ہے کہ کتنے ہوش دلانے والے مر گئے مگر ان کو ہوش نہ آنا تھا نہ آیا۔ جب اللہ سے نسبت ٹوٹ گئی تو وہ عبادات میں، معاملات میں، اخلاق میں، ادائے حقوق میں کیونکر صحیح اتریں۔ نہ ان کا ایاك نعبد صحیح نہ ایاك نستعین ٹھیک۔ نہ یہ لا الہ الا اللہ سمجھتے نہ محمد رسول اللہ پر دھیان دیتے۔ جب کلمہ ایمان زبانی جمع خرچ ہو گیا، جس سے دھیان بے حس اور دل بے خبر، کہ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم (آل عمران: 167) ''وہ منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔'' تو ایسے حال میں ان کے اعمال کا کیا پوچھنا۔ چونکانے والے واعظین وراثت انبیا کے تخت نشین: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾ (صف: 2) ''کیوں وہ کہو جو خود نہ کرو'' کے مصداق ہیں۔ غرض سارے کے سارے اللہ کو چھوڑ بیٹھے، اس کے کلام سے منہ موڑ بیٹھے: فأین تذھبون تو اے لوگو! کہاں جا رہے ہو۔ سنو سنو! الیس اللہ بکافٍ عبدہ کیا اللہ اس کے بندے کو کافی نہیں۔

طاعت مانیست غیر از ورزش پندار ما
ہست استغفار ما محتاج استغفار ما

ہاں تو میری غرض یہ ہے کہ حدیث کی کتاب تو حدیث نہیں ہوسکتی۔ حدیث تو اقوال وافعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو بلا شائبہ شک وشبہ ہم تک پہنچیں، اور ہم جانچ بھی لیں کہ آپ

Marfat.com

کے قول مُنزّل اور قول غیر مُنزّل میں اختلاف تو نہیں، یا حدود اللہ تو نہیں ٹوٹتے۔ بس یہ حدیث ہیں۔ اوروں کے اقوال و افعال حدیث نہیں سمجھے جا سکتے، کہ یہ شرک فی النبوت ہوگا۔ پھر راویان احادیث کی معصومیت، قرآن سے ثابت نہیں، داخل دین نہیں، داخل ایمان نہیں، معصوم رسول اللہ کے سوا کوئی نہیں، پھر راویوں پر کوئی ایمان نہ لائے تو کافر نہیں۔ ایسے حال میں اقوال و افعال صحابہ، تابعین، تبع تابعین کس اصول سے حدیث کہے جانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اور اسماء رجال کی کتابیں کچھ وحی کی کتاب نہیں، مُنزّل من اللہ نہیں، وہ کس اصول سے دین میں جگہ پانے کا استحقاق رکھتی ہیں۔ یوں بلا بینۂ رب محض عقیدت کی بنا پر اتنا کچھ مانتے ہو تو تثلیث ماننے والے عیسائیوں سے کیوں جھگڑتے ہو اور غلام امام شہیدؒ کی میلاد پر کیوں منہ آتے ہو۔ عقیدت کے آگے تو نہ ثبوت کی ضرورت، نہ دلیل کی حاجت۔ آخر مجنوں تو خلافت کا مستحق لیلیٰ ہی کو سمجھے ہوئے تھا۔

اگر عقیدت نہیں اور تحقیق کی آنکھوں سے دیکھو تو: **کنز الوصول فی معرفة حدیث الرسول** ملاحظہ کرو، یہ کتاب قلمی بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔ لائبریری کا نمبر 22 ہے اس کے صفحہ 65 میں لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک کتاب تاریخ کی لکھی ہے جس میں انہوں نے 250ھ تک کے ان راویوں کے نام لکھے ہیں جن سے روایت کی گئی ہے۔ ان راویوں کی تعداد معہ عورت و مرد چالیس ہزار ہے۔ کیا اسماء رجال کی کتابیں اتنے راویوں کے حالات کی چھان بین کی ذمہ دار ہو سکتی ہیں، خصوصاً عورتوں کے حالات کی۔ اسماء رجال نے خود حدیث کی حیثیت اخبار و تاریخ سے زیادہ نہیں رکھی۔

کیا دین اسلام کی بنیاد ایسی ہی روایتوں پر ہے اگر قرآن مجید ہی دین اسلام کی بنیاد تسلیم نہ ہو تو دین کی بنیاد ہی ہل جاتی ہے اور ایک خطرناک دلدل پر قائم ہوتی ہے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، تو عمارت کمزور پڑی۔ بہتیرے کنگرے گر بھی پڑے اور بہتیری جگہ دیواریں شق بھی ہو گئیں، جن سے غنیم کو راہ مل گئی اور کس وقت؟ جس وقت عمارت والے آرام میں پڑے سوتے تھے۔ اللہ

اللہ کل یوم ھو فی شان ---- فآمنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ ...... محمد رسول اللہ ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب دوازدہم

قرآن مجید مجمل ہے یا مفصل، کامل ہے یا ناقص، محتاج تفسیر ہے یا نہیں، اگر محتاج تفسیر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا خلفا نے یا صحابہ نے کوئی تفسیر لکھی، یا لکھوائی یا نہیں۔ نہیں لکھی تو قرآن مجید کو مجمل نا قابل عملدرآمد کیوں چھوڑا۔ یہ تبلیغ دین کی تکمیل کی خدمت جو سب کاموں سے، خلافت کے جھگڑوں اور فتح شام ومصر سے بھی مقدم تھی ترک کیوں کی گئی۔ دراں حالیکہ ختم نبوت کے بعد کوئی نبی آنے والا ہی نہیں جو قرآن مجید کے اجمال کو کھولے اور اگر قرآن مجید مجمل اور محتاج تفسیر نہیں ہے تو مجمل اور محتاج تفسیر بالاتفاق کیوں تسلیم کیا جاتا ہے، آیا کسی آیت کی رو سے یا کسی حدیث مرفوع متصل کی رو سے یا کسی عالم کے کہہ دینے سے؟

یہ سوال علماء کے شاخسانوں سے پیدا ہوا ہے جو قرآن مجید کو مجمل کہہ دینے میں بے باک ہیں حقیقت میں وہ مفصل ہے اور کامل ہے یہ مجمل ہے نہ ناقص ہے۔ نہ معمہ اور چیستان ہے کہ محتاج تشریح وتفسیر ہو۔ ایسا ہوتا تو خدام اسلام جنہوں نے اپنے آبائی ایمان اور اپنی عزیز جان تک اسلام پر نثار کی وہ نبی کی حضوری میں اس خدمت سے چشم پوشی نہ کرتے اور تفسیر لکھنے کی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھتے، جس پر آپ کی مہر بھی ہو جاتی۔ بلکہ وہ بے تفسیر کے قرآن کو سمجھتے تھے اور اس پر عمل پیرا رہے۔

قرآن مجید مجمل کیوں ہونے لگا جب خود اللہ کا دعویٰ ہے کہ ہم نے مفصل کتاب اتاری ہے: وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ (انعام:114) ''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری۔'' لفظ مفصل کی تاویل کرتے رہو، اور اس تاویل سے جھگڑوں کی بنیاد قائم کرتے رہو، مگر اس صریح آیت کے بعد قرآن کو مجمل کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اگر تم کو قرآن مفصل معلوم نہ ہو، تو یہ تمہاری سمجھ کا قصور ہے، سمجھ کی صحت کے درپے رہو جب تک سمجھ میں آئے۔ غرض قرآن مجید کو یا تو اس طرح مفصل مانو جس طرح میں نے مفصل دکھایا ہے یا جس طرح تمہاری تشفی ہو سکے، مگر مفصل ہی مانو ورنہ قرآن مجید کا انکار ہوگا۔

Marfat.com

قرآن مجید اس دعویٰ کی تکرار پر تکرار سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ جانے کتنی جگہ اللہ نے فرمایا ہے تفصیل الایٰت اور قد فصلنا الایٰت اور کل شئ فصلنٰہ تفصیلا۔ ہم آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں اور بیشک آیتوں کو ہم نے مفصل بیان کیا ہے، اور ہم نے ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو تفصیل کا حق ہے (توبہ:11، انعام:125، بنی اسرائیل:12) ایسی آیتوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے، مگر قوم کو صریح آیتیں پا کر بھی اپنی ذہانت نما تاویل میں ذرا بھی جھجک پیدا نہیں ہوتی، اور قرآن مجید کو مجمل کہنے میں لکنت بھی نہیں آتی۔ سنو سنو قرآن مجید کو یا اس کے کسی حکم و ہدایت کو مجمل کہنے سے تفصیل کی ساری آیتوں کا انکار ہوتا ہے تو اس سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔ واللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین۔

خدا نے فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (نحل:89) ''ہم نے تم پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور وہ ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے مسلمانوں کے لیے۔'' ہر چیز کا ایسا بیان جو پردۂ خفا میں ہو یا مجمل ہو یا ناکامل ہو، جس پر بغیر انسانی رائے کی تفسیر اور اضافہ کے عملدرآمد نہ ہو سکے، وہ ہدایت اور رحمت کیونکر ہے۔ مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ کا امر اور سود کی نہی موجود، مگر صرف لفظی احکام تو ہیں اور کس طرح یہ تعمیل کئے جائیں مجمل ہیں قرآن میں موجود نہیں، اور ان کے نافرمانوں کے لیے جہنم تیار، کیا، عدل خداوندی اس کا مقتضی ہے۔ کیا یہ مقتضائے انصاف ہوگا کہ حکم تو ایسا مجمل دے کہ تعمیل نہ ہو سکے اور ان کی تعمیل کے لئے انسان مرکب خطا و نسیان کی تصنیفوں اور طبع آزمائیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے، تو ایسا حکم رحمت ہے یا زحمت۔ قرآن کا مجمل دکھائی دینا قوم کے آبائی عقیدوں اور علماء متقدمین کی سطوت سے پیدا ہوا ہے، ورنہ میرے نزدیک تو بلاشبہ جیسا اللہ نے فرمایا ہے قرآن مجید میں تمام دینی باتوں کی مفصل ہدایت موجود ہے اور بلاشبہ قرآن مجید عین ہدایت و رحمت اس کے عمل کرنے والوں کو اللہ کی بشارتیں پہنچیں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف:52) ''ہم نے ان کو کتاب پہنچا دی جس کو ہم نے بر بنائے علم نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔'' امنا و صدقنا حیرت در حیرت کہ اللہ مفصل کہے تو

Marfat.com

وہ غلط، اور علماء مجمل کہہ دیں تو وہ صحیح۔

خدا نے فرمایا: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (حٰم سجدہ:3,4) ''یہ ایک کتاب ہے یعنی قرآن عربی زبان کا کہ اس کی آیتیں مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہ سمجھ والوں کے لیے بشیر و نذیر ہے، تو ان میں سے بہتیروں نے اعراض کیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔'' بے شک قرآن کی آیتیں مفصل بیان کی گئی ہیں، صدق اللہ تعالیٰ مگر لوگوں کا حال یہی جب تھا اور یہی اب ہے، پہلے کفار اعراض کرتے تھے سرکشی کی وجہ سے، اور اب مسلمان اعراض کرتے ہیں مجمل کہہ کر علماء پرستی کی وجہ سے اور تفصیل و تفسیر کے معنی سمجھائے گئے ہیں حاشیہ چڑھانے اور رنگ آمیزی کرنے کے لیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (اعراف:203)

''کہہ دو اے رسول! کہ جزایں نیست کہ میں قرآن مجید کی اتباع کرتا ہوں، یہ تمہارے اللہ کی طرف سے بصیرت ہے۔'' معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مجمل قرآن کی اتباع کیسے فرماتے تھے۔ اگر آپ کی اتباع کسی دوسری وحی غیر متلو یا حضرت جبرئیل کے مشوروں پر تھی، تو یہ قرآن مجید کی اتباع کیونکر ہوئی۔ اور اگر قرآن مجید کو مجمل محتاج تفسیر کہو تو یہ بصیرت کامل ہوگی یا ناقص۔ نجات دلانے والی ہوگی، یا دھندلکے میں گرانے والی۔ حاشا قرآن مجید کی تجلی دھندلی نہیں، وہ تو خدائی تجلی ہے ہاں جسے دکھائی دے۔ اسی کی تجلی میں رسول اللہ ﷺ ڈھلے ہوئے تھے اور اسی کی روشنی صحابہ اور ہر منزل مراد پر پہنچنے والوں کے لیے مشعل راہ رہی ہے۔

تفصیل و اجمال کا فیصلہ قرآن مجید طرح طرح سے کر رہا ہے، اب اس کے فیصلہ کو بھی مجمل کہہ دو تو پھر مفصل کسے کہو گے۔ قرآن مجید دے کر اللہ نے دین کامل کر دیا، یہ کسی کتاب کا محتاج نہیں۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ اور اپنی کتاب دے کر اس نے نعمت تمام کر دی آئندہ زمانہ پر اٹھا نہ رکھی۔ اتممت علیکم نعمتی۔ اللہ کی باتیں ادھوری نہ رہیں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ ''تیرے پروردگار کا کلام سچائی اور انصاف میں پورا ہے۔ اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں'' (انعام:115) جہاں یہ دعویٰ ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ دین کی کوئی چھوٹی بڑی بات بیان سے رہی نہیں

Marfat.com

ہے۔تو اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دکھائے کہ جو باتیں دین کی ہیں چھوٹی ہوں یا بڑی قرآن میں موجود ہیں اور جو قرآن میں نہیں وہ دین کی بات نہیں، پھر ساری باتیں تمام ہیں، کامل ہیں، مفصل ہیں، بصیرت حاصل کرنے والوں کے لیے بصیرت تام ہیں، سراسر ہدایت ورحمت ہیں، تو بشارت ہے مومنوں کے لیے جو ایسا سمجھتے ہیں۔

اگر قرآن مجید کو مجمل کہو اور محتاج تفسیر تو اس کی دلیل قطعی کیا ہے، کون سی آیت اس کی حامی ہے، اگر کوئی آیت اس کی حمایت نہیں کرتی تو یہ عقیدہ علی بیّنۃ رب نہیں ہے، بلکہ تفصیل کی آیتوں کے صریح خلاف ہے، بالفرض ایسا سمجھو تو اس کی تفسیر کرو گے ظنیات سے اور ظنیات سے تفسیر کرنے میں وہ قطعی ظنی ہو جائے گا اور قرآن مجید کی قطعیت ہی کھو جائے گی، پھر جب قرآن مجید کی قطعیت ہی نہ رہی، تو چاہے تفسیر کرو نہ کرو، دوسرے ظنیات کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے۔

ان الظن لا یغنی من الحق شئیا۔ ظن وگمان حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔

خدا نے فرمایا: **قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾**

(یونس:108) ''کہہ دو اے لوگو! اللہ کی طرف سے تمہارے پاس قرآن آچکا تو جس نے ہدایت حاصل کی وہ اپنے لئے اور جو گمراہ ہوا تو اس کا وبال بھی اسی پر، ہم تم پر کچھ مسلط تو ہیں نہیں۔'' آپ نے قرآن مجید لاکر دیدیا ہے چاہے ہدایت حاصل کرو نہ کرو، اب رسول کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، اور اگر آنحضرت ﷺ کو ذمہ دار ٹھہراؤ کہ ان اجمال کو کھولنے کے آپ ذمہ دار ہیں تو **ما انا علیکم بوکیل** اور آپ کی برأت ذمہ داری کی جتنی آیتیں ہیں وہ کیونکر صحیح ہوسکتی ہیں۔اس لئے قرآن مجید کو مفصل اور کامل تسلیم کرنا ناگزیر ہے، کہ وہ کسی طرح تفصیل وتفسیر کا محتاج نہیں۔ تفسیر تو غیر عرب کے لیے ہے کہ وہ صرف ونحو اور لغات ومحاورات کے دقائق کو کھولے تاکہ زبان نہ جاننے والوں کے لیے باعث سہولت ہو۔اس سے قرآن محتاج تفسیر وتفصیل نہ ہوجائے گا۔

یہ کہنا کہ قرآن مجید نہایت **مُغلَق** اور دنیا کے سارے علوم وفنون کی آمیزش سے نہایت **اَدَق** بنا کر اتارا گیا ہے کہ ہر کوئی اس کے مطالب کو پا نہ سکے، بلکہ برہمنوں اور پنڈتوں کی طرح مدرسہ کے سند یافتہ علماء ہی جو شان نزول کے اسرار وقصص اور ناسخ ومنسوخ کے رموز سے واقف

Marfat.com

ہوں اس کو سمجھیں تو سمجھیں۔ یا اس کے سمجھنے کے لیے ایام جاہلیت کے اشعار اور وہ بھی لاکھ دو لاکھ یاد ہونے لازمی ہیں۔ یا اس کے سمجھنے کے لیے منطق، فلسفہ، طبیعیات، علم مجادلہ، وغیرہ وغیرہ، سلسلۂ نظامیہ کے سارے نصاب سے آگاہی ہونی بلکہ ان میں کمال ہونا ضروری ہے، اس لیے ہم کو قرآن سے کیا فائدہ اور کیا تعلق، ہم کو اس سے کیا کام اور کیا واسطہ، ہم کو علما سے کام ہے جو ان صفات کے ہوں، یا ایسے علما سے جو علما کی رایوں اور ان کے اختلافات کو کتاب دیکھ کر بیان کر سکیں اور ان باتوں کا ذخیرہ چونکہ تفسیر میں ہی ہے اس لیے ایسے علماء جو تفسیر پڑھ کر ترجمہ کر سکتے اور اختلافات بیان کر سکتے ہوں درکار ہیں، قرآن سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن جن پر اترا تھا یا جن کو تبلیغ کیا گیا تھا کوئی بھی ان صفات کا نہ تھا۔ نبی اُمی بھیجے گئے تھے امیوں ہی میں: **هو الذی بعث فی الامیین رسولا**۔ ''خدا نے امیوں میں رسول بھیجا، درسی علما میں رسول نہیں بھیجا'' (الجمعہ: 2)، اسی لیے فرمایا: **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾** (القمر: 17) ''ہم نے قرآن نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔'' خداوند عالم نے قرآن مجید ہر کس و ناکس، عالم و جاہل، سب کی ہدایت کے لیے اتارا ہے، اس لیے ویسا ہی آسان بھی کر دیا ہے، کہ ایک اعرابی سمجھ لے، اگر سمجھنا چاہے تو: **وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾** (یونس: 92) ''انسانوں میں سے بہتیرے میری آیتوں سے غافل ہیں۔'' سچ ہے سراسر غفلت ہے۔ اس لیے قرآن سمجھنے سمجھانے کی صلاحیت ہی جاتی رہی، پھر قرآن کی تفصیل منکشف ہو تو کیونکر۔ یہ کام تھا علما کا مگر کرنا پڑا مجھ جیسے جاہل کو، کیا کیا جائے، اللہ کی مرضی، اگر قرآن مجمل ہے اور حدیث مفسر قرآن قطعی ہے تو اس دعویٰ کی مدعی کونسی آیت یا کونسی حدیث صحیح ہے **اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾** (37/156،157) اگر تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ثبوت کی ہے تو اپنی کتاب پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو، ہرگز پیش نہیں کر سکتے، کیونکہ قرآن نہ مجمل ہے، نہ محتاج تفسیر۔

افسوس قرآن مجید اس برتاؤ کا مستحق تو ہرگز نہیں کہ اس کے ساتھ عقیدتاً اور عملاً یہ سلوک کیا جائے کہ وہ مجمل کہہ کے پس پشت ڈالا جائے، اور اس میں تدبر و تفکر سے ہر شخص روکا جائے۔ **اَلَمْ**

Marfat.com

يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ (حدید:16)

"کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کے وقت عاجزی کریں۔" وہ وقت آیا بھی اور گیا بھی۔ ایسے تلاوت کرنے والے اللہ تک پہنچ گیے۔ اب تو اسی کا رونا ہے کہ کاش قرآن کی بہ خشوع تلاوت ہر گھر میں جاری ہو، اور تبلیغ کی خدمت پھر سے زندہ ہو، کہ قرآن کی معجز نما رہنمائی پھر اپنا جلوہ دکھائے، کہ اللہ اللہ کے نعروں سے سارا عالم گونج اٹھے، اور الا للہ الدین الخالص کا پھریرا پھر سے لہرانے لگے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب سیز دہم

تفاسیر جو موجود ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ اور اگر کوئی ان تفسیروں کے خلاف کوئی تفسیر بیان کرے تو چونکہ وہ تفسیروں کے خلاف ہے گرچہ وہ عربی زبان کے مطابق ہی کیوں نہ ہو کیا وہ تفسیر بالرائے ہو گی اور تفسیر بالرائے کس آیت کی رو سے ممنوع ہے اور ممنوع ہے تو تفسیروں میں اختلافات کیوں پائے جاتے ہیں؟

تو اس کی حقیقت یوں ہے کہ قرآنِ مجید جس طرح اللہ نے نازل فرمایا، رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمادی۔ نہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ مجید کو محتاج تفسیر سمجھا نہ خلفاء نے، نہ صحابہ نے، اس لئے مدت مدید تک کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی جو تفسیر کی طرف مائل کرے۔ اللہ والے قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے تھے، اس میں تدبر و تفکر کرتے تھے، اللہ کی راہ پاتے تھے، کہیں اختلاف آرا ہوا، اور اس موقع پر کسی نے کوئی آیت پڑھ دی، مؤمنوں کے سر جھک گئے، لیکن زمانہ نے پلٹا کھایا اور نفسانیت نے اپنی ہوا باندھی تو متعارض حدیثوں اور مروجہ فلسفہ کے حملوں اور ملت و مشرب کی پاسداریوں نے مرادی معنوں کی اینٹوں اور تاویلوں کے مصالحہ سے تفسیر کی بنیاد قائم کی اور اس پر اپنی فکر کا قلعہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ تفسیر کا ہے کو رہی وہ رگڑے جھگڑے اور طبع آزماؤں کی رزم گاہ ہو گئی۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ (العنکبوت:45) ''قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو'' پر قرونِ اولیٰ کا عمل بالخشوع تھا اور اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد:24) ''کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔'' کی تہدید ہر وقت ان کا نصب العین تھی۔ قرآنِ مجید ہی ہادی سمجھا جاتا تھا، اور ایمان والے اسی کی روشنی میں اپنی رفتار قائم کیے ہوئے تھے۔ تا زیست قرآنِ مجید ہی ان کا دستور العمل رہا۔ اولئك هم الفائزون۔ يبشرهم ربهم برحمة منه۔

Marfat.com

جب حدیث کی کتابیں لکھی گئیں تو قرآن مجمل قرار پایا اور توجہ حدیث کی طرف جھکی تو مواجہ اِدھر سے اُدھر ہو گیا۔ عقیدت نے یہ کہہ کر کہ حدیث مفسر قرآن بھی ہے۔ قرآن سے بے نیاز ہی کر دیا، حالانکہ کوئی آیت یا کوئی حدیث صحیح اس کی حمایت کو نہیں کھڑی ہو سکتی۔ ایسے حال میں قرآن کا مصرف تلاوتِ الفاظ، جھاڑ پھونک، عملیات، تسخیر جنات، توسیع رزق، وصال محبوبہ، ہلاکت دشمن، حصولِ اولاد، فتح یابی مقدمات اور ردّ بلا وغیرہ وغیرہ کے سوا اور کیا تجویز ہو سکتا تھا۔ قرآن پر قناعت نہ ہوئی تو حدیث پر قناعت کس طرح ہو سکتی تھی، اس لئے فقہ اور قانونِ ملی نے بھی دین الٰہی کی جگہ لی۔ یوں ذہانت اور تفنن نے اپنی گھوڑ دوڑ شروع کی۔ جب فلسفہ کا زور ہوا تو ضرورت ہوئی کہ قرآن کو اس کے مطابق کیا جائے، اس نے تاویل کا دروازہ کھولا، اس پر کمزور حدیثوں نے اعانت کی اور مختلف حدیثوں نے اختلاف آرائی کی کھچڑی پکائی، یوں تفسیروں کا انبار لگا، اور مذہب کو جاننے کے لئے کئی اونٹ کتابیں درکار ہو گئیں۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا اختلاف کا ہونا اور اختلاف کے سبب آپس میں جھگڑے ہونے، وہ ہو کر رہے۔ یہ تفسیر ہوئی۔ پھر جو کوئی ان جھگڑوں کو بیان کر سکے وہ قرآن سمجھنے کا مستحق قرار دیا گیا۔ اب جب زمانہ بدلا، فلسفہ بدلا، اعتراضوں کا کینڈا بدلا تو مشکل پڑی کہ پہلا فلسفہ تو تفسیر میں داخل ہو کر دین ہو چکا تھا وہ چھوڑا جائے تو کیونکر، اس لئے کفر کے فتوؤں کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہا، جب کفر کی گرم بازی بھی سرد ہوئی اور دنیا داروں نے اسے لیڈری کا تمغہ بنا لیا تو اب آنکھیں کھلیں، اس پر بھی کیا کھلیں، یہ سوچ نہیں پڑتا کہ دین حنیف کی حمایت کے لئے انسانی ہتھیار کام نہیں دینے کے، خدائی ہتھیار یعنی قرآن اور صرف قرآن ہی لے کر میدان میں آجاؤ تو پھر میدان تمہارا ہی ہے اور کامیابی تمہاری ہے۔

حدیث کی رو سے کہ **حدثوا عنی وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز قرار پایا تھا کتابت نہیں، مگر لوگوں نے لکھا بھی اور اخلاق وحکمت کی باتوں اور روایتوں کی تحقیق واسناد کو غیر ضروری سمجھا، فضائل، ترغیب اور ترہیب کی حدیثوں کی تحقیق بھی غیر ضروری سمجھی گئی۔ یہ روایتیں حدیث وتفسیر کی منازل طے کرتی ہوئی جزو قرآن اور جزو عقائد قرار پا گئیں اور اس طرح دین ایک کتب خانہ ہو گیا، اور اس سے فرقے بن بن کر جو

Marfat.com

جھگڑے اٹھے تو دین الٰہی کتابوں کا انبار خانہ ہو گیا۔ پہلے دین کے لئے مسلمانوں کو ایک قرآن کافی تھا، اور اب تو دین کی کما حقہ واقفیت کے لئے عمر نوح اور اونٹوں کتابیں درکار ہو گئیں۔ جائز ہے کہ مسلمان اس کا رونا روئیں اور قرآنِ مجید سے اپنے عقائد کی اصلاح کریں۔

مفسروں کا ضرور شکر گزار رہنا چاہیے جو انہوں نے تحقیق لغات، حل محاورات، اور تسہیل زبان میں مصیبتیں جھیلیں اور ہم جیسے جاہلوں کے لئے قرآن سمجھنے کے ذرائع سہل کر گئے۔ اللہ انہیں اس کا اجر عظیم دے اور چونکہ ان میں اکثروں کے کارنامے مبنی بر حسن نیت تھے اس لئے حسن اولئك رفیقا میں ان کی قرار گاہ بنائے اور جو غلطیاں ان سے از راہ نیک نیتی سرزد ہوئیں انہیں معاف کرے۔ انہیں میں اپنا محسن اور سرتاج سمجھتا ہوں، لیکن ساتھ اس کے انسان سمجھتا ہوں جس سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں، پیغمبر اور مورد وحی نہیں سمجھتا۔ میں ان کی رائے کو شخصی رائے سمجھتا ہوں اور شخصی رائے ضرور نہیں کہ لغزشوں سے پاک ہو، اس لئے ان کی لغزشوں سے متفق نہیں اور یہی خیال مفسروں کا بھی تھا جو کورانہ تقلید سے نکلے تھے اور یہی باعث ہوا اختلاف آرا کا اور اختلاف آراء کا ہونا اقتضائے فطرت ہے۔

قرآنِ مجید کی آیتیں شانِ نزول کی پابند کی جاتی ہیں، اگرچہ اس پر بھی اتفاق ہے کہ شانِ نزول خاص ہوتا ہے مگر حکم وہدایت عام سمجھی جائے گی تو پھر شانِ نزول کی ضرورت کیا رہی۔ کہا جاتا ہے کہ بغیر شانِ نزول کے مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے نزدیک یہ غلط ہے۔ سارا قرآن پڑھ جاؤ، بے شانِ نزول کے سمجھ میں آئے گا۔ قرآن ہرگز شانِ نزول کا محتاج نہیں۔ شانِ نزول تو قصے کہانیوں کی دلچسپی کے لئے ہیں، کیونکہ شانِ نزول میں اتفاق تو شاذ ہی ہے ہر جگہ تو اختلاف کا تماشا ہے، کوئی شانِ نزول کا ایک قصہ بیان کرتا ہے کوئی دوسرا، پھر حق کس کو سمجھا جائے، بوجہ اختلاف دونوں مشتبہ ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں قرآنِ مجید تو قطعی ہے اور یہ قطعی نہیں کہ فلاں واقعہ جو ہوا تھا فلاں فلاں جھگڑا جو ہوا تھا وہی باعث ہوا نزول آیت کا یہ واقعہ نہ ہوتا تو ام الکتاب کی یہ آیت نازل ہی نہ ہوتی اور اس کی عام ہدایت سے دنیا محروم رہ جاتی ہے اور دین ناتمام رہ جاتا۔ یہ کہنا کہ نزول آیت کا فلاں واقعہ سبب ہوا، شخصی رائے ہے، جس کی قطعیت کی کوئی دلیل اور سند

Marfat.com

نہیں۔ شخصی رائے کا غلط ہونا بھی ممکن ہے اور صحیح ہونا بھی۔ تو قرآن کو شخصی رائے، قیاس اور وہم و گمان کا پابند کیوں کرو۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ (یونس:36) ''تفسیروں میں قصص کے تماشے تو اور نرالے ہیں حالانکہ قصے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں وہ ہدایت کیلئے کافی ہیں، پھر ان قصوں میں رنگ آمیزیاں کیوں کرو۔ اللہ نے تو فرمایا و لا تلبسوا الحق بالباطل (البقرہ:4) ''حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔'' مگر کوئی قصہ آمیزش سے خالی نہیں۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے، انہوں نے صبر کیا۔ اس میں تعلیم ہم کو صبر کی دی گئی ہے کہ باوجود پیغمبری کے ان پر مصیبتیں آئیں، تو جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔ یہ کافی نہ ہوا کہ لگے تم ایک پیغمبر کو کوڑھی بنانے اور شیطان کی فقرہ بازی اللہ پر چلانے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے شیطان سے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی اور داد چاہی۔ شیطان نے اللہ سے بھی شیطنت شروع کی کہ فلاں فلاں مصیبت بھی بھیج اور وہ صبر کریں تو جانیں۔ رفتہ رفتہ گھر کے گھر کا صفایا ہوا۔ مویشی مرے، اولاد مری، بیٹیاں مریں اور ہر دفعہ شیطان اپنا فقرہ چلاتا گیا، یہاں تک کہ وہ خود بھی کوڑھی ہوئے۔ یہ اتنا کچھ ہوا شیطان کے قائل کرنے کو۔ اے اللہ تیری پناہ! قرآن ان کہانیوں کا ذمہ دار نہیں۔ قرآن کی تفسیر اور اس قسم کی روایتیں۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا فریفتہ ہوئیں، مگر حضرت یوسف علیہ السلام تھے پیغمبر، اللہ کے مخلصین بندوں میں الا عباد اللہ المخلصین شیطان کی دسترسی سے اللہ کے مخلصین بندے مستثنیٰ ہیں۔ زلیخا کی ہزار کوششوں پر بھی آپ پاکدامن نکل آئے۔ جیل کی مصیبتیں گوارا کیں اور آلودہ نہ ہوئے۔ اس قصہ میں اور بہت سی نصیحتیں ہیں، مگر اللہ نے کہیں زلیخا کا محل سجایا نہ یوسف زلیخا تصنیف کی۔ کیا یہ کافی نہ ہوا کہ لگے تم ایک پیغمبر کا ازار بند کھلوانے اور سچے واقعہ کو افسانہ بنانے۔ اگر ایک پیغمبر کا بری نیت سے ازار بند کھولنا جائز ہو جائے گا تو عوام کو تو زنا بھی جائز ہو جائے گا۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام کی امت میں بہت سے مقدس لوگ بری نیت سے ازار بند کھولنے کے مرتکب نہ ہوئے ہوں گے اور وہ تو تھے پیغمبر، عباد المخصلین

Marfat.com

میں سے۔ قرآنِ مجید کے ساتھ قصوں کا ضمیمہ بھی منسلک کر دیا گیا ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے تفسیر۔

یہ قصے اور ایسے ہی قصے تو وہ ہیں جو قانونِ فطرت کے اندر ہیں۔ مگر ان نافرمان قوموں کے قصوں پر جن پر عذاب نازل ہو رہے ہیں، عذابِ خداوندی کو خلافِ قانونِ فطرت سمجھ کر بعض کے دلوں میں شکوک پیدا ہوتے ہیں اور مفسروں کی طبع آزمائیاں، یا اہل کتاب کی کہانیوں کی آمیزشیں اور شکوک کا موقعہ دیتی ہیں۔ ان کی تشفی کے لئے میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اللہ کا قانون، قانونِ فطرت ہی نہیں، قانونِ قدرت بھی ہے۔ قانونِ فطرت اور قانونِ قدرت کی الگ سرخی قائم کر کے میں نے اس کو مقدمہ میں بیان کر دیا ہے۔ عذابِ اللہ وندی قانونِ فطرت کے اندر نہیں قانونِ قدرت کے اندر آیا کرتے ہیں۔ واقعات عالم ہوتے تو رہتے ہیں قانونِ فطرت کے مطابق، مگر جب قانونِ قدرت کی کسی دفعہ کے اندر آ جاتے ہیں تو وہ ایک دوسری پیدائش کا اور دوسرا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ ایجادِ عالم، پیدائش مخلوقات انقلاباتِ عالم اور محافظت مخلوقات قانونِ قدرت کے اندر ہے اور نظم عالم، قیامِ مخلوقات، ثباتِ عالم اور تعلقاتِ مخلوقات، قانونِ فطرت کے اندر۔ تم اک مکھی پیدا کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے تم قانونِ قدرت کو کیا سمجھو۔ یہ سمجھ سے پرے ہے۔

پھر جو واقعات قانونِ قدرت کے اندر ہوتے ہیں انہیں قانونِ فطرت پر کیوں تولو۔ کوئی ملک ڈوبا، کوئی شہر تباہ ہوا، کوئی قوم غارت ہوئی تو یہ واقعات قانونِ قدرت کے اندر ہوتے رہتے ہیں۔ سمجھو یا نہ سمجھو مگر بالبداہت تو ماننا ہی پڑے گا۔ کیا ملک و قوم کو غارت ہوتے تم نے نہیں دیکھا، تم نے نہیں سنا۔ ہاں دیکھا بھی اور سنا بھی، مگر یقین نہیں آتا۔ زمین کے کارخانے جو کھودے جا رہے ہیں تو زمین کے نیچے سے بڑے بڑے شہر، بڑے بڑے مکانات اور لائبریریاں نکلی ہیں اور عاد و ثمود اور طوفانِ نوح وغیرہ وغیرہ واقعات کی تصدیق کرتی ہیں۔ **یفعل اللہ ما شاء اللہ ویحکم ما یرید۔** میری غرض یہ ہے کہ قصص قرآنی جتنا کچھ قرآن میں ہیں وہ قطعی اور سچے واقعے ہیں، غلطی کا وجود کسی طرح بھی، کسی عنوان سے سہی، اس میں مطلق نہیں ہے۔ و من

Marfat.com

اصدق من اللہ حدیثا۔ قصہ کیا ہے اک ہدایت نامہ ہے۔ میری مراد قرآنی قصوں سے ہے نہ اس اضافہ سے جو بطور رشاخسانے مفسروں نے بنی اسرائیل سے لے لے کر اضافہ کیا ہے۔

خدا نے فرمایا: اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (الکہف:95) ''یا جوج ماجوج دنیا میں مفسد ہیں۔'' اس کی تفسیر میں اتنا کافی نہ سمجھا گیا کہ یا جوج ماجوج دو مفسد قومیں تھیں، کیونکہ یہ تو بالکل مجمل ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ ضرورت ہے تفصیل کی، تو تفسیر میں روایتوں اور کہانیوں سے ذائقہ دے کر اس اجمال کو یوں کھولا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی محتلم منی سے یہ دونوں قومیں پیدا ہوئیں۔ کوئی تفسیر بالحدیث کرتا ہے کہ ایک قسم ان کی اس درخت کے مثال ہے جو ولایت شام میں ہے کہ طول اس کا ایک سو بیس گز ہے۔ بعض قسم ان کی طول و عرض میں مساوی ہے۔ بعض قسم ان کی ایسی ہے کہ ایک کان ان کا بچھونا ہے اور ایک کان اوڑھنا۔ یہ حدیث بیان کی جاتی ہے جو مفسر قرآن ہے کہ قرآن پہلے سمجھ میں نہ آیا تھا اب آ گیا۔ معلوم نہیں یہ تفسیر کہاں سے ہے۔ حاشا از روئے روایت یہ حدیث رسول نہیں ہو سکتی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی پر کیا ہے تفسیر تو تماشا گاہ قدرت ہے جہاں سے بھی اٹھا کر دیکھو۔ تفسیر طبری جلد دوازدہم۔ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ (ہود:44) ''حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ پانی سوکھا دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا ٹھہری۔'' معلوم نہیں کہ اس میں مجمل کون سی بات تھی جس کی تفسیر کی ضرورت پڑی۔ تو اس کی تفسیر بالحدیث کی گئی ہے گرچہ وہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع ہے تو اسے حدیث ہی کیوں کہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کر کے اسے تفسیر کیوں کرو۔ طبری بواسطہ ابن جریج راوی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا بالائی طبقہ پرندوں کے لئے تھا اور زمین درندوں کے لئے۔ اور طبقہ وسطیٰ حضرت انسان کے لئے۔ اندر سے کشتی کا طول 30 گز تھا۔ کشتی کعبۃ اللہ کے پاس آئی۔ کعبہ تو ڈوبا نہ تھا اللہ نے اسے بلند کر کے بچا لیا تھا (اگرچہ وہ بھی ڈوبتا تو کعبہ کی کون سی بے حرمتی تھی مگر بچایا ہوگا۔ بہ ایں خیال کہ کعبہ تو بیت اللہ ہے۔ اور اپنے گھر کی حفاظت کون نہیں کرتا) تو اس نے کعبہ کا سات بار

Marfat.com

طواف کیا گرچہ کعبہ بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور یہ طوفان نوح کے بہت بعد ہیں۔ پھر وہ کشتی یمن کی طرف روانہ ہوئی اور وہاں سے پلٹ کر کوہِ جودی پر دسویں رجب کو آ کر ٹھہری جو جمعہ کا دن تھا۔ کیا تفصیل و تفسیر کے یہی معنی ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ (رعد: 11)

''انسان کے لیے اس کے آگے پیچھے پہرہ دار مقرر ہیں جو بحکم اللہ اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔'' اس کی تفسیر بالحدیث یوں کی گئی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ مجھ کو آپ اس سے مطلع فرمائیں کہ ایک بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دائیں ہاتھ پر ایک فرشتہ نیکیوں کی نگرانی کے لئے، بائیں ہاتھ پر ایک فرشتہ بدیوں کی دیکھ بھال کے لئے، دو فرشتے آگے پیچھے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اور ایک پیشانی پر رہتا ہے کہ عاجزی اور جبہ سائی کرنے والوں کا سر بلند کرے اور متکبر کو ذلیل، دو فرشتے لبوں پر درود و سلام کا شمار کرتے رہتے ہیں۔ ایک فرشتہ منہ کے اندر سانپ کو نہیں جانے دیتا اور دو فرشتے آنکھوں پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح دس فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ رات دن کا ان کا پہرہ بدلا کرتا ہے۔ ابلیس خود انسان کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور رات کو اس کی اولاد۔ یہ فرشتوں کے جھنڈ میں ابلیس کدھر سے کود پڑا اور یہ تفسیر کہاں سے ہوئی۔ اگر تفسیر بالحدیث کرو تو اس کی تحقیق تو کرلو یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ یقیناً رسول کی حدیث ہے یا رسول کے ساتھ منسوب ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

''تنزل الملائكة والروح فيها (القدر) اس رات میں روح اور فرشتے اترتے ہیں اس کی تفسیر کی گئی ہے کہ ایک فرشتہ ہے جو ساتوں آسمان کو ایک لقمہ بنا سکتا ہے جس کا سر عرش کے نیچے ہے تو پاؤں ساتویں طبقہ زمین کے نیچے۔ اس کے ایک ہزار سر ہیں اور ہر ایک سر اس دنیا سے بہت بڑا ہے اور ہر چہرہ میں اس کے ہزار منہ ہیں۔ دور تک ایسا ہی سلسلہ چلا گیا ہے۔ قرآن میں اللہ نے فرشتہ کہا تھا وہ مجمل تھا سمجھ میں نہ آیا تھا اس کی یہ تفسیر ہوئی جس سے سمجھ میں آ گیا اور

Marfat.com

عقل کو تسکین ہوگئی۔ یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ۚۖ وَ عِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (رعد:39)
"خدا محو کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے، اس کے پاس تو اُم الکتاب موجود ہے۔" اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے خوش قسمتی اور بد قسمتی کے سوا کہ یہ تو بدلتی نہیں، باقی دیگر باتوں کو جسے اللہ چاہتا ہے ادل بدل کیا کرتا ہے۔ بعض نے خوش قسمتی اور بد قسمتی کیساتھ حیات و موت کو بھی بڑھایا ہے، یہاں تک تو خیر سے کسی قدر اتفاق ہوا۔ مگر تعیین وقت میں اختلاف پڑ گیا۔ بعضوں کے نزدیک یہ ادل بدل لیلۃ القدر میں کرتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک شب برات میں، بعضوں کے نزدیک یہ کارروائی روزمرہ ہوا کرتی ہے۔ یہ سب بڑے بڑوں کے اقوال ہیں جن سے اختلاف کرنا قرآن سے اختلاف کرنا ہے جو کہ کفر ہے۔ ان اختلافوں کے ساتھ حدیث کی طرف رجوع کیا گیا ہے، جو حدیث رسول کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے تا کہ حدیث مفسر قرآن ثابت ہو، وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ رات کی پچھلی تین ساعتوں میں نزول فرماتا ہے۔ پہلی ساعت میں اس کتاب کا افتتاح کرتا ہے جسے اللہ کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں، پھر اس میں جیسا کچھ چاہتا ہے مٹاتا رہتا ہے، یا پچھلی ساعت میں یہ کارروائی ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کہ حدیث کے ہوتے پھر اختلافات کس بنا پر ہوئے۔

اس آیت میں نہ خوش قسمتی ہے نہ بد قسمتی، نہ حیات و موت سے بحث ہے، نہ دیگر معاملات سے۔ نہ قدر کی رات کا مذکور ہے، نہ شب برات کا۔ نہ اللہ دن کا پابند ہے، نہ رات کا۔ نہ رات کی پہلی یا پچھلی ساعتوں کا۔ نہ اس کو عروج ہے، نہ نزول، نہ وہ خیر کا محتاج ہے، نہ کتب بینی کا محتاج، نہ اس کی رضا میں غلطی ہے نہ اس کو روز بنانے بگاڑنے کی ضرورت۔ نہ اس میں تلوّن ہے نہ روز بنائے، روز مٹائے، خود بنائے، خود مٹائے، نہ اس سے غلطی ممکن ہے کہ روز روز یا سال بہ سال وہ اپنی غلطیوں سے متنبہ ہو، اور اس کی اصلاح کرے۔ معلوم نہیں کہ یہ سب قرآنِ مجید کے کن لفظوں کی تفسیر ہے۔

اور بات اتنی ہے جو پوری آیت پڑھنے سے خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ وَ مَا کَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ﴿۳۸﴾ یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ ۚۖ

Marfat.com

وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (رعد: 39 تا 38) ''رسول کی یہ شان نہیں کہ وہ بغیر حکم اللہ کے کوئی آیت لا سکے۔ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہے۔ اللہ جس کتاب کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اللہ کے پاس تو ام الکتاب موجود ہے۔''

اس کے بعد احکام تبلیغ ہیں۔ اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جتنے رسولوں کو بھیجا اور وہ کتاب اللہ لائے تو وہ بے حکم اللہ اپنے جی سے گھڑ کے نہ لائے، کیونکہ یہ رسول کی شان سے بعید ہے۔ اللہ نے ہر زمانہ میں کتاب بھیجی، مگر قرآن مجید کے سوا اب کوئی کتاب رہی نہیں، کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے دنیا سے محو کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے اگلی کتابوں کو محو کر دیا، اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کو قائم رکھا۔ یہ تو ایک امر ہے، یہ بدیہیات میں داخل۔ یہ اتنی صاف اور صریح بات کا تفسیر میں طومار باندھا گیا ہے اور اسی کا نام رکھا گیا ہے تفسیر۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ (الفجر: 8 تا 6) ''کیا تم نے توجہ نہ کی کہ اللہ نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا جوارم کے رہنے والے بڑے بڑے ستون والے تھے کہ اس جیسی آبادی کسی شہر میں پیدا نہ کی گئی۔'' اس کی تفسیر میں مفسروں نے باعث تباہی زلزلہ کو بتایا ہے اور زلزلہ کی علت یہ فرمائی ہے کہ زمین کو گائے سینگ پر اٹھائے ہوئے ہے، جب وہ سینگ بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے۔ یہ قرآنِ مجید کی تفسیر ہوئی داخل فی الدین۔ کیا رطب و یابس کی کھچڑی پکا دو تو وہ تفسیر ہو جائے گی۔ مگر زلزلہ کی اس علت سے اتنا پتہ تو چلتا ہے کہ اسی زلزلہ کے ڈر سے ہندوؤں میں گائے پرستی آئی ہے، تاکہ وہ گائے پوجا کی قوت سے راضی رہے اور سینگ نہ بدلے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ چونکہ زلزلہ جاپان میں بہت آتا ہے۔ اس لئے گائے پرستی کی رسم جاپان سے چین ہوتی ہوئی ہندوستان پہنچی ہو گی۔

یاجوج ماجوج کی تفسیر جہاں پر کی ہے وہاں قرآن کے اجمال کو یوں کھولا ہے کہ وہ اللہ کے مقابلہ میں جنگ کریں گے اور آسمان پر تیر چلائیں گے، پھر اللہ آسمان سے ان پر خون برسانے کا حکم دے گا۔ یہ تفسیر ہو نہ ہو مگر اللہ اور بندوں کے وار دیکھنے کے لائق ہوں گے، گرچہ جوڑ برابر کا نہیں، مگر آسمان سے جو خون برسے گا اس سے ان کو اپنی کامیابی کا یقین ہو جائے گا کہ دشمن مار لیا

Marfat.com

اور آسمانی بادشاہت جیسا کہ انجیل میں کہا گیا ہے، لے لی۔ اور اب دنیا کی شاہی بادشاہت نہیں بلکہ رِی پبلک ہوگئی۔ اس وقت خوشامدیوں کے ایڈرس اور اخباری دنیا کے غلغلہ سے دنیا کی چہل پہل دیکھنے کے لائق ہوگی۔ تمام بے تار کی تار برقیاں دوڑیں گی کہ اب اللہ کا راج نہیں رہا۔ یا پبلک ہی پبلک ہوگی یا اس کے وارث اور اس کے اکلوتے بیٹے کا راج ہوگا۔ تفسیر میں دلچسپی کی کمی دیکھ کر میں نے اس کو پورا کر دیا اگرچہ وارث اللہ کے راج کا حال تو کچھ لکھا ہی نہیں اور دلچسپی اسی میں زیادہ ہوگی۔ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

غرض تفسیر کا حال کہاں تک دکھایا جائے۔ میں تو تفسیر اسے سمجھتا ہوں جو قرآنِ مجید کے قواعد نحوی، لغات، مصطلحات کو حل کرے اور مطلب کو کھول دے کہ اللہ نے کیا فرمایا اور جو اختلاف علماء کا بازار لگائے، قصے قضیوں کا طومار باندھے وہ تفسیر نہیں۔ علماء کے شاخسانے ہیں اور تبحر کا ثبوت۔

تفسیروں کے اختلافات کو دیکھو تو کون سی تفسیر ہے جو بالرائے نہیں۔ میں انہیں رایوں سے گھبراتا ہوں جس میں قرآن کا مطلب کھو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دینی حیثیت سے اسی زمانہ میں پہنچوں جو ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا تاکہ تم ان برکتوں کے وارث بنو جو صحابہؓ پر نازل ہوئی تھیں۔

فاٰمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ...... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب چہاردہم

قرآن وحدیث وفقہ تینوں کی کیا کیا منزلتیں ہیں اور رسول کے ساتھ تینوں کی کیا کیا نسبتیں ہیں اور تفقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا منزلت ہے؟

قرآنِ مجید کی نسبت میں نے اوپر بیان کیا ہے اور نقلاً اور عقلاً ثابت بھی کیا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ تورات کی بشارت ہے، اللہ نے اسے نازل فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذریعہ کتاب، بذریعہ حفاظ اور سنا سنا کر، اس کی تبلیغ فرمائی، جو متواتر اً ہم تک پہنچا اور ساری دنیا میں شائع ہوا اور جوں کا توں شائع ہے۔ پھر کلام ربانی کی منزلت کا کیا پوچھنا۔ اس کی ثنا وصفت خود وہی کرے تو کرے! انسانی زبان کی کیا بساط۔ ہزار قرب کوئی حاصل کرے مگر کلام تو متکلم میں ہے، متکلم سے ہے، کلام ربانی کی روحانیت ایک خدائی نور ہے جو اللہ ہی کی طرف ہادی ہے۔ یہ کلام ہفت صدو ہفت قالب طے کر کے نہیں آیا بلکہ چونکہ اس کی کوئی صفت بھی اس سے منتزع نہیں ہو سکتی، خصوصاً صفت تکلم کہ متکلم سے منتزع ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے اس پر بھی کہ وہ کلام ہم تک پہنچا اور یوں اس کی صفت تکلمی کا ظہور ہوا، وہ کلام متکلم ہی میں اور متکلم ہی سے ہے۔ پھر اس کے ذریعہ سے منزل قرب طے کرنے میں دوری کو گنجائش نہیں اور اس لئے اس راہ میں ٹھہراؤ کا مقام بھی نہیں۔ اس کے مسافر کو چونکہ ٹھہراؤ نہیں۔ رہزنوں اور قزاقوں کا کوئی کھٹکا بھی نہیں، تل اوجھل پہاڑ ہے، جو کلام بے کیفی میں ڈوبا اور اس کی کچھ تھاہ پائی وہ متکلم حقیقی تک پہنچا۔ ادھر ڈوبا ادھر پہنچا۔ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (نور:35) ''خدا جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے۔ کلام ربانی کے ظاہری متکلم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے صفت خلاقی کے ظاہری مظہر والدین ہیں۔ نہ خلاق حقیقی والدین ہیں، نہ کلام ربانی کے حقیقی متکلم ہمارے رسولؐ ہیں۔ اس لئے اس کلامِ پاک کی تلاوت کا حق اگر ادا کر سکو اور اس میں ریاض قلبی صحیح نسبت اور یکسو توجہ کے ساتھ اگر کر سکو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ مقدس کی زیارت سے فیض یاب بھی ہو سکتے ہو،

Marfat.com

کیونکہ کلام پاک کے مظہر آپ ہی ہیں۔ یہ تو کرنے کی بات ہے، کر کے دیکھو، اگر کر سکتے ہو۔ غرض اللہ اور رسول سے ملانے والی چیز ہمارے پاس قرآنِ مجید ہی ہے تو **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا**۔ (ال عمران: 103) ''خدا کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''

رہیں حدیث کی کتابیں

تو وہ مصنفۂ رسول نہیں، مصدقۂ رسول نہیں، محکوم بہ اطاعت نہیں، ساری حدیثیں منسوب بہ رسول بھی نہیں، سلسلہ روایت اور راوی کی جانچ غیر قطعی، غیر محفوظ اور معترض علیہ ہیں۔ باہمہ انتخاب جو رہتی بھی، ہیں ان کی قطعیت باہمہ تحقیق شائبۂ ظن سے خالی نہیں، اس لئے حدیثیں ظنیات میں ہیں، خبر و تاریخ میں داخل، متواترات تو تین یا پانچ ہیں، تو ظنیات کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار نہیں، پھر جس کے آپ ذمہ دار نہیں اس سے آپ کی نسبت کو قائم کرنا اور اس سے آپ کے دینی اقوال وافعال کی نسبت جوڑنی آپ کی منزلت کو گھٹانا ہے، اور آپ کے ساتھ ظنیات کی نسبت کرنی سوء ادب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور منزلت تو قرآن کے ساتھ ہے۔ قرآنِ کریم قولی قرآن ہے اور رسول کریم عملی قرآن ہیں، قول بے کیف نے قرآن کا جامہ پہنا اور فعل بے کیف یعنی حقیقت جامعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اللہ کا قول و فعل ایک ہے۔ بھینگے کو دو نظر آئے گا اور حقیقت بین کو ایک۔ وحدت کی جلوہ آرائیاں دیکھو کہ مراد کو پہنچو۔

پھر حدیث کی کتابوں کی منزلت موجودہ تورات وانجیل کی منزلت ہے یا خبر واخبار اور تاریخ وسوانح کی منزلت ہے، بلکہ بلحاظ اسناد روایت ان سب سے بالاتر، لیکن تحقیق وقطعیت کی رو سے قرآنِ کریم سے کہیں فروتر ہے اور کسی سند سے داخل فی الدین نہیں۔

مگر **فبشر عباد ○ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ**۔ (الزمر: 17-18) ''ہمارے ایسے بندوں کو بشارت دو جو بات کو سن لیتے ہیں پھر اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔'' کے اصول پر حدیث سے، اقوال بزرگان سے، اقوال حکما سے، تاریخ سے،

Marfat.com

ناصحوں یا واعظوں سے، یا ہم سے ان سے کسی سے، جو اچھی بات سن پاؤ تو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار رہو۔ یہ تمہارے لئے کامیابی اور بشارتِ خداوندی کا موجب ہوگا۔ یہ ایک اصولِ خداوندی ہے جو مبنی ہے حکمت اور عقل پر۔ انسانی کلام نے اس کو یوں ادا کیا ہے **خذ ما صفا ودع ما کدر** ہاں جو حدیثیں یوں نہیں جانچی گئیں اور جن کی تحقیق کما حقہ نہیں ہوئی ان کو الگ کرو، جو خلافِ عقل ہو، ان کو بھی۔ جو محقق ہوں یعنی مرفوع مسند متصل حسن صحیح مشہور وغیرہ ان کو قرآنِ مجید کے آگے پیش کرو اگر وہ قرآنِ مجید کے مخالف نہ ہوں، اگر احکام وہدایاتِ ربانی اور حدود اللہ کو کم وبیش کر کے توڑنے والی نہ ہوں تو ان کو قرآنی تصدیق شدہ حدیث کہو یا قولِ رسولِ غیر منزل۔ جیسا کہ بالتصریح اوپر بیان کیا گیا ہے۔

رہی فقہ

تو اللہ فرماتا ہے **فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ (توبہ:122) ''پھر ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے کہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب قوم کی طرف رجوع کریں تو ان کو ڈرائیں شاید وہ بچتے رہیں۔'' تفقہ کے معنی قضایا کے نہیں بلکہ دین میں سمجھ پیدا کرنے کے ہیں کہ دین میں سمجھ پیدا کرلو تو وعظ ونصیحت سے قوم کو ڈراؤ جو خدمت تبلیغ ہے اس کی بہت سی جگہ ہدایت ہے۔ **لعلکم تفقھون** ایک جگہ کیا بہت سی جگہ ہے۔ صحابہؓ جو مسلمان حنیف اور اللہ کی طرف یکسو تھے، وہ فقیہ تھے، جنہوں نے اس تبلیغ کی خدمت کو ادا کیا، جو بار آور ہوئی اور وہ فائز المرام ہوئے۔ اب تو قوم نے فقہ کو دو ٹکڑے کر ڈالا اور **یحرفون الکلم** کے مصداق بن کر اس کے معنی بدل دیے۔ عملاً فقہ کی تقسیم کی گئی، فقہ شریعت اور فقہ طریقت، فقہ شریعت کے معنی اسلام کی ظاہری شریعت کے فتوؤں اور احکام سلطنتی کے ہوئے اور فقیہ شریعت کو لقب دیا گیا امام کا۔ اسی طرح فقہ طریقت کے معنی باطنی اسلام کے ہدایات کے ہوئے اور فقیہ طریقت کو لقب دیا گیا صوفی کا۔ رفتہ رفتہ فقہ کے معنی بیع وسلم واجارہ وکفالت وغیرہ کے متعلق

Marfat.com

فتووں کے لئے گئے ہیں حالانکہ ایسے فتوے تو متعلق سیاسیات ہیں، ان سے دین کا براہِ راست کیا تعلق ہے؟ تعلق ہے تو بس اس قدر کہ قرآنِ مجید کے اصول سے، اس کی ہدایات واحکام سے، اس کے اشارات اور دلالات سے، کوئی معاملہ خلاف نہ ہونے پائے۔ اسی طرح فقہ طریقت کے معنی طریقۂ پیری ومریدی، رسومات خانقاہ اور مجالس عرس وسماع کے لئے گئے ہیں، حالانکہ یہ تو متعلق رسومات تصوف ہیں، فقہ طریقت یا صراط اللہ کو ان باتوں سے کیا تعلق۔ اس کو منہاج الحق میں دیکھو۔

فقہ کا پتہ جو قرآنِ مجید سے ملتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ قضایا کرو اور وہ قضایا نئے دین کی بنیاد ڈالے، قوم میں تفرقے پیدا کرے اور بیت اللہ میں چار مصلے قائم کیے جائیں جن کو نبی یا صحابہ نے قائم نہ کیا۔ اگر خود مابدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے یا تشریف لاتے تو وہ بالضرور چاروں مصلوں کے بجائے ایک مصلہ مسلمانوں کا قائم کرتے۔ چنانچہ کسی فقیہ یا امام نے نیا دین قائم نہیں کیا، ان کے ماننے والوں نے ان کی طرف بہت کچھ منسوب کر کے، ان کی برگزیدہ صفات میں غلو پیدا کر کے، تفرقہ پیدا کیا ہے اور اس کی رایوں اور اجتہادات کو دین سمجھ رکھا ہے، مگر وہ اس سے بری ہیں۔ کسی فقیہ نے یہ نہ کہا کہ میرا اجتہاد، وحی **منزل من السماء** ہے، یہ بھی نہیں کہ میرا اجتہاد الہام یا القائے ربانی ہے اور کسی طرح بھی داخل فی الدین ہے بلکہ سب نے یہی کہا کہ میری باتوں کو اس وقت تک نہ مانو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ ہم نے جو کہا، اس کی اصلیت کیا ہے اور اس کی سند کیا ہے اسی طرح قضایا (عدالتی فیصلے) چاہے وہ مصر وقسطنطنیہ یا مکہ ومدینہ یا کسی سلطنت اسلامی کے کیوں نہ ہوں دین میں داخل کرنا، **اضافہ فی الدین، تجاوز عن الحد**، اللہ کی دی ہوئی آزادی کی بندش اور مملوکات عقلی پر قبضۂ ناجائز ہے۔ ہاں قرآن مجید میں سمجھ پیدا کرنا تفقہ ہے اور اس کو سمجھانا اور پھیلانا فقیہ وامام کا کام ہے۔ علماء کے لئے تو یہ تفقہ عبادت اور اللہ رسی کا ذریعہ ہے اور جہلا کے لئے اللہ کی رحمت، جاہل نے سمجھ سے کام نہ لیا اور نہ لے سکا پھر بھی راہ پر ہولیا تو منزل کو پہنچ پائے گا اور مراد کو پالے گا، کیا کوئی اندھا لکڑی یا دوسرے کی آنکھ کے سہارے منزل تک نہیں پہنچتا، اسی لئے تو ضرورت تفقہ کی ہوئی کہ بے سمجھ، سمجھ دار کے سہارے تقلیداً چلیں اور قرآن کے جاہل قرآن کی ہدایت پا سکیں تو جس فقیہ نے احکام کے لئے قرآنی دفعات کی طرف

Marfat.com

رجوع کیا اور صریح آیتوں سے جواب دیا تو وہ قطعی خدائی حکم ہے۔ اگر اشارۃ النص اور دلالتہ النص سے جواب دیا تو اس کی حقانیت میں بھی کیا کلام۔ استدلال مختلف ہوں گے تو باہمی اختلاف سب ہی حق ہوں گے۔ چونکہ بر بنائے قانونِ الٰہی ہوں گے اور اسی لئے یہ اختلاف ہی رہیں گے، فرقے اور پارٹیاں نہ بنائیں گے، جیسے اختلافات صحابہ اور جس فقیہ نے اپنی رائے کی طرف رجوع کیا یا غیر قطعی اسناد کی طرف تو وہ ملکی قانون ہوسکتا ہے دینی قانون نہیں ہوسکتا۔ اسلامی قانون جس کو محمڈن لا کہا جاتا ہے اس کی نسبت قرآنِ مجید سے نہیں اور وہ اسلامی قانون نہیں۔

فقہ کی نسبت جو قرآنِ مجید کی آیت اوپر دی گئی ہے تو اس میں اللہ نے تفقہ کو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا کہ مخصوص زمانہ ہی کے اندر جتنے فقیہ ہو جائیں، ہو جائیں پھر نہیں ہو سکتے تو جب اللہ نے مخصوص نہ کیا تو تم کیوں مخصوص کرو۔ طائفہ فقہا ہر زمانہ میں ہونا چاہیے کہ جاہلوں کی راہ بند نہ ہو اور عالموں کی رفتار کھوٹی نہ ہو، اور انذار و تبلیغ کی خدمت ہر زمانہ میں انجام پاتی رہے۔

فقہ طریقت پر منہاج الحق میں بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہے۔ قرآن و حدیث و فقہ تینوں کی نسبت میں نے بیان کیا۔ اس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ کس کی نسبت اللہ و رسول کے ساتھ کس قسم کی اور کس درجہ کی ہے۔

مگر اللہ اللہ یہ کیسا اندھیر ہو گیا کہ اللہ کے بندے، اللہ کے بندے ہو کر اس کے بندوں کے بندے بنے، رشتہ عبودیت توڑ دیا گیا، اور احکام دینی کے لئے اہل حدیث کی طرف رجوع کرنے لگے اور مصنفین صحاح کے مؤمن ہوئے اور اہل فقہ فقہ کی طرف رجوع کرنے لگے اور فقہا کے مؤمن ہوئے اور مسائل روحانی کے لئے اللہ والے طالب حق اپنے اپنے طریقوں کے پیرو مرشد کی تصنیف مکتوبات و ملفوظات، مقولے، شاعری اور افسانوں کی طرف رجوع کرنے لگے اور صوفیوں کے مؤمن ہوئے۔ اللہ کا کلام کسی کام کا نہ سمجھا گیا، نہ وہ کسی مسئلہ کا ماخذ، نہ اس سے تمسک پکڑنا ہی جائز۔ غرض مسلمانوں کا دین عملاً سمجھا گیا۔ صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، ابی داؤد، یعنی صحاح کو، اور ہدایہ، شرح وقایہ، قدوری، کنز، فتاوی عالمگیری، فتاویٰ

ع ۱ یہ صرف اہل سنت کے لیے ہے اہل تشیع کی کتب الگ ہیں۔ (امتیاز)

Marfat.com

قاضی خان، اور روحانیت کے لئے مکتوبات و ملفوظات اور ترکہ کے لئے سراجیہ ؁ کو، ان کے نزدیک کوئی قرآن کی تبلیغ کرے، قرآن کی طرف بلائے تو اس سے زیادہ مجرم فاسق اور کافر کوئی نہیں، کیونکہ وہ حدیث کا منکر فقہ کا منکر، حدیث وفقہ کی کتابوں کا منکر، ان کے مصنفین کا منکر سمجھا جائے گا اور علماء کا مرتد اور دین سے برگشتہ تسلیم ہوکر خلود فی النار کا مستوجب قرار پائے گا۔

اے عزیزو نہ اس رفتار کا قرآن حامی نہ حدیث حامی، نہ اس چال سے اللہ راضی نہ رسول خوش، نہ یہ خدائی دین نہ رسول کا مذہب **فاین تذهبون۔ ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون۔**

تدبر و تفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں اضافہ نہیں ہے بلکہ آپ کے تفقہ نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ تفقہ فی الدین جو ما مور خداوندی ہے وہ ہے کیا چیز۔

تدبر رسول کی مثالیں

عمل متواتر اور خبر و تاریخ سے بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے تفقہ کی راہ کھول کر بھی ہماری تعلیم فرمائی ہے۔ مثلاً جہاں پر خداوند عالم نے مجاز کیا ہے وہاں آپ نے کئی طرح پر عمل کر کے دکھایا ہے کہ اس میں انسان مجاز کیا گیا ہے۔ اللہ نے قیام کو فرمایا یہ نہ فرمایا کہ کیونکر کرو، تو یہ مجاز کی صورت ہوئی کہ قیام تو کرو اور جیسے کرو۔ آپ نے قیام کیا تو ہاتھ باندھا بھی، نہ باندھا، سینہ پر بھی باندھا، زیر ناف بھی باندھا۔ علی ہذا آمین زور سے بھی کہی اور آہستہ بھی، رفع یدین کیا بھی اور نہ بھی کیا۔ نماز ازلی میں دعا چاہیے تھی آپ نے قنوت بھی پڑھی اور دعا بھی۔ تحیت وثنا کرنی چاہیے تھی، آپ نے بھی پڑھی اور التحیات بھی، اللہ نے فرمایا **فسبح باسم رب العظیم** اور **سبح اسم ربك الاعلی۔** آپ نے رکوع وسجود میں **سبحان ربی العظیم** اور **سبحان ربی الاعلی** بھی پڑھی، اور دوسری تسبیحیں بھی، تا کہ واضح ہو جائے کہ یہ مجاز کی صورتیں ہیں، ان کو مجاز سمجھنا، اور اس طرح بصورت مجاز عمل کرنا، تفقہ رسول ﷺ کی عظمت کرنی ہے، نہ ان کو فرض کی طرح ادا کر کے فرائض میں اضافہ کرنا، جس مختلف طرح پر ہمارے رسول ﷺ نے کیا اسی مختلف طرح پر فرقے

Marfat.com

ہو ہو کر قوم بھی کرتی چلی آ رہی ہے۔ یہی عمل متواتر ہے۔ جس کی شہادت تاریخ اسلام یعنی حدیث بھی دے رہی ہے۔ ہاں مختلف طرح پر عمل کرنے والے بجائے اس کے کہ سب طرزِ عمل کو مجاز سمجھ کر جائز سمجھتے ہوئے فرقے ہو گئے، یہ ظلم کیا، دین میں پھوٹ ڈالی جس کو اللہ نے منع کیا تھا۔ آپ کے مختلف اعمال، مجاز من اللہ کی مختلف صورتیں ہیں، مختلف ادیان نہیں ہیں، کوئی اس طرح نہ کرے اور دوسری طرح کرے تو اس کی نماز یا عبادت باطل نہ ہو جائے گی، مگر یہ تدبر و تفقہ رسولؐ ہے اور آپ مورد وحی تھے، شیطان کا گزر آپ تک نہ تھا، آپ کا تدبر و تفقہ اگر قطعاً ثابت ہو جائے کہ آپ کا تدبر و تفقہ ہے تو اس کو مجھ آلودہ گناہ کے کسی خیال سے بہتر سمجھنا تو کسر شان رسالت ہے، سارے اولیا و صلحا سارے پیشوا اور اماموں کے تدبر و تفقہ سے بلند تر، رفیع تر، مطابق رضائے مولا کہنا زیبا ہے۔ آپ کے آگے کسی کے تفقہ کا نام لینا غلط۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کا تدبر و تفقہ قطعاً ثابت ہو جائے یا عمل متواتر کی شہادت سے، یا ان حدیثوں کی شہادت سے جن کی شرائط صحت کو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ جانچنے کے بعد جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آپ کا تدبر و تفقہ ہے تو ہر چند وہ علما و صلحا کیلئے موجب ہدایت و رحمت ہے مگر وہ آپ کی وحی منزل کے درجہ میں نہیں ہے۔ دین قرآن مجید میں کامل ہو چکا جس کا منکر کافر ہے، اور تفقہ ہے مجاز میں، مجاز کو کسی ایک صورت میں منحصر کرنا چاہے وہ اعلیٰ و ارفع ہی صورت کیوں نہ ہو، اللہ کے مجاز کیے ہوئے کو محکوم علیہ بنا دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفقہ کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے اللہ کے مجاز کردہ کو محکوم علیہ بنا دیا ہے، بلکہ آپ نے ازروئے تفقہ تعلیم دی ہے کہ یہ مجاز کی صورت ہے اور ایسی صورتوں میں تفقہ و تدبر کرنا چاہیے۔ نہ قطعی اور صریحی احکام میں تفقہ مجاز میں ہے، چاہے تفقہ شریعت ہو یا تفقہ طریقت۔ اس کا غیر و تدبر عامل نہ کافر نہ مستحق جہنم۔ اس لئے تفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چند ہم سو طرح کے فوائد سے فیض یاب بھی ہوں مگر وہ دین منزل نہ ہو جائے گا۔ اے قوم فرق مراتب ضرور ہے۔ اللہ اللہ ہے رسول رسول۔ نہ پیر و مرشد کو رسول بناؤ، نہ رسول کو خدا، نہ مقولات صوفیہ کو حدیث، نہ حدیث کو کلام اللہ، دین کو ساری آمیزشوں سے پاک اور خالص کرو۔ **الا للہ الدین الخالص** (روم: 3) "ہوشیار کہ اللہ کے لئے دین خالص ہے" اس لئے **الیس اللہ**

Marfat.com

بکافٍ عبدہ ''کیا اللہ کے بندے کو اللہ کافی نہیں۔'' اور اَوَلَمۡ یَکۡفِهِمۡ اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ط (العنکبوت: 51) ''کیا لوگوں کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر اے رسول قرآنِ مجید نازل کیا جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔'' کو نصب العین رکھو۔ واقعی تعجب اور افسوس کا مقام کیوں نہ ہوگا اگر بندے کو اللہ اور بندگی کو اللہ کا کلام کافی نہ ہو، جو بدولت رسولؐ ہم کو عنایت ہوا۔

تفقہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صورت الہام ربانی ہے۔ مگر الہام کوئی نیا دین نہیں قائم کرتا کلام ربانی کے مخالف ہوسکتا ہے، نہ حدود اللہ کو کم وبیش کرسکتا ہے۔ الہام اس القائے ربانی کا نام ہے جو پس پردہ ہو، جو روحانیت قرآنِ کریم اور اسرار فطرت کو منکشف کرے اور بوقت ضرورت ایسی راہ کی رہنمائی کرے جو خطرات سے محفوظ ہو، اس لئے آپ کا کلام منزل تو قرآنِ مجید ہے جو آپ کی زبان مبارک سے بولا گیا مگر ہے مُنَزَّل۔ اور آپ کے کلام غیر مُنَزَّل میں کئی قسمیں ہیں کچھ تو آپ کا تفقہ ہے جس کی حقیقت بیان ہوئی اور کچھ الہام ہے جو وقتی مصلحت کے لحاظ کے ساتھ حسب اقتضائے ضرورت وقت ہے اور کچھ روزمرہ کی باتیں اور انسانی اقوال ہیں کہ وہ بھی انسان کامل ہونے کے سبب کامل تر اور فلسفہ کی جان ہیں۔ مگر چونکہ کلام غیر مُنَزَّل، مُنَزَّل مِنَ اللہ نہیں اس لئے یہ داخل فی الدین نہیں۔ اسی لئے یہ کلام نہ جمع کیے گئے نہ لکھے گئے جس کی تشریح بہت کچھ اوپر کی جاچکی ہے۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب پانزدہم

قرآنِ مجید عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے یا اپنی کوئی مخصوص اصطلاح میں، یا فرشتوں کی اصطلاح میں، یا کوئی خالص خدائی اصطلاح میں، اگر عربی زبان اور اصطلاح عرب میں نازل ہوا ہے تو اس کی اصطلاح کے کھولنے اور واضح کرنے کا کوئی فرشتہ مجاز و مستحق ہے یا مصطلحات عرب؟

قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے الفاظ و مصطلحات کو اہل زبان واضح کرنے کے مجاز و مستحق ہیں نہ فرشتے، عربی زبان میں جو قرآنِ کریم نازل فرمایا حضرت جبرئیل لائے، وہ لانے والے تھے، کسی اصطلاح کو کھولنے کے وہ مجاز و مستحق نہ تھے۔ اس کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ قرآنِ مجید سمجھنے کے لئے یہ ایک ضروری اصول ہے۔

خدا نے فرمایا اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۲ (یوسف:2) "ہم نے قرآنِ مجید کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ تم سمجھو۔" پھر یہ کیسا ظلم ہے کہ تم سمجھ کر بھی نہ سمجھو اور مذہبی مصطلح الفاظ کو مجمل کہہ کر اس کا بتانے والا حضرت جبرئیل کو قرار دو باوجودیکہ وہ اہل زبان نہیں۔

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۝۱۹۳ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ۝۱۹۵ (شعراء:195 تا 192) "بے شک یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے سلیس عربی زبان میں اس کو جبرئیل تمہارے قلب پر لے کر اترا ہے تا کہ تم ڈر سنانے والوں میں ہو۔"

اس آیت میں اللہ نے حضرت جبرائیل کی خدمت بیان فرما دی، وہ تھے فرشتے، اور فرشتوں کی شان ہی **یفعلون ما یومرون** جو حکم دیا گیا بس اسی کے بجالانے والے، پھر وہ قرآن کو، یا اس کے احکام وہدایات کو، یا اس کے الفاظ واصطلاحات کو کس کے حکم سے بیان کرنے اور بتانے کے اہل ہو سکتے تھے اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ قرآن سلیس عربی زبان میں

Marfat.com

نازل ہوا ہے بلسان عربی مبین خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں۔اس لئے اس کے مصطلحات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل زبان ہونے کی حیثیت سے حضرت جبرائیل سے زیادہ واقف اور بتانے کے مجاز اور مستحق تھے۔اگر کسی خاص زبان میں عربی زبان کے سوا نازل ہوتا تو یہی کہا جاتا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ (حم السجدہ:44) ''اگر ہم اس کو قرآن عجمی زبان کا بناتے تو یہ ضرور کہتے کہ اس کی آیتیں کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں، کیا قرآن تو عجمی زبان کا اور رسول عربی۔''اس سے بالکل واضح ہے کہ قرآنِ مجید کے لغات و مصطلحات کوئی فرشتوں کے خاص لغات و مصطلحات نہیں ہیں۔نہ کوئی خاص خدائی لغات و معطلحات ہیں جن کو واضح کرنے کے لئے بغیر حکم خداوندی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تکلیف کرنی پڑے، اور ایسا کوئی حکم قرآنِ مجید میں نہیں پایا جاتا۔قرآنِ مجید ایسی سلیس عربی میں نازل ہوا ہے کہ ایک اعرابی تک سمجھتا تھا۔اہل عرب کو جب قرآنِ مجید سنایا جاتا تو وہ بے تکلف سمجھتے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معترف ہوتے، اور اس کی خوبی اور لاثانی ہونے پر قربان ہوتے تھے۔یہ کسی نے بھی نہ پوچھا کہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، سرقہ، زنا، ربوٰ، صدقہ، نفقہ، نکاح، طلاق، خلع، ایلا، ظہار وغیرہ کون سے الفاظ بے معنی ہیں۔یہی وجہ تھی کہ قرآنِ مجید بلا کسی فرہنگ یا ہینڈ نوٹ یا ضمیمہ کے تبلیغ اور شائع کیا گیا۔اگر اس کے اصطلاحی الفاظ خدائی یا فرشتوں کے ہوتے تو قوم دل کھول کے معترض ہوتی کہ یہ کون سی زبان بولتے ہیں، کیونکہ وہ نکتہ چینیوں کے لئے دل کھول کے تلی بیٹھی تھی۔باوجود اس کے کہ انہیں مذہبی اختلاف تھا، وہ بھی گہرے تعصب کے ساتھ، اس کی ایسی قدر کی گئی کہ اس کے آگے سبعہ معلقہ کے ساتوں جھنڈے سرنگوں کر دیے گئے۔اگر ایسا ہوتا کہ قرآن مجید کوئی خاص اصطلاح میں نازل ہوتا جس سے قوم ناآشنا ہوتی تو اس کی تبلیغ ایک فعل ہوتا شانِ رسالت سے بعید۔اور احکم الحاکمین کا ایسی اصطلاح میں حکم دینا جس سے محکم علیہ محض ناآشنا ہو ایک فعل ہوتا شانِ خداوندی سے بعید تر۔اس لئے قرآن مجید ضرور انہیں لغات و اصطلاحات میں نازل ہوا ہے جن سے قوم واقف تھی۔کوئی نئی اصطلاح کا منتر لے کر نازل نہیں ہوا۔پھر یہ کیسا ظلم ہے کہ اصطلاحی الفاظ کو مجمل کہہ کر قرآن کو مجمل

Marfat.com

اور نا قابل تعمیل کہو۔

اوپر یہ بات بیان ہوئی ہے اناآ انزلنہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون (یوسف:2)
''ہم نے قرآنِ مجید کو بزبانِ عربی میں اتارا کہ تم سمجھو۔'' اس نے واضح کر دیا کہ قرآنِ مجید ایسی عربی زبان میں اترا ہے جس کو ہم سمجھتے ہیں، ہمارے ہی سمجھنے کے لئے تو اترا ہے۔ مگر افسوس کہ قوم قرآنِ مجید سے نہ صلوٰۃ سمجھتی ہے، نہ صوم، نہ حج، نہ زکوٰۃ، نہ ربوٰ، نہ حلال وحرام، نہ کوئی ایک حکم ہی۔ گویا سارا ہی کچھ مصطلح خاص اور مجمل ہے، لیکن ایسا سمجھنا قرآنِ مجید کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ نے فرمادیا۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ (رعد:37) ''اسی طرح ہم نے حکم عربی زبان میں اتارا۔'' اے لوگو! یہ ظلم ہے کہ تم عربی کے بجائے احکام کو خاص اصطلاحی الفاظ میں مانو جن کو فرشتے آ کر بتائیں۔ میں ہر ایک حکم کو قرآنِ کریم کی آیتوں سے واضح کرتا جاؤں گا کہ ہر حکم مصطلح الفاظ میں ہے جس سے قوم واقف تھی۔

ایسی آیتوں سے قرآنِ مجید بھرا ہوا ہے کہاں تک لکھی جائیں۔ یاد نہ رہیں گی، اس لئے یہ چند آیتیں جو اوپر میں نے دی ہیں انہیں بھولنا نہیں چاہیے، اور اس پر ایمان لانا چاہیے کہ اللہ نے قرآنِ مجید عربی زبان میں ہمارے سمجھنے اور ہماری ہدایت کے لئے اتارا ہے اور اس لئے سارے احکام عربی زبان میں اس نے دیے ہیں۔ اگر ہم عربی زبان کی لاعلمی سے، کسی لغت واصطلاح کی تحقیق سے مجبور ہوں تو اس سے قرآن چیستان، معمہ اور اپنی خاص اصطلاح کا نہ ہو جائے گا۔ معلومات کے ذرائع بند ہو جائیں تو اس سے قرآن پر کیا الزام۔

اگر ہم لغات ومحاورات عمل متواتر سے، قول متواتر سے، تاریخ واخبار یعنی حدیث سے اور لغات ومحاورات کی کتابوں سے، یا تفسیر کی کتابوں سے، تحقیق کریں تو جو محقق ہوگا اور اس سے جو قرآن کا مطلب سمجھا جائے گا وہ صحیح ہوگا۔ مگر وہ کتابیں قرآن یا قرآن کا فرد مقابل یا داخل فی الدین نہ ہو جائیں گی۔ ہاں! قرآن سمجھنے کا ذریعہ ہوں گی جیسے استاذ۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

تنبیہ

ان پندرہ سوالوں کے حل کرنے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآنِ مجید ہی دین اللہ ہے جو مکمل ہے محتاج تکمیل نہیں، مفصل ہے محتاج تفسیر نہیں تو احکام خداوندی قرآنِ مجید سے کس طرح ثابت ہوتے ہیں؟

یہ کیا اندھیر ہے کہ احکام تو بھیجے احکم الحاکمین اور وہ خود فرمائے کہ ہم نے قرآنِ مجید مفصل نازل فرمایا ہے۔ تفصیل کی بہت سی آیتیں اوپر دی گئی ہیں اور اس کا تو ایک نمبر ہی الگ دیا گیا ہے۔ مفصل اس لئے نازل کیا کہ مخلوق ومحکوم کو عدم تعمیل کی نسبت عذر نہ رہے، مگر قوم باوجود دعویٰ اسلام کے اس خدائی دعوے سے اپنے کو بری الذمہ سمجھ کر مجھے مدعی قرار دیتی ہے اور مجھ سے ہی جواب بھی طلب کرتی ہے کہ اگر قرآنِ مجید کی آیتیں مفصل ہیں تو احکامِ قرآنی مفصل بتاؤ۔

حقیقت میں نہ میں مدعی نہ مدعا علیہ۔ نہ میرا خود کوئی دعویٰ۔ نہ زمین کچھ، نہ میرا دعویٰ کچھ۔ مگر ہاں خداوندی قانون یاد کر کے میں نے خدائی وکالت کا امتحان پاس کیا ہے۔ اس لئے وکالتاً مجھے جواب دینا پڑا ہے اور میں جواب دوں گا اور ثابت کروں گا کہ خدائی دعویٰ جھوٹا نہیں بلکہ بدیہی ہے کہ آنکھ والے دیکھیں اور اللہ کی آیتوں پر ایمان لائیں۔ ہاں اتنی فرمائش کرنی ضرور ہے کہ دیکھنے والے محبت ماسوا (قرآن) اور محبت احبار رہبان کی عینک اتار ڈالیں اور طلب حق کی آنکھوں سے دیکھیں۔

خدا نے فرمایا کہ ہم نے قرآن مفصل اتارا، تو اس پر ایمان لاؤ، اور اس کے آگے سر جھکا دو، ورنہ وقفہ کا زمانہ کفر کا زمانہ ہوگا۔ اگر یہ تمہاری سمجھ میں بھی آ جائے تو فہم سلیم کا شکر ادا کرو۔ نہ آئے تو سمجھنے کے لئے تلاش وتجسس میں لگے رہو، یعنی ایمان کے لئے نہیں بلکہ اطمینان کے لئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط (بقرہ:260) ''یعنی اے اللہ ایمان تو ہے اطمینان قلبی درکار ہے۔''

جو احکامِ خداوند عالم نے قرآنِ مجید میں فرما دیے ہیں وہ قطعی فرض ہیں۔ اگر اشارتاً یا تذکرتاً

Marfat.com

یا قصوں میں فرمایا ہے یا بطور موعظت ونصیحت کے فرمایا ہے تو یہ بھی فرض ہی ہے۔طرز بیان کے بدلنے سے اصطلاح بدل سکتی ہے اور اس کو واجب یا لازم کہنا موزوں ہوسکتا ہے مگر اس تبدل اصطلاح سے فرضیت نہیں جائے گی۔ان سب کا منکر باغی و کافر اور ان کا نافرمان گناہ گار وہ فاسق سمجھا جائے گا۔اللہ کے احکام و ہدایات چاہے کسی طرز بیان سے ہوں ان کی تعمیل سے چھٹکارہ نہیں۔ان احکام و ہدایات کے سوا نوافل ہیں،یعنی فاضل عبادت اور نیکیاں تقرباً الی اللہ،اللہ کی محبت اور اس کی عظمت و جلالت،اس کے خوف اور اس کی رضا کے جوش میں کرنی،جیسا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا،صلحا و اتقیا نے کیا،یہ مزید اجر کا باعث ہیں،**وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا** ط (الانعام:132) ''ہر ایک کے لئے اپنے اعمال کے حساب سے درجے ہیں۔'' تو اعمال نوافل جتنا کرو اور جیسا کرو،اتنا پاؤ اور ویسا پاؤ۔وہ نوافل ہی ہیں۔جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ فرض کے کیے،جنہیں قوم نے سنن و واجب کا لقب دے کر فرائض کے ہم پلہ بنا دیا ہے،بلکہ فرائض کے دائرہ میں تو رسم و رواج ملکی اور عادات و خصائل قومی کو بھی داخل کرلیا ہے۔حالانکہ نوافل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوافل ہی سمجھنا اتباعِ رسول تھا،نہ واجب و سنت موکدہ و غیر موکدہ قرار دے کر اضافہ علی القرآن کرنا۔آپ نے قرآنِ مجید پر ایک نقطہ کا اضافہ نہ کیا،اور نہ اس کو پسند فرماتے تھے کیونکہ آپ تو شان عبودیت کے کامل تر نمونہ تھے۔

احکامِ خداوندی جو مختلف الفاظ اور مختلف طرز بیان میں آئے ان میں ہم درجہ دینے والے کون،کہ یہ حکم بڑا ہے،یہ منجھلا ہے،یہ چھوٹا ہے،مالک کا حکم تو حکم ہی ہے اگرچہ وہ مختلف الفاظ میں آئے مثلاً **علیکم۔ کتب علیکم۔ حرم علیکم۔ فاجتنبواہ۔ فاحذرواہ۔** وغیرہ وغیرہ مختلف الفاظ مختلف طرزِ بیان ہیں۔جیسے تم کہو کہ یہ کام کرنا تم کو لازم ہے،ضروری ہے، لابدی ہے،یا ناجائز ہے،ناروا ہے،بے معنی ہے،اس کے پاس نہ پھٹکو،اس سے کنارہ کش رہو،یا ایسا کرنا ہماری خوشنودی کا باعث ہے،اور ایسا نہ کرنا ہماری خفگی کا باعث،سب کے معنی یہ ہیں کہ امر یا نہی جو مولا کا حکم ہے اس کی تعمیل فرض اور ضروری ہے،چاہے وہ حکم جن الفاظ میں آئے۔

حاکم تو اللہ ہی ہے اور حکم بھی اسی کا الا لہ الحکم اور سب واجب التعمیل۔پھر اس میں علمی

Marfat.com

شاخسانے ملانے، اس میں مدارج قائم کرنے اور دین اللہ میں واجبات، مستحبات، مکروہ تحریمی اور مشتبہ وغیرہ وغیرہ الفاظ اضافہ کرنے سے تو اس کی قطعیت ہی کھو جائے گی کیونکہ یہ اصطلاحات علی بینۂ رب نہیں ہیں۔

میں نص قرآنِ مجید کو سمجھتا ہوں جو دین اللہ ہے اور جس کا منکر بے دین ہے۔ صریح حکم صریح فرض ہے۔ دلالۃ النص اور اشارۃ النص ہدایاتِ ربانی ہیں، یہ بھی فرض ہیں، نوافل عبادات فاضلہ غیر مفروض ہیں موجب اجر۔

ہر ظاہر کا باطن ہے جیسے انسان میں روح یا الفاظ میں معنیٰ۔ اگر لفظ بے معنی ہے تو مہمل ہے۔ یا انسان بے جان ہے تو مردہ ہے مٹی میں ملانے کے قابل۔ اسی طرح شریعت اسلام ہے کہ ظاہر و باطن ملا کے شریعت ہے۔ مگر قومی اصطلاح کی مجبوری سے سمجھانے کے لئے میں بھی ظاہر شریعت کو شریعت کہوں گا اور باطن شریعت کو طریقت۔ طریقت یا روحانیت اسلام کو تو میں منہاج الحق میں بیان کروں گا، اس کتاب میں شریعت اسلام کو بیان کرنا ہے کہ قرآنِ مجید نے کون سی شریعت سکھائی ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی تا کہ اسلام کے سارے فرقے اسی شریعت حقہ پر اپنی اپنی شریعتوں کو تولیں، اور فیصلہ کا حق جس کو قرآنِ مجید سے غصب کر کے اوروں کو دیا ہے اس حق کو پھر قرآنِ مجید کو واپس کر دیں۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الٰہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

حصہ دوم

احکام القرآن کے چند اہم عنوانات پر گفتگو

باب اول

عبادات

اس سرخی میں مجھے قرآنِ مجید کے سارے احکام و ہدایات کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے تو خود قرآنِ مجید ہی موجود ہے، بلکہ صرف چند احکام و ہدایات کو بیان کرنا ہے جن کی نسبت قدم قدم پر سوال ہوتا ہے کہ اگر قرآنِ مجید اپنے مفصل ہونے کے دعوے میں سچا ہے تو ان احکام کو مفصل بتاؤ۔ اور ان احکام کو اس لئے بھی مفصل دکھانا ہے تاکہ فرقے اپنی اپنی غلطیوں کی قرآنِ مجید سے اصلاح کریں اور فرقہ بندی سے تائب ہو کر **واعتصموا بحبل الله جمیعًا** سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں۔ یہ کام تھا بڑے بڑے علما اور اماموں کے کرنے کا۔ مگر اللہ کی قدرت کہ اس نے یہ خدمت لینی چاہی مجھ جیسے طالب علم سے۔ **یفعل الله ما یشاء ویحکم ما یرید۔**

طہارت

طہارت کوئی غیر مانوس لفظ نہیں۔ قوم طہارت کو جانتی تھی، ضرورت بتانے کی نہیں تھی۔ قرآنِ مجید کچھ محاورات و مصطلحات کی کتاب تھوڑی ہے، اس کا کام مصطلحات کو بیان کرنا نہیں ہے۔

خدا نے فرمایا: **وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ** (الانفال:11) ”اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی سے تم کو پاک کرے اور تم سے شیطانی گندگی (شیطانی وسوسہ) کو دور کرے۔“ **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا** ﴿۴۸﴾ (فرقان:48) ”ہم نے آسمان سے پانی برسایا جو پاک وصاف کرنے کی چیز ہے۔“

Marfat.com

جنابت بھی ناپاکی ہے اس لئے اللہ نے فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ (مائدہ:6) ''اگر ناپاک ہوا کرو تو طہارت کر لیا کرو۔'' یعنی نہا لیا کرو۔ ناپاک ہونا بھی لوگ جانتے تھے اور طہارت بھی، اس لئے نہ جنابت کو بتایا نہ طہارت کہا کیونکہ یہ فرشتوں کی زبان کے الفاظ نہیں ہیں۔

رہا یہ کہ طہارت کے لئے پانی کیسا چاہیے، اس کے اوپر طبع آزمائی کرنے، اور بال کی کھال کھینچنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ شکوک ہوں گے اور شک کرنے والوں کا شک تو بدیہیات سے بھی نہیں جاتا۔ اتنا یادرکھنا کافی ہے کہ قرآنِ مجید میں بحکم اللہ لایزال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے طیب اور ستھری چیز کو حلال کیا ہے، اور گندی اور نجس چیز کو حرام وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف:157) ''ستھری اور گندی چیز کو کون سا ذی تمیز، تمیز نہیں کرتا۔ تمیز کرتے ہو تو اس کی تعمیل کرو، اور اس کو مجمل ناقابل تعمیل نہ سمجھو۔ اس میں ماکول و مشروب سب داخل ہیں۔ محرمات جن کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، اور گندی چیزیں بھی کہ ان کو بھی اللہ نے حرام کر دیا ہے، باقی تمام ستھری چیزیں طیب اور طاہر ہیں، ان کو کھاؤ پیو اور استعمال میں لاؤ۔ بس جیسا پانی پی سکتے ہو کہ یہ طاہر ہے، اسی سے نہا بھی سکتے ہو کہ تم کو طہارت حاصل ہو۔ یعنی جس پانی کو پاک اور صاف سمجھو، اور تم کو اطمینانِ قلبی حاصل ہو، وہ طیب اور حلال ہے، مشروباً بھی اور استعمالاً بھی۔ طیب کوئی فرشتوں کی لغت نہیں ہے۔ ہر کوئی سمجھتا ہے کہ طیب، پاک اور ستھری چیز کس کو کہتے ہیں اسی کو اللہ نے حلال کیا اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ (مائدہ:5) ''آج تم پر ستھری چیزیں حلال کی گئیں۔''

طہارت ہی کیا، سارے ہی احکام مبنی بر دیانت ہیں۔ **و لکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم۔** ''خدا مواخذہ اعمال قلوب اور نیات پر کرے گا۔''

کپڑوں کی طہارت کی نسبت حکم ہوا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ (مدثر 5-4) ''اپنے کپڑے پاک رکھو اور پلیدی سے دور رہو۔'' یعنی اپنے کو بھی پاک رکھو اور اپنے کپڑوں کو بھی، جس کی ضرورت عبادت کے لئے بھی ہے، حفظانِ صحت کے لئے بھی اور خوش زیست کے لئے بھی۔

حیض و نفاس کی نسبت فرمایا لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ (بقرہ 222) ''حیض میں

Marfat.com

عورتوں کے نزدیک نہ جاؤ جب تک وہ پاک نہ ہولیں۔" وہ پاک نہیں ہیں تو نماز بھی نہیں پڑھ سکتیں اور پاک ہوتا ہے آدمی نہا کر جیسا کہ بیان ہوا۔

مسجد حرام کی طہارت کی نسبت طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۲۶﴾ (حج:26) "مسجد حرام کو طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک رکھو۔" مسجدیں بھی نماز ہی کے لئے بنائی جاتی ہیں، تو ان کو بھی پاک رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ مسجدیں جو عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں وہ شعائر اللہ اور حرمت اللہ میں داخل ہیں۔ ذلك و من يعظم شعآئر الله فانها من تقوى القلوب (الحج:32) اور ذلك و من يعظم حرمت الله فهو خير له عند ربه (الحج:30) اسی اصول پر کل ان چیزوں کی حرمت ہے جو اللہ کے ساتھ منسوب ہوں۔ جیسے ھدی اور قلائد وغیرہ۔ حج کے قربانی کے جانور۔

یاد رکھو ان الله يحب التوابين و يحب المتطهرين. "خدا توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" ظاہر و باطن دونوں پاکی مطلوب ہے۔ باطنی پاکی توبہ سے حاصل ہوتی ہے اور جسمانی پاکی طہارت سے۔ اسی لئے توبہ اور طہارت دونوں کو فرمایا۔ مطلب یہ بھی ہے کہ ذروا ظاهر الاثم و باطنه. "ظاہر اور باطن دونوں گناہوں سے بچو۔" تو گناہوں سے بھی پاک رہو، اپنے جسم کو بھی پاک رکھو اور کپڑوں کو بھی، اور عبادت کے لئے مسجد یا عبادت کی جگہ کو بھی۔ اور پاکی کی حالت میں عبادت کرو۔

فآمنوا بالله و رسوله والنور الذي انزلنا۔

لا اله الا الله... محمد رسول الله... والقران كلام الله

غسل

غسل کوئی انوکھی اصطلاح نہیں ہے۔ نہ یہ کوئی فرشتوں کی زبان کا لفظ ہے۔ اس سے عرب کی ساری قومیں واقف تھیں، بلکہ گویا یہ دنیا کی ساری قوموں میں تھا اور ہے کہ جب ناپاک ہو تو نہا

Marfat.com

لو۔ یہاں تک کہ بطخوں کو بھی تم نے دیکھا ہوگا کہ جفتی کے بعد وہ خوب ہی نہاتی ہیں، پانی نہیں ملتا تو نہانے کی نقل کرتی ہیں۔ گویا یہ ایک اقتضائے فطرت ہے۔ جب غسل جنابت سب دینوں میں ہے تو اس سے عرب قوم بالضرور واقف تھی، اللہ نے حکم دیا، بندوں نے تعمیل کی۔

غسل کی نسبت اللہ نے فرمایا: **يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِى سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا۟ ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟**...... (النساء:43) ''مومنو! نماز کے قریب نہ جاؤ دراں حالیکہ تم حالت سکر میں ہو یہاں تک کہ تم یہ جان سکو کہ تم بولتے کیا ہو اور نہ جنبی نماز کے نزدیک جائے مگر مسافر۔ اگر تم مریض ہو، یا مسافر، یا کوئی تم میں سے پاخانہ سے آئے، یا جماع کرو اور پانی نہ پاؤ تو تیمم کرلو۔''

لمس کے معنی جماع کے بھی ہیں اور اختلاط کے بھی اور اس آیت کا یہ ٹکڑا **و ان کنتم مرضیٰ** سے آخر تک وضو کی آیت میں بھی ہے۔ اس لئے غسل کی آیت میں ہم نے لمس کا ترجمہ جماع کیا ہے اور وضو کی آیت میں اختلاط۔ حسب اقتضائے حال، مجامعت کو لمس سے تعبیر کرنا تہذیباً ہے جس طرح اسی مجامعت کو اللہ نے فرمایا **من قبل ان یتماسا**۔ اس آیت میں غسل کے احکام ہیں، **حتی تغتسلوا** اس کا موید ہے یہ وضو کے احکام نہیں کیونکہ وضو یا اس کا اشارہ بھی کسی لفظ سے نہیں پایا جاتا۔

اس آیت سے بہت سے احکام معلوم ہوتے ہیں، ہر حکم پر ہم نے نمبر دے دیا ہے، اس سے پہلے کہ میں کچھ اس آیت کے متعلق لکھوں علما کی رائے لکھ دینی چاہتا ہوں تا کہ حقیقت منکشف ہو سکے۔

1- **لاتقربوا الصلوٰة** سے مراد بعضوں نے مسجد لی ہے۔ یعنی حالت سکر میں مسجد کے قریب نہ جاؤ، لیکن اس سے **حتی تعلموا ما تقولون** دولخت اور بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ کیا معنی ہوں گے کہ مسجد کے قریب نہ جاؤ جب تک یہ نہ جانو کہ تم بولتے کیا ہو۔ اس لئے صلوٰۃ کے معنی نماز

Marfat.com

ہی کے ہیں، اس سے آیت کا مفہوم نہیں بگڑتا، تو پھر مراد (مسجد) کیوں لو۔

2- اس حکم کو لوگوں نے حرمت خمر سے منسوخ کیا ہے۔ اللہ نے تو منسوخ نہیں کیا مگر لوگوں نے منسوخ کر کے اللہ کے اس حکم کو اٹھا دیا ہے۔ اس آیت سے اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے شراب پی، اس نے نافرمانی تو کی مگر چلا نماز پڑھنے کہ نماز کے حکم کی نافرمانی کر کے دوہری نافرمانی کیوں کریں تو اللہ نے اس سے روکا کہ نشہ کی وجہ سے تم اس عبادت کے بھی قابل نہ رہے۔ تم نماز کے قریب نہیں جا سکتے۔ اگر اس آیت کو منسوخ کرو گے اور نشہ میں نماز کی بھی اجازت دو گے تو یہ نافرمانی ہوگی۔ نسخ سے اللہ کا ایک حکم اٹھ جاتا ہے جس کے اٹھانے کا کوئی بھی مجاز نہیں۔

3- ''بے نہائے نماز کے قریب نہ جائے مگر مسافر'' اللہ نے مستثنیٰ کیا مگر لوگوں نے مسافر کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ جس اللہ نے مسافر کی رعایت قصر نماز سے نماز میں کی اور روزہ بعد کو رکھ لینے سے روزے میں کی، اس نے حالت جنابت میں استثنیٰ کر کے نماز کی اجازت دی مگر تیمم کر کے جیسا کہ اسی آیت میں او علی سفرٍ سے واضح کیا ہے۔ مگر لوگوں نے مستثنیٰ نہیں کیا۔ گویا پانی ملنے پر مسافر کو بھی نہانا ہی ہوگا۔ چاہے زن و فرزند سے ریل چھوٹ جائے مگر اسٹیشن پر اتر کر اس کو نہانا ضروری ہے۔

4- ''مریض، مسافر یا کوئی پاخانہ سے آئے یعنی اس کو حدث یا پاخانہ یا پیشاب ہو، یا جماع کرے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے'' بعضوں نے پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ لگائی ہے اور اپنے جی سے مراد لیا ہے۔ وضو جس کا اشارہ بھی آیت میں نہیں ہے، کیونکہ وضو کی آیت میں خود ان چاروں کی نسبت حکم موجود ہے۔ تو ان کے خیال کے مطابق اگر پانی ملنے کی قید سب کے ساتھ لگائی جائے تو مریض کو بھی پانی ملنے پر نہانا ہی ہوگا تو اس غریب کی تو جان ہی گئی۔ مسافر کو بھی پانی ملنے پر نہانا ہوگا تو اللہ کا استثنیٰ کرنا **الا عابری سبیل** بے کار اور لغو ہو جائے گا اور جنبی جب پاخانہ سے آئے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے گا تو یہ پاخانہ سے آنے کی قید نے کیا معنی پیدا کیا، یہ تو محض بیکار اور لغو ہو جاتا ہے۔ اس لئے پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ نہیں ہو سکتی بعضوں نے پانی نہ ملنے کی قید مریض و مسافر کے ساتھ تو نہیں لگائی اور باقی دو کے ساتھ لگائی۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں دی کہ دو کے ساتھ پانی کی قید کیوں لگائی اور دو کو چھوڑا کیوں۔ کس قاعدہ اور کس حق سے۔

Marfat.com

5- بعض نے کہا کہ مریض پانی نہ پائے تو تیمم کرے، اس سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ پانی پائے تو کیا کرے تو حدیث سے یہ رخصت ملی کہ جب بھی تیمم کرے، تو جب مسئلہ یہ نکلا کہ مریض پانی پائے نہ پائے تیمم کرے تو پانی کی قید لگانے سے کیا نتیجہ نکلا اور اللہ نے ایسا ادھورا حکم دینے سے بندوں کے حق میں کیا کیا بھلائی مضمر رکھی۔ دیکھو تفسیر کبیر میں مختلف آرائیں تو بیان ہوئیں مگر یہ فیصلہ نہ ہوا کہ بالآخر قرآن کا مطلب کیا قرار پایا۔

میرے نزدیک نہ تو یہ صحیح ہے کہ **فلم تجدوا مآء** یعنی پانی نہ ملنے کی قید سب کے ساتھ ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ قید دو کے ساتھ ہے اور دو کے ساتھ نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے۔

سکٰرٰی جب اصطلاح میں عام ہے تو اس کو نشہ کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دماغ ٹھکانے نہ ہو۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں ایسا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً **سکرت ابصارنا** تو جب تم حالت سکر میں یعنی دماغ تمہارا کسی نشہ یا غلبۂ نیند یا کسی بیماری کی وجہ سے یا جنون یا اختلال حواس کی وجہ سے مختل ہو، تو اس وقت تک تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک تم کو یہ علم نہ ہو سکے کہ تم زبان سے کہہ کیا رہے ہو۔ نہ جنبی بغیر غسل کیے نماز پڑھے، ہاں مسافر مستثنٰی ہے یہ نماز پڑھ سکتا ہے مگر کیونکہ اس کو آگے بتایا ہے، **او علی سفر** میں یعنی جنبی مریض، جنبی مسافر، تیمم سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اوجآء احد منکم من الغائط میں کم کی ضمیر جنبی مریض اور جنبی مسافر کی طرف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جب جنبی مریض یا جنبی مسافر پاخانہ سے آئے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حدث پاخانہ پیشاب جس طرح ناقض وضو ہیں اور ناقض تیمم بھی جو بعوض وضو ہو، اسی طرح یہ اس تیمم کے بھی ناقض ہیں جو بعوض غسل ہو۔ اس لئے جنبی مریض اور جنبی مسافر تیمم سے نماز پڑھے مگر جب حدث پاخانہ اور پیشاب ہو جایا کرے تو تیمم کر لیا کرے اور جماع کرو تو پانی نہ ملنے پر بہ تیمم نماز پڑھ سکتے ہو، اور پانی ملنے پر غسل کر کے یعنی **او لمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا** اللہ کا فرمودہ ہے، اور **لم تجدوا مآءً** **اولمستم النسآء** کے ساتھ منضم ہے۔ حتیٰ **تغتسلوا** سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اوپر کی آیت غسل کے متعلق ہے۔ اس لئے

Marfat.com

فلم تجدوا ماّء کے معنی یہاں پر فلم تجدوا ماّء للغسل ہے۔ یعنی نہانے کے لئے پانی نہ پاؤ تو تیمم کرلو۔

مسئلہ یہ نکلا کہ جس کا دماغ اپنے حال میں نہ ہو، اور وہ یہ سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو کہ وہ عبادت کررہا ہے یا کفر پھانک رہا ہے اس وقت تک وہ نماز نہیں پڑھ سکتا جب تک وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کہہ کیا رہا ہے۔ جس کو احتیاج غسل ہو وہ بے غسل نماز نہ پڑھے۔ جنبی مریض اور جنبی مسافر بہ تیمم نماز پڑھ سکتا ہے چاہے وہ پانی بھی پائے مگر حدث پاخانہ اور پیشاب کے بعد اس کو تجدید تیمم کرنا ہوگا کیونکہ تیمم ٹوٹ گیا اور جس نے جماع کی ہو وہ غسل کر کے نماز پڑھے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرکے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

وضو

قوم وضو کو جانتی تھی جیسے غسل کو، اس کی توضیح کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ وضو مصطلح قوم تھا مگر چونکہ وضو شرط صلوٰۃ ہے اس لئے وضو کی تاکیداً تصریح فرمادی، کیونکہ وضو کی آیت سورۂ مائدہ میں ہے اور سورۂ مائدہ مدنی ہے اور صلوٰۃ فرض ہوئی ہجرت کے پانچ برس قبل، تو آیت وضو کے پیشتر کیا نماز بے وضو پڑھی جاتی تھی اور جب وضو شرط صلوٰۃ ہے تو اگر وضو پہلے نہ تھا تو کیوں نہیں نماز کے ساتھ ساتھ وضو کی آیت بھی نازل ہوئی۔ وضو تو پہلے سے تھا اس میں تو اختلاف نہیں، اختلاف اس میں ہے کہ آیا ہر نماز کے قبل وضو کرلینا لازم ہے یا وضو ٹوٹنے پر۔ وضو پہلے سے کیوں نہ ہوتا، کیونکہ اسلام ازلی مذہب ہے اور صلوٰۃ بھی ہر مذہب میں تھی جیسا کہ صلوٰۃ کے بیان میں اس کی آیتیں دی جائیں گی۔ تو جب صلوٰۃ بھی ازلی ہے تو شرط صلوٰۃ وضو بھی ازلی ہے اور اس لئے قوم جانتی تھی کہ صلوٰۃ کے قبل وضو یعنی منہ ہاتھ پاؤں دھولینا اور سر کا مسح کرلینا ایک لازمی حکم ہے۔ اللہ نے فرمایا:

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ‌ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا‌ ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰـكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ (مائدہ:6) ''مومنو! جب نماز کے لئے کھڑے ہوا کرو یعنی جب نماز کا ارادہ کرو تو منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھوڈالا کرو، اور سر کا مسح کرلیا کرو، اور ٹخنوں تک پاؤں دھولیا کرو اور اگر تم ناپاک ہوتو نہالو۔ اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا کسی کو تم میں سے حدث یا پاخانہ یا پیشاب ہو یا عورت کے ساتھ ملامست کرو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ اس طرح کہ منہ اور ہاتھ کا پاک مٹی سے مسح کرلو۔ اللہ تم پر تکلیف اور تنگی ڈالنی نہیں چاہتا وہ تو چاہتا ہے تم کو پاک کرے۔''

1- جب نماز کے لئے کھڑے ہوا کرو تو وضو کرلیا کرو، اس کے یہ معنی نہیں کہ جب جب نماز کے لئے کھڑے ہوا کرو تو وضو کرلیا کرو، یعنی ہر وقت ہر دفعہ کھڑے ہونے پر یا ہر وقت کی نماز کے لئے وضو کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ بیکار کی دقت ہے اور اللہ نے اسی آیت میں فرمایا ہے ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ''یہ وضو تم پر دقت ڈالنے کے لئے نہیں فرض کیا گیا بلکہ مقصود طہارت ہے اس لئے وضو رہتے وضو کی ضرورت نہیں۔ مقصود طہارت ہے اور وہ حاصل ہے۔ بلکہ اذا قمتم الی الصلوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ جب نماز پڑھنی چاہو تو وضو کرلو۔ یعنی نماز حالت وضو میں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اگر ہر نماز کے قبل وضو کرلینا لازم ہوتا، تو وضو ٹوٹنے کے کوئی معنی نہ تھے اور اللہ نے ناقضات وضو کو فرمادیا ہے۔

ناقضات وضو۔ پاخانہ، پیشاب، حدث اور ملامست[1] عورت ہے۔

2- ایدیکم الی المرافق فرمایا۔ ہاتھ دھونے میں کہنیاں بھی داخل ہیں، کیونکہ یدکا لفظ

---

[1] پاخانہ اور پیشاب کے ساتھ ہوا خارج ہونا بھی لازمی ہے اس لیے ہوا خارج ہونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے۔

Marfat.com

پورے ہاتھ پر بولا جاتا ہے کیونکہ غیر جنس نہیں۔ اس لئے وہ الی کے تحت میں داخل ہے۔ دوسرے الیٰ بمعنی مع ہے، اور یہ قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

3- وارجلَکم کی قرأت بالفتح ہے۔ اس لئے احتیاط کا اقتضا پاؤں کا دھونا ہے اس کے سوا احکامِ خداوندی مصالح اور فوائد عباد پر مبنی ہیں اور پاؤں گرد و غبار سے آلودہ، اور اجرام ارضی سے زیادہ ملبس ہوتا ہے، خصوصاً طاعون کے زمانہ میں، اس لئے بہ نظر حفظانِ صحت بھی پاؤں کا دھونا زیادہ اولیٰ اور زیادہ قرین عقل ہے اور پاؤں کا دھونا علاوہ صفائی کے مقوی دماغ بھی ہے اس لئے اللہ کی رضا پاؤں دھونے ہی کی معلوم ہوتی ہے۔

4- جب ناپاک ہوا کرو تو طہارت کرلیا کرو، یعنی نہالیا کرو۔ اس کو غسل کی آیت میں اوپر بیان کیا گیا ہے۔

5- اگر مریض یا مسافر ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لیا کرو۔ ان دونوں کے ساتھ پانی ملنے نہ ملنے کی قید نہیں کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج اللہ تم پر دقت نہیں ڈالنی چاہتا اور اس میں شک نہیں کہ مریض و مسافر کے لئے پانی میسر آسکنے پر بھی دقتیں لاحق ہوتی ہیں اس لئے مرض و سفر نہایت قوی عذر ہے جس کا اللہ نے ہر حکم میں لحاظ رکھا ہے۔ گویا ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج انہیں دونوں کی نسبت فرمایا ہے جن کا لحاظ ہر حکم میں اس نے رکھا ہے۔

6- تم میں سے جب کوئی غائط (پاخانہ) سے آئے، یہ تہذیباً کہا گیا یعنی پاخانہ پیشاب اور حدث ہو جائے جن باتوں کو پاخانہ سے تعلق ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ورنہ صرف پاخانہ سے گھوم آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ تہذیب گفتگو ہر زبان میں ہے، یا کوئی عورت سے ملامست کرے تو وضو کرلیا کرے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرلے (جیسے پانی پاک کرنے والی چیز ہے مٹی بھی ہے۔)

صلوٰۃ کے لئے وضو کا ہونا شرط ہے اس لئے وضو کا تیقن ہونا چاہیے تا کہ شرط فوت نہ ہو نہ مشتبہ رہے تو نیند یا غشی میں چونکہ وضو کا تیقن نہیں ہوسکتا اس لئے جاگنے یا ہوش آنے کے بعد پھر وضو کرلینا ضرور ہے تا کہ شرط صلوٰۃ متیقن ہو جائے۔

Marfat.com

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الٰہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

تیمم

طہارت کی ایک شان تیمم ہے۔ طہارت پانی سے بھی ہوتی ہے اور مٹی سے بھی۔ استنجا پانی سے کرو یا کلوخ (مٹی کا ڈھیلا) لو طہارت حاصل ہو جائے گی۔ مگر اولیٰ پانی سے طہارت ہے کہ اس میں طہارت کاملہ ہوتی ہے اسی لئے اصل غسل اور وضو ہے، اور بحالت مجبوری غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔

تیمم بھی غسل اور وضو کی طرح ازلی ہے۔ قوم غسل اور وضو کو جانتی تھی تو تیمم کو بھی۔ تیمم بھی عربی ہی کا لفظ ہے۔ تیمم پہلے نہ ہوتا تو یہ لفظ آتا نہیں اور انوکھا لفظ ہوتا۔ غسل و وضو کی طرح تیمم بھی صلوٰۃ کا مقدم جزو ہے۔

خدا فرماتا ہے: فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ط

(النساء:43) ''تیمم کیا کرو پاک مٹی سے تو مسح کر لیا کرو منہ اور ہاتھوں کا۔''

تیمم غسل کے عوض بھی ہے، اور وضو کے عوض بھی۔ تیمم جو غسل کے عوض ہے اس کا بیان غسل کی سرخی میں ہوا، اور جو وضو کے عوض ہے اس کا بیان وضو کی سرخی میں ہوا۔

تیمم بحالت مجبوری ہے اور غسل اور وضو دونوں میں مجبوری ہے، پانی کا نہ ملنا اور مرض و سفر اور جو ناقضات وضو بیان ہو رہے ہیں وہی ناقضات تیمم بھی ہیں۔ کیونکہ تیمم وضو کی جگہ پر ہے۔

پانی کا نہ ملنا تو ایسی مجبوری ہے کہ آدمی غسل یا وضو کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس کو بغیر اس کے کہ وہ مٹی سے طہارت کرے یعنی تیمم اور کوئی راہ ہے نہیں۔

مریض و مسافر کے ساتھ پانی کی قید نہیں رکھی گئی کیونکہ اگر پانی نہ ملنے کی قید لگاؤ تو مریض کی تو جان ہی گئی کہ حالت مرض میں اس کو غسل کرنا پڑا باوجودیکہ اللہ نے فرمایا ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج۔ خدا تم پر دقت ڈالنی نہیں چاہتا۔ اسی طرح مسافر بھی جس کی رعایت صلوٰۃ قصر اور زمانہ صوم کے بدلنے سے کی گئی ہے آفتوں میں پڑا کہ پانی کے پیچھے ٹرین نکل گئی اور وہ

Marfat.com

عورتوں اور بچوں سے معہ ٹکٹ جدا ہو گیا۔ اور علیٰ ہذا سفر کے سیکڑوں مصائب۔ علام الغیوب بندوں کی ساری دقتوں سے واقف ہے، اس نے مریض و مسافر کو بعوض غسل اور وضو کے تیمم کی رخصت دی اور اصولاً فرمادیا ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج اللہ کو تکلیف دہی مقصود نہیں اس کو تو طہارت مقصود ہے۔ پانی سے طہارت کو فرمایا اور بحالت مجبوری و دقت تیمم کی راہ کھول دی۔

قربان اپنے اللہ کے جس نے بندگی میں بھی ہماری ہر طرح کی مجبوریوں اور زحمتوں کا لحاظ رکھا اور سہولتوں کی راہیں کشادہ کیں۔ اور بایں لحاظ کہ بندہ مجبور ہو کر کہیں نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے۔ اقتضائے فطری کے قانون کو کہیں ٹوٹنے نہ دیا۔

اے خدا! اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے اور مجھ متوالے کو اپنی پاک محبت کی گود میں اٹھالے کہ ہماری دید و شنید، ہماری گفتار و کردار سب کچھ تیری محبت میں، تیری یاد میں، تیرے مواجہ کے ساتھ اور تیرے حضور میں ہو۔ دل بیار و دست بکار جیسے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے برتا اور زندگی کا حق ادا کیا، اے بارش رحمت اسی رسول کا صدقہ ایک چھینٹ ادھر بھی۔ اے فریادرس یہ تیرے عاشق کی فریاد ہے اور تیرے سوا فریاد سننے والا ہے کون۔ بارش رحمت کی جھڑی لگادے کہ مجھے حقیقی غسل و وضو نصیب ہو قبل اس کے کہ لحد سے تیمم کرنی پڑے۔

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

اذان

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ط (المائدہ:58)

"جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے یعنی اذان دیتے ہو تو لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔" اذان کی مشروعیت کے لئے یہ ایک آیت کافی ہے۔

دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے متعلق اللہ نے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط (جمعہ:9) "مومنو! جب جمعہ

Marfat.com

کے دن اذان دی جایا کرے تو بیچنا چھوڑ کر نماز کے لئے فوراً چل کھڑے ہوا کرو۔" اس سے بھی اذان کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کم سے کم نمازِ جمعہ کے وقت تو دکان بند کر دینی چاہیے۔ یہ اللہ کا فرض کردہ ہے۔

اعلان صلوٰۃ بھی ازلی ہے جیسے صلوٰۃ ازلی۔ قوم نے جس طرح صلوٰۃ کو ضائع کیا کہ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ (مریم:59) پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشیں ہوئے جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا۔ اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔

اسی طرح اس نے ناقوس اور گھنٹے وغیرہ بجا کر اعلان صلوٰۃ کو بھی ضائع کیا۔ مسلمانوں نے اذان قائم کی، جس سے غرض اعلانِ صلوٰۃ تھی، اللہ نے پسند فرمایا، اور اس کو **نادیتم الی الصلوٰۃ** فرمایا۔ جب اس نے پسند فرمایا تو اس کی مشروعیت قائم ہوگئی۔

اعلانِ صلوٰۃ ازلی شے ہے، مگر کیونکر اعلان ہو یہ مجاز کی صورت ہے جیسے اعلان کرو۔ مسلمانوں کے تفقہ نے اذان کی صورت اختیار کی۔ مگر اللہ نے اسے پسند فرمایا اور جائز کر دیا۔ اب اس کی صورت فرض کی ہوگئی۔

فاٰمنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الٰہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

صلوٰۃ

خداوند عالم نے انسان کو ہزاروں طرح کی قوتیں اور نعمتیں عطا کیں، اور ہر ایک سے شکر یعنی عبادت اور خراج کا طالب ہوا، تاکہ وہ وسیلۂ تقرب ہو۔ روح دی تو روحانی عبادت، توبہ، ذکر، فکر، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ وغیرہ کا (جس کا بیان منہاج الحق میں کیا گیا ہے) حکم دیا۔ جسم دیا تو جسمانی عبادت جہد و جہاد، اطاعت والدین، خدمت خلق، رفاہ عام کے کام وغیرہ وغیرہ کا حکم دیا۔ جسم و روح کو منظم کیا اور اس طرح کہ ایک سے دوسرا اثر پذیر ہے، تو عبادات مشترکہ صلوٰۃ و صوم اور

Marfat.com

حج وزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ کا حکم دیا۔

مجھے صلوٰۃ کو بیان کرنا ہے۔ صلوٰۃ روحانی عبادت یعنی اللہ کی یاد اور اس کی ظاہری اور ساری باطنی قوتوں کی محافظت کے ساتھ ایسے اعمال جسمانی کا بجالانا ہے جو اتقا کا محافظ اور روحانیت کے عروج کا باعث ہے۔ سارا جسم روح کی موافقت اور ساری ظاہری قوتیں ساری باطنی قوتوں کے ساتھ مل کر حضوری میں حاضر ہو کر نعمائے الٰہیہ کا عملی شکر ادا کرتی ہیں، اور مستحق انعام واکرام ہوتی ہیں۔ صلوٰۃ کا حکم تو ایسا مہتم بالشان ہے جس کی تاکید سے قرآنِ مجید بھرا ہوا ہے۔ اور تاکید بھی اس عظمت سے کی گئی ہے جس کی حد نہیں۔ مثلاً اللہ کا فرمان صادر ہوا ''..... وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ (روم: 31-32) ''نماز کو قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو پراگندہ کر لیا اور فرقے فرقے ہو گئے اور ہر فرقہ اپنے حال میں مست ہے۔'' لوگوں نے اس آیت کی نافرمانی دل کھول کے کی۔ دین کو پراگندہ بھی کیا، فرقے فرقے بھی ہو گئے اور حق بینی کی آنکھیں بند کر لیں کہ ہر فرقہ اپنے حال میں مست ہے اور اپنے اگلوں کی قابلیتوں کا سرشار۔ اسی پر بس نہیں، نماز کیا قائم کرتے کہ کوئی تو لگا اس کو منحوس بتانے کہ نماز مجھے راس نہیں آتی، اور یہ تو فلاکت زدوں کا شیوہ ہے، مسجدوں میں جا کر دیکھو لو۔ کوئی لگا اس کی فرضیت ہی پر اعتراض کرنے۔ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ:

1- خدا نے صلوٰۃ تو فرض کی مگر یہ بتایا ہی نہیں کہ صلوٰۃ کون سی چڑیا ہے۔ اس لئے فرض ہوتا ہے لفظ صلوٰۃ اور طرز صلوٰۃ غیر فرض۔ صلوٰۃ کے معنی دعا کے بھی ہیں تو جب طرز اس نے فرض نہ کیا تو صلوٰۃ کے معنی دعاء کے کیوں نہ سمجھے جائیں گے۔ کسی وقت دعا کر لو نماز ادا ہو گئی۔ اگر دعا کے معنی نہیں اور طرز اس نے بتایا ہی نہیں تو فرض کیا ہوا۔ ایسے مجمل فرض کی تکمیل محال ہے۔

2- حکم قطعی تو سمجھا جائے مجمل، اور اس کا طرزِ عمل سمجھا جائے ظنیات غیر قطعی سے، تو وہ حکم قطعی رہے گا، یا غیر قطعی اور ظنی ہو جائے گا، اور ان الظن لا يغني من الحق شيئا۔ ظنیات حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتے۔ صلوٰۃ کہی تو جائے فرض اور طرزِ صلوٰۃ بتایا جاتا ہے حدیث سے تو

Marfat.com

سوائے لفظی فرضیت کے اور فرضیت کیا رہتی ہے۔

3- اگر کوئی کہے کہ مانا صلوٰۃ فرض ہے مگر اس طرز سے اس کی فرضیت ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ طرزِ حدیث سے ہے اور حدیث ظنیات میں داخل ہے اور ظن مستوجب فرضیت نہیں کیونکہ حدیث کی اجتماع اور حفاظت کا اور اس کی آمیزشوں سے پاک اور محفوظ رکھنے کا، نہ اللہ نے ذمہ لیا، نہ خود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، پھر اس کا ذمہ دار کون ہو۔ اور پھر حدیث کی کتاب پر ایمان لانے کے لئے جامعان احادیث اور ہزاروں راویانِ احادیث پر ایمان لانا شرط ہے، ورنہ حدیث خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اور ان بزرگوں پر اور اتنے بزرگوں پر ایمان لانا داخل ایمان نہیں تو بتاؤ کون سی نماز اللہ کی فرض کردہ ہے۔

4- تارک صلوٰۃ تو ایک طرح کا مشرک ہو، اور جہنم میں جھونکا جائے، تو کیا یہ ارحم الراحمین کا عدل ہوگا کہ طرزِ نماز تو بتائے نہیں اور اس کے مخصوص طرز پر ادا کیے جانے کا طالب ہو، کیا یہ عدل و رحم کا اقتضا ہو سکتا ہے؟

5- اگر طرزِ صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چھوڑا گیا کہ جس طرح آپ چاہیں نماز پڑھ دیں، وہی نماز مطلوب ہے اور اس کے لئے وحی غیر ضروری ہے، تو کیا رحمۃ اللعالمین کی شان کے یہ زیبا ہوگا کہ اللہ کی مرضی جان کر طرز صلوٰۃ اور علی ہذا سارے مجمل احکام کا ضمیمہ قرآن مجید میں ضم نہ فرمائیں، اور تبلیغ قرآن کے ساتھ شامل نہ فرمائیں۔ اور جامعان احادیث پر ختم رسالت ملتوی کر کے مجمل نا قابل عملدرآمد قرآن تبلیغ فرمائیں، جس سے حدیث جمع ہونے تک قرآن کی تعمیل صدیوں سنی سنائی باتوں پر اور لوگوں کی دیکھا دیکھی ہوا کرے، جس میں غلطی اور موضوعات کا خطرہ ہو۔ اس خیال سے تو نماز کا ستون ہی ہل جاتا ہے؟

نماز کو منحوس کہنے والے تو انتہائی گمراہ لوگ ہیں جو شیطان کے جھپیٹ میں آگئے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کا عروج انہی نمازی مسلمانوں سے ہوا تھا جو نماز کو نماز کے حق ادائیگی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آج مسلمان نماز چھوڑ کر ایک طرح کے شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں جب فلاکت زدہ اور اس برے حال کو پہنچے ہیں جو ان کے کرتوتوں کی سزا ہے۔

Marfat.com

ہاں ان لوگوں کے اعتراضات ابھی بیان ہوئے چونکہ بر بنائے قرآن وحدیث ہیں اس لئے قابل توجہ ہیں۔

یہ سارے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ صرف اس عقیدے سے کہ قرآنِ مجید خود قرآن مجید کے دعوے کے خلاف مجمل مانا گیا ہے حالانکہ وہ مجمل نہیں جیسا کہ مسائل حل طلب کے نمبر 9 میں یہی مسئلہ قرآنِ مجید سے حل کیا گیا ہے۔ جب قرآنِ مجید اپنے مفصل ہونے کا مدعی ہے تو مجھے یہی دکھانا ہے کہ حکم صلوٰۃ مجمل نہیں مفصل ہے۔

اے قوم! قرآنِ مجید کوئی لغت کی کتاب نہیں، مصطلحات کی کتاب نہیں، جس میں لغات اصطلاحات حل کیے جائیں اور لفظ کے پیچھے ایام جاہلیت کے اشعار سند میں لائے جائیں۔ قرآنِ مجید تو روحانی اور جسمانی ترقیوں اور تکمیل انسانیت کا قانون ہے، جو زبان عرب میں نازل ہوا ہے، جسے لوگ بولتے اور سمجھتے تھے۔ تاکہ وہ سمجھیں اور فائز المرام ہوں جیسا کہ مسائل حل طلب کے نمبر 51 میں بوضاحت اور دلائل قرآنی سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے صلوٰۃ کیا سارے ہی احکام اسی اصول پر دیے گئے ہیں۔ جب ہی قوم نے حکم سنا اور اس کی تعمیل کی۔ یہ غلغلہ بلند ہی نہ ہوا کہ ما الصلوٰۃ وما الزکوٰۃ۔ مثلاً اللہ نے فرمایا: السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا (مائدہ: 38) ''چور مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو'' یہ نہ فرمایا کہ سرقہ کیا چیز ہے اور سارق کسے کہتے ہیں۔

اسی طرح اس نے فرمایا: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (نور: 2) ''زانیہ اور زانی ہر ایک کو سو کوڑے مار'' یہ نہ فرمایا کہ زنا کیا ہے اور زانی کسے کہتے ہیں۔

اسی طرح اس نے فرمایا: و احل اللہ البیع و حرم الربو۔ ''خدا نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام'' اللہ نے ربا کو حرام کیا اور اس کی سزا خلود فی النار قرار دی، مگر یہ بتایا ہی نہیں کہ بیع کونسا معاملہ ہے جو حلال کیا گیا اور ربا کونسا معاملہ ہے جو حرام کیا گیا۔

چور کے ہاتھ کٹے، زانی اور زانیہ کو کوڑے لگے، سود خوار جہنم میں جھونکا گیا، مگر چوری کو بیان کیا نہ زنا کو نہ ربا کو کیوں بیان نہ کیا؟ کیا سستی سے، بھول چوک سے، لاعلمی سے، یا ظلماً نعوذ باللہ

Marfat.com

منھا۔ یہ تو اللہ کی نسبت کفر کے تخیلات ہیں۔ بیان اس لئے نہ کیا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ قوم جانتی تھی کہ چوری کیا ہے، زِنا کیا ہے، ربا کیا ہے، یہ اسی کی بول چال کے الفاظ تو ہیں۔ کیا اندھیر ہے کہ ہم تم سے یہ الفاظ بولیں تو تمہاری سمجھ میں آ جائیں، اور اللہ فرمائے تو یہ مصطلحات معمہ اور چیستان ہو جائیں کہ لاینحل ہوں۔ مجمل ہو جائیں کہ بغیر تفصیل و تفسیر کے سمجھ میں آنے ہی کے نہیں۔ یوں مجمل کہنے کو کھڑے ہو تو وہ ہر بات ہے، ہر مفصل بھی مجمل ہے۔ مثلاً اللہ پر ایمان لاؤ۔ اسے مجمل کہہ دو کہ کیسے اللہ پر، پھر ایمان لانا کیا معنی، ایمان تو ہونے کی چیز ہے۔ تو کیسے اللہ پر ایمان مطلوب ہے یا صوت دار اللہ پر، جو انسان کی شکل وصورت کا ہو، یا بے صورت اللہ پر۔ یا ایسے اللہ پر جو ایک جگہ بیٹھا ہوا ہو یا ایسے اللہ پر جو ہر جگہ ہے۔ پھر آور دکر کے زبردستی ایمان لایا جائے تو اس کی ذات پر یا صفات پر بھی اس کے وجود پر، یا اس کے شہود پر بھی۔ قرونِ اولیٰ کی طرح قال وحال سے، یا زمانہ حال کی طرح رسماً منہ بولا ایمان۔ اگر اجمال کے یہ معنی ہیں تو وہ ہر بات ہے اور ایسا اجمال کبھی حل ہونے کا نہیں اور ایسا نہیں ہے تو قرآنِ مجید کا کوئی حکم بھی مجمل نہیں ہے۔ اللہ کا فرمان ہے **وفصّلنٰہ تفصیلا** ہر حکم کو اپنی اپنی جگہ پر میں دکھاتا بھی جاؤں گا۔

اس اتنے بیان سے میری غرض یہ ہے کہ محاورہ زبان جسے اہل زبان سمجھتے ہیں وہ مجمل نہیں کہا جاتا اور جب محاورہ کے مفہوم سے سامع مطمئن ہوا تو وہ مفصل ہے جیسے اللہ نے سرقہ کو نہ بیان کیا، زنا کو نہ بیان کیا، ربا کو نہ بیان کیا، صلوٰۃ وزکوٰۃ کو نہ بیان کیا، حج وطواف کو نہ بیان کیا کیونکہ یہ قوم کے مصطلح الفاظ ہیں، ان اصطلاحوں سے وہ کماحقہ واقف ہے یہ کوئی فرشتوں کی اصطلاح نہیں۔ عربی زبان میں قرآن اترا ہے۔ عربی زبان کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ اس لئے حکم صریح ہے صاف اور واضح۔ اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح ہوگا کہ قوم صلوٰۃ کو جانتی تھی جو صلوٰۃ کے معنی نماز کے ہیں اور وہ ضرور جانتی تھی، کیونکہ لوگ مسلمان ہونے آتے، اسلام تبلیغ کیا جاتا، اسلام لاتے اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم سنا دیا جاتا، سن کر سرِ تسلیم خم کرتے اور فرماں برداری کا قول وقرار کر جاتے، نہ کسی نے کبھی یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ **! ما الصلوٰۃ وما الزکوٰۃ**۔ نہ ان کو کوئی رسالہ لکھ کر دیا جاتا کہ وضو اور نماز میں اتنے فرائض ہیں، اتنے واجبات وسنن ہیں اتنے مستحبات ومکروہات ہیں۔

Marfat.com

اس سے ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وغیرہ احکام کی اصطلاح معلوم القوم تھی۔

صلوٰۃ کا لفظ بھی قرآنِ مجید میں جہاں جہاں امر کے ساتھ یا صیغہ مضارع کے ساتھ آیا ہے اکثر الف لام کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ یا یقیمون الصلوٰۃ یہ الف لام بھی بتا رہا ہے کہ صلوٰۃ معلوم القوم ہے، کوئی انوکھی لامعلوم اصطلاح نہیں ہے۔ قرآن لامعلوم اصطلاح میں نہیں اترا ہے۔ عربی اصطلاح میں اترا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حکم تو دیا گیا مجمل، اور اس کی تفصیل چھوڑی گئی حضرت رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل پر، تو ایسی صورت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع مجمل کا حکم کیسا۔ کہ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ (الانعام: 106) ''قرآنِ مجید کی اتباع کرتے رہو۔'' اور مسلمانوں کو اس حکم کے کیا معنی اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكُمۡ (الاعراف: 3) ''قرآنِ مجید کی اتباع کرتے رہو۔'' بجائے اس کے حکم دینا تھا اکتب للقوم ما تعمل یا اکتبوا اعمال رسولکم ''اور جب یوں ہی سارے مجمل قرآن کی تعمیل کو آپ کے عمل پر ہی چھوڑنا تھا تو ایسے مجمل قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ سارا دین اسلام ہی آپ کے طرزِ عمل پر چھوڑا جاتا اور آپ کے اعمال لکھوا لئے جاتے۔ اس پر آپ کی مہر ثبت ہو جاتی۔ تاکہ وہ مفصل قرآن موجودہ قرآن و حدیث اور تحقیقات روایت وراوی سے بے نیاز کر دیتا، خصوصاً ایسے حال میں کہ اب کوئی نبی آنے والا ہی نہیں جو اجمال کو کھولے اور واقعہ یہ ہے کہ آپ ہمہ تن قرآن مجسم تھے۔ آپ کے سارے اعمال و افعال متمسک بہ قرآن تھے۔ محدود بحدود اللہ۔ نہ کم نہ زیادہ۔ قرآن مجید کبھی مجمل نہ سمجھا گیا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمل سمجھا، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ ایسا ہوتا تو ہمارے رسول جن کا دل ہماری بہتری کے لئے کڑھتا تھا۔ اور صحابہ جو دین وملت کے جاں نثار تھے، ضرور خیال کرتے اور قرآن کی تفسیر کا ضمیمہ اور اس کے مصطلحات کی فرہنگ ضرور قرآنِ مجید کے ساتھ ضم کر جاتے۔ اور اسلام ٹولیوں میں تقسیم ہونے سے بچ جاتا۔

خود خداوند باری تعالیٰ ایک قصہ کو تو دس جگہ بیان کرے اور احکام اور مہتم بالشان احکام کو جس کی نافرمانی سے انسان سی ضعیف الفہم مخلوق جہنم میں جھونکی جائے یوں مجمل اور ناقابل تعمیل

Marfat.com

صورت میں بیان کرے۔ اور پھر ایسے اجمال کا تو محافظ ہوا۔ ذمہ دار ہوا، اور اس کی تفصیل و تفسیر کا نہ حکم دے، نہ محافظ ہو، نہ ذمہ دار ہو، اور محکوموں کی اس نازک حال پر نہ خدائے رحیم کو رحم آئے، نہ رسول کریم ہی کا کرم گرمائے، نہ صحابہ کرامؓ ہی کا خون حمیت و ہمدردی جوش کھائے اور سب کی غفلتوں اور بے رحموں سے قرآن یوں مجمل رہے گا اور محکوم کی معقول حجت کی شنوائی نہ ہو۔

میں نے ایسے خیال کی جس سے ایسے اعتراضات اللہ اور رسول پر ہوں جرأت نہیں کرسکتا۔ کوئی مقدس جماعت کرے تو کرے۔ **سبحٰن اللہ عما یصفون**۔ حاشہ قرآن مجمل نہیں، اس لئے ایسے اعتراضوں کی گنجائش ہی نہیں قرآن ایسا مجمل سمجھا جائے کہ اس کے احکام بِلا آمیزش کسی دوسری انسانی کتاب کے غیر قابل تعمیل ہوں، تو دین کی بنیاد ہی نہیں رہتی۔

اے لوگو! قرآنِ مجید ہرگز مجمل نہیں۔ اللہ ہرگز ہرگز ظالم نہیں کہ وہ مجمل احکام دے کر جواب طلب کرے، اور جزا و سزا عمل میں لائے، اللہ نے احکام مفصل دیے ہیں، اس کا ثبوت عقلاً تو کسی قدر سن چکے، اب قرآن سے سنو اور سمجھو کہ جو صلوٰۃ سارے مسلمان ادا کر رہے ہیں یہی فرض ہے، اور اسی طرح فرض ہے۔ اختلافات کچھ ہیں تو وہ مجاز میں ہیں۔ اور باہمہ اختلافات سب کی نمازیں صحیح اور مفروضہ خداوندی ہیں۔ کوئی نیا فرض نہیں بلکہ ازلی فرض۔ خود قرآنِ مجید اس کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔

ملت ابراہیم میں اصطلاح الصلوٰۃ معروف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: **رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ** (ابراہیم: 37) ''اے ہمارے خدا! میں نے تیرے معزز گھر خانہ کعبہ کے پاس جہاں کھیتی باڑی نہیں اپنی کچھ اولاد لا کر بسائی ہے تا کہ اے اللہ یہ نمازیں پڑھیں۔''

یہی الصلوٰۃ کا لفظ ہے جو اسی معروف اصطلاح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں بھی مستعمل تھا اور اس وقت بھی ہے۔ لفظ ایک ہے تو معنی اور مفہوم دو نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دعا: **رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾** (ابراہیم: 40) ''اے اللہ مجھ کو توفیق دے اور میری اولاد کو

Marfat.com

بھی کہ ہم نماز پڑھتے رہیں اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔'' یہ ہم لوگوں کی الصلوٰۃ بھی دعا بھی دعاء ابراہیم ہے۔ یہی صلوٰۃ اس وقت بھی تھی اور اس وقت بھی ہے۔ اللہ جو حکم بھیجے وہ تو دونوں حکم میں کوئی تفرقہ نہ بتائے، بلکہ وہ حکم دے **فاتبع ملة ابراهيم حنيفا**۔ پھر دوسرا کوئی وہ علامہ ہی کیوں نہ ہو تفرقہ کرنے والا کون۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: **وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۲۶﴾** (حج:26)''اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے جگہ خانہ کعبہ کی ٹھہرا دی تو حکم دیا کہ ہمارا کسی کو شریک نہ کرنا اور طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے لئے بیت اللہ کو پاک وصاف رکھنا۔'' یہ آیت خیال کرنے اور یاد رکھنے کی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نماز میں قیام ورکوع وسجود سب تھا اور بہ ایں ترتیب تھا کہ پہلے قیام پھر رکوع پھر سجود۔ ہماری نماز میں بھی وہی سلسلہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہماری نماز وہی ابراہیمی نماز ہے، جبھی تو اللہ نے فرمایا: **ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا** (نحل:123)''پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو اللہ کی طرف یکسو ہو رہے تھے۔'' ملت کے لفظ میں ساری ابراہیمی شریعت آ گئی۔ اس لئے اسلام ناسخ سب ملتوں کا نہیں بلکہ مصدق سب ملتوں کا ہے۔ منجملہ اور احکام ملت ابراہیمی کے نماز اور وقت نماز اور طرزِ نماز ہے۔ صابی کے ہاں بھی وہی پائی جاتی ہے جو اپنے کو ابراہیمی المشرب کہتے تھے جس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: **وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ** (مریم:55)''وہ اپنے گھر والوں کو الصلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے۔'' اس پر بھی قوم سمجھتی ہے کہ ہماری صلوٰۃ غیر مصطلح قوم فرشتوں کی الصلوٰۃ ہے، جس کے امام حقیقی ہمارے رسولؐ نہیں بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بہت کچھ سہی مگر ہمارے رسول رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے اہل نہ تھے۔ عالم میں حضرت جبرائیل علیہ

Marfat.com

السلام بھی ہیں، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن پر ہماری جان فدا ہو ان کے لئے بھی رحمت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کتنے ہی بڑے ہوں مگر وہ باہمہ بڑائی ہمارے رسول علیہ السلام کے دامن رحمت کی احاطت کے اندر تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے کافروں نے کہا: اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ہود: 87) ''کیا تمہاری صلوٰۃ تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ جس کی پرستش ہمارے دادے کرتے تھے، ہم اس کو چھوڑ دیں۔'' حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں بھی نماز تھی۔ یہ تو ایسا ازلی فرض ہے کہ حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی۔ یابنیّ اقم الصلوٰۃ ''بیٹا! نماز پڑھتے رہنا۔''

حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ (الانبیاء: 73) ''ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے اور صلوٰۃ و زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی تھی۔'' کہیں پر سے اس کا کوئی خفی سے خفی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ فعل خیرات اور صلوٰۃ و زکوٰۃ میں کوئی تفرقہ یا اختلاف ہو۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ اگر بدلی تو فعل خیرات بدل کر کیا ہوا، اولاً اختلاف قائم کرنا اصول ٹھہرایا گیا، پھر ہر چیز میں اختلاف قائم کیا گیا کہ پہلے احکام کھوٹے تھے کھرے ہوئے ناقص تھے کامل ہوئے۔ نسخ کے لائق تھے، منسوخ ہوئے۔ خلاف فطرت تھے اب مطابق فطرت ہوئے۔ علم شاخسانوں کے تعصب و اختلاف کی شراب پلا کر ایسا مدہوش و بدمست کیا کہ قرآن پر تاویل و مرادی معنوں کی پنسل سے اصلاح کا خط کھینچا، اور اس کو یا تو مجمل کہہ کے الگ کیا، یا شخصی راویوں سے منحرف کیا اور بجائے اس کے کہ عمل کی ترازو میں اپنا پلہ جھکاتے، لطافت و ظرافت اور مجہول روایتوں کے شاعرانہ پیرایہ میں دیگر امم کے مقابلہ میں اپنی منہ بولی بڑائی ثابت کرنے لگ گئے تو اس کا نتیجہ پیغمبروں کی تحقیر کے سوا اور کیا ہاتھ آتا جن کی بڑائی ہمارے ایمان میں داخل ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (یونس: 87) ''ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی طرف وحی بھیجی کہ مصر میں

Marfat.com

اپنی قوم کے لئے گھر بناؤ۔ (بیوت کا لفظ ہے یعنی اس میں متعدد مکانات ہوں) اور اس گھر کو اپنا قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو۔'' اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصر میں قبلہ بنانے کو کہا گیا، اور اس کا نقشہ بتایا گیا کہ اس میں کئی گھر ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک یہود کا یہی قبلہ تھا جو مصر میں تھا۔ قبلہ کا اختلاف اور طرز بناوٹ کا اختلاف اس لئے ہوتا رہا کہ اللہ کی مخلوق قبلہ ہی کو معبود نہ سمجھ لے، بلکہ قبلہ کو نماز کی یکجہتی کے لئے ایک سمت مفروضہ خداوندی سمجھے۔ اللہ یہ تبدیل نہ کرتا رہتا تو قبلہ بھی ایک بت ہی ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر یعنی مذہب یہود میں الصلوٰۃ فرض تھی۔

الصلوٰۃ کا ایک لفظ استعمال ہو رہا ہے اس کے پچاس معنی کس طرح ہو سکتے ہیں طرز صلوٰۃ بدلتا گیا مگر سب طرزوں کے ادا کرنے کے لئے ایک ہی لفظ رہے گا۔ اللہ نے تفرقہ نہ کیا مگر جس علامہ کا جی چاہے یہودیوں کی رطب و یابس روایتوں کی بنا پر تفرقہ ڈال دے تو ڈال دے اگرچہ اس کا وہ مجاز نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: **وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱** (مریم: 31) ''مجھ کو اللہ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا تا زیست حکم دیا ہے۔'' اگر عیسائی نماز نہیں پڑھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے تو اس سے اللہ کا حکم اٹھ نہ جائے گا۔ عیسائیوں پر بھی صلوٰۃ و زکوٰۃ فرض تھی۔ اسی لئے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر خدا نے فرمایا تھا۔ **قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ** (مائدہ: 12) ''اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

اسی طرح ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا: **وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ** (طٰہٰ: 132) ''اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرتے رہو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔'' اس کے سوا اور بیسیوں آیتیں ہیں۔

حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت شعیب، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور ہمارے نبی آخر الزمان علیہ

Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام سب پر صلوٰۃ فرض تھی، اور زکوٰۃ بھی، چونکہ ایک ہی لفظ صلوٰۃ کا استعمال ہوا ہے بلا کسی فرق و امتیاز کے، اس لئے ان صلوٰتوں میں تفرقہ کرنے کا کوئی مجاز نہیں۔ سب پر بالضرور قائمین والرکع السجود والی ابراہیمی صلوٰۃ فرض تھی اور یہی دین قیم کا اقتضا بھی ہے۔

کیا اتنی آیتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صلوٰۃ کی اصطلاح ازلی ہے اور یہ معلوم القوم تھی قوم جانتی تھی کہ صلوٰۃ کس کو کہتے ہیں۔

حکم تو ایسا مہتم بالشان اور رفیع المنزلت، حکم دینے والا قادر و قیوم خدا۔ پہنچانے والے برگزیدہ اور الوالعزم پیغمبر نہ صرف زبانی اور عمل سے بلکہ کتاب اللہ دے کر۔ مگر افسوس اس کے بندوں نے اس کی قدر یہ کی کہ زمانہ گزرا تو پچھلوں نے وہ نماز ہی بدل دی اور ضائع کردی۔ جس کا رنگ تم گرجاؤں میں دیکھتے ہو۔ اسی کو اللہ نے فرمایا: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (مریم:59) ایسے سلف کے ایسے خلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور متبع شہوات ہو گئے۔ پھر بھی سب نہیں بگڑے۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ (اٰلِ عمران:110) ''ان میں مؤمن بھی ہیں اور اکثر تو فاسق ہیں۔''

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی بعض بنی اسرائیل ٹھکانے کی نماز پڑھتے تھے۔ لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (اٰلِ عمران: 113) ''سب برابر نہیں اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ راتوں کو قیام میں اللہ کی آیتیں پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں۔'' ان کو صلحا بھی اللہ نے فرمایا ہے۔ بعض تو نماز پڑھتے تھے مگر اکثر متبع شہوات ہو گئے تھے کہ نماز کی یہاں تک درگت بنی کہ گانا بجانا سب ہی نماز میں داخل ہوا اور یوں اللہ پرستی کی جگہ حسن پرستی اور شہوت پرستی قائم ہوگئی۔ جس کو اللہ نے فرمایا واتبعوا الشھوات۔ ایسے بندوں میں بھی ضرور رسول آئے ولکل امۃ الرسول۔ تو ان کے یہاں بھی نماز ضرور ہوگی۔ مگر وہ بگڑی تو ایسی بگڑی کہ صلوٰۃ اللہ بدل کر غیر اللہ کی پوجا بنی۔ ہر چند یہ اسلام سے کفر و شرک کی حد کو پہنچے، تاہم آفتاب کی پوجا کرتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ اس میں قیام بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجود بھی ہے، مگر افسوس کہ یہ غیر اللہ کے لئے ہے۔

Marfat.com

اکثر یہود و نصاریٰ تو صلوٰۃ ضائع کر چکے تھے جیسا کہ میں نے اس کی آیت اوپر دی ہے۔ مگر بعض ٹھکانے کی نمازیں پڑھتے تھے۔ اس کی آیت بھی دی گئی ہے۔ انہیں کے ساتھ اللہ نے صابین کا ذکر بھی فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ (البقرہ: 62) ''بے شک وہ جو اپنے کو مؤمن کہتے ہیں اور ایمان کے مدعی ہیں اور وہ جو اپنے کو یہود و نصاریٰ کہتے ہیں اور صابئین (تو ان ناموں سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ) جو ایمان لائے اللہ اور روز آخرت پر اور عمل صالح کرے تو اس کے لئے اللہ کے یہاں اجر ہے اور نہ اس کو خوف ہوگا، نہ وہ مخرون ہوگا۔'' اس آیت سے ضرورت پڑی صابی کی تحقیق کی تو اس نے بھی اس عقدے کو بہت کچھ حل کیا۔ تحقیقات سے صابی کے مندرجہ ذیل حالات معلوم ہوئے جن کو ہمارے اس باب سے تعلق ہے۔

یونس اور صابی حضرت شعیب علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ صابی سے صابئین کی جماعت نکلی۔ یہ اپنے کو ابراہیم المشرب کہتے تھے اور پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی امت۔ انہیں سے مرادیں مانگنے لگ گئے تھے، جیسا کہ زمانہ کا دستور ہے۔ دنیا میں ایسا ہی ہوا ہے۔ امتداد زمانہ سے یہ بھی مذہب کو ایسا کھو بیٹھے تھے کہ ستارہ پرست ہو گئے تھے۔ سدرہ رباان کی کتاب ربانی کا نام ہے جو ازرم کی زبان میں ہے اور ایک دوسری کتاب بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام سے منسوب تھی وہ شاید ان کی حدیث ہو، یہی دو کتابیں ان کا دستور العمل تھیں۔ اول تو کعبۃ اللہ ہی ان کا قبلہ تھا، جب ستارہ پرست ہو گئے تو قطب جنوبی اور قطب شمالی کی طرف سجدہ کرنے لگ گئے۔ مکہ کی بڑی عظمت کرتے اور حج بھی کرتے تھے، مگر جب بگڑے تو مکہ معظمہ کے فاران پہاڑ میں کسی مقام کا حج کرنے لگ گئے تھے۔ روزہ بھی رکھتے تھے اور ایک مہینہ کا۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے اوقات کی پابندی اور رکعات کی پابندی کے ساتھ۔ ان کے یہاں سات وقتوں کی نمازیں تھیں۔ پانچ وقت ضروری اور دو وقت غیر ضروری۔ پانچ وقت جو ضروری تھی وہ ٹھیک ہماری جیسی۔ صبح، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں تھیں اور دو وقت جو غیر ضروری تھی وہ تہجد اور چاشت کی نمازیں تھیں۔

Marfat.com

رکعات کی پابندی اور طہارت کی نگہداشت کے ساتھ طہارت کا ان کے یہاں بھی بڑا خیال تھا۔

یہ کہنا کہ صلوٰۃ تو تمام فرض تھی مگر وہ مختلف طرز کی صلوٰۃ تھی ناقص و ناتمام، اسلام آخری نے اس کو کامل کیا ہے کسی طرح صحیح نہیں۔ خود فرض کرنے والے اللہ نے ایک لفظ صلوٰۃ کا فرمایا ہے بلا کسی تفرقہ و امتیاز کے۔ پھر کسی کو تفرقہ اور امتیاز پیدا کرنے کا کیا حق ہے۔ اس کے سوا صلوٰۃ من عند اللہ فرض ہوئی اور من عند اللہ میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء:82) اسی لئے خداوند عالم نے صلوٰۃ فرض کی تو لفظ اقیمو کے ساتھ کہ صلوٰۃ تو تم جانتے ہی ہو بس اسی کو قائم کرو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں اجمال کیا ہوا۔ اگر کوئی صلوٰۃ کی اصطلاح سے واقف نہ ہو، تو اس عدم واقفیت اصطلاح سے قرآنِ مجید اپنے دعویٰ تفصیل کے خلاف مجمل کیوں ہو جائے گا۔ تو جن اوقات اور جن رکعات کے ساتھ صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے، اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ آج سے نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جیسا کہ قرآنِ مجید کی آیتوں سے دکھایا گیا، تو جس کا جی چاہے قرآنِ مجید پر ایمان لائے، جس کا جی چاہے قرآنِ مجید کے خلاف علماء کی مختلف رایوں پر ایمان لائے۔

ایسا نہ سمجھو تو کیا یہ تعجب اور حیرت کا مقام نہ ہوگا کہ احکام باطنی اور سارے اخلاق اور تمدن کے احکام، اور سارے اوامر و نواہی، اور ہدایات ربانی، جو تحریف سے بچ کر رہ گئے ہیں، سب میں اسلام ان ادیان کے بالکل مطابق اور تمام تر مصدق ہے، اور مخالف ہے تو یہی ارکان اربعہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ میں۔ مثلاً قتل و خون ریزی، چوری، زنا، ظلم و فساد، غیبت، بہتان، عیب جوئی، حسد، جھوٹ، جھوٹی گواہی۔ ہمسایہ کی حق تلفی، تہمت خصوصاً پاک دامن عورتوں پر۔ ناپاک مرد و عورت کا عبادت گاہ میں جانا یا کتاب اللہ چھونا۔ تمام ممنوع ہے۔ مردار، سور، سکرات و شراب اور ماذبح غیر اللہ تمام حرام ہیں۔ والدین کا احترام، نکاح و طلاق کے احکام، ایلا، خلع، پردہ، جانوروں کی حلت و حرمت تمام ایک ہیں۔ اسلام کے روزے یہود و صابی کے سے ہیں۔ صابی کے یہاں بھی روزہ ایک مہینہ کا تھا اور مفروضہ پانچ وقتوں کی نمازیں بھی۔ اور ہفتہ کے ایک

Marfat.com

معینہ دن میں وقت مقررہ پر کارہائے دنیوی چھوڑ کر نماز ادا کرنی ہے، یعنی صلوٰۃ جمعہ۔ کیونکہ جمعہ کے دن کا متبرک ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ امتدادِ زمانہ نے کتاب اللہ پر، عقائد اور دیگر اعمال مذہبی پر، ہاتھ صاف کیا تو اس نے جمعہ پر بھی چھاپہ مار کر سینچر اور اتوار کو قائم کیا۔ جب ان ساری باتوں میں اور علیٰ ہذا القیاس بہت سے احکام و ہدایات میں، تفرقہ نہیں ہے تو کس آیت کی رو سے اور کس اصول پر یہ خیال صحیح ہوگا کہ اور ادیان میں صلوٰۃ کی اصطلاح اور تھی اور اسلام میں خاص طرح کی صلوٰۃ مراد ہے۔ جب اللہ نے قریب قریب ہر حکم میں فرما بھی دیا ہے کہ یہی حکم ہم نے پہلے بھی دیا تھا جیسا کہ نماز کے متعلق آیتیں بیان ہوئیں اور ہر حکم کے زیر سرخی میں بیان بھی کرتا جاؤں گا۔ اس لئے صلوٰۃ ہی کیوں کوئی حکم بھی تفرقہ کے ساتھ نہیں آیا۔ بلاشبہ کتب الٰہی ایک دوسرے کی بکمالہ مصدق ہیں۔ یہ کہنا کہ فلاں قوم کی صلوٰۃ میں قیام نہ تھا، رکوع نہ تھا، سجدہ نہ تھا، یا وہ نامکمل اور ناقص صلوٰۃ تھی، ان معذوروں کے لئے جائز ہو گا جن کا عقیدہ ہے کہ کتب الٰہی ایک دوسرے کی بلکہ قرآنِ مجید کی آیتیں بھی آپس میں ایک دوسرے کی ناسخ ہیں۔ مستزاد یہ کہ بعض آیتیں متروک التلاوۃ ہیں، داخل قرآن نہیں اور یہ کھلے کھلے **و انا له لحافظون** کے منکر ہیں اور سارے قرآن کو مشتبہ بنانے والے اگر یہ دوسری قوموں کی نماز پر نہ آئیں، اس کو کھوٹی بتائیں، جس کی دلیل وہ قرآن سے نہ لا سکیں تو کوئی تعجب کا مقام نہ ہوگا۔

اصطلاح صلوٰۃ

اس میں تو کلام نہ رہا کہ صلوٰۃ ملت ابراہیمی پر فرض ہے۔ ہر پیغمبر پر فرض تھی جس کی آیتیں دی گئیں تو اس سے ظاہر ہو گیا، کہ صلوٰۃ مصطلح قوم تھی اور قوم اس اصطلاح سے واقف تھی، جو حکم خداوندی سن کر عمل پیرا ہوئی۔ اب مجھے اس اصطلاح کو بیان کرنا ہے کہ وہ تھی کیا؟

عمل متواتر سے اصطلاح صلوٰۃ واضح ہوتی ہے۔ قوم نے جو کچھ سمجھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز پڑھی اور حکم خداوندی کی تعمیل کی تھی قوم اسی طرح کرتی چلی آ رہی

Marfat.com

ہے اور تاریخ مذہب یعنی حدیث بھی تمام تر اس عمل متواتر کی موید ہے تو ان دونوں سے اصطلاح صلوٰۃ جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

صلوٰۃ کے پانچ وقت مقرر ہیں۔ صبح، ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ہر نماز وضو رہتے ہوئے ہونی چاہیے۔ صبح کی 2 رکعتیں، مغرب کی تین اور ظہر عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں ہیں۔ ہر رکعت میں قیام، رکوع، سجود علی الترتیب ہیں اور ہر دوسری رکعت کے بعد قاعدہ، قیام میں الحمد اور کلام الٰہی کی کچھ آیتیں پڑھنی چاہئیں اور رکوع و سجود میں تسبیح و تحمید اور قاعدہ میں تحیات و درود۔

یہ روز کی نماز ہوئی۔ جمعہ کے دن بجائے ظہر جمعہ کی دو رکعتیں۔ خوف دشمن کے وقت کہ دشمن مقابل ہو مقتدی کی ایک اور امام کی دو رکعتیں۔ ایسے خوف میں کہ نماز پڑھنی دشوار ہو تو سوار یا پیادہ جس طرح ہو سکے پڑھے، سفر کی دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے۔ صلوٰۃ اصطلاحاً اسی کا نام ہے اور یہ ازلی اور ابدی ہے۔

یہ اصطلاح جو میں نے چند سطروں میں بیان کی اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ ایک ایک لفظ کی اصطلاح کھولنے میں ورقوں سیاہ ہو سکتے ہیں۔ آج بھی صلوٰۃ کی وہی اصطلاح ہے جو تھی مثلاً کسی سے کہو کہ فلاں صلوٰۃ کا پابند ہے تو سامع اس کا وہی مطلب سمجھے گا جو بیان ہوا۔ کیا اس سے واضح نہیں ہوتا کہ صلوٰۃ اسی کو کہتے ہی تھے اور کہتے ہی ہیں۔ ہم میں تم میں فرق تو صرف اسی قدر ہے تم کہتے ہو کہ صلوٰۃ کی یہ اصطلاح تیرہ سو برسوں سے ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ازلی ہے جس کے ثبوت میں آیتیں ہم نے دے دی ہیں۔

اصطلاح صلوٰۃ قرآنِ مجید سے

صلوٰۃ فرض موقت ہے۔ اللہ نے فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (النساء: 103) ''بے شک صلوٰۃ مومنوں پر فرض موقت ہے۔'' یعنی ذکر، فکر، مراقبہ، تسبیح، تکبیر، تحمید اور تہلیل ہزار کرتے رہو، ہر وقت کرتے رہو، یہ عبادت ہوگی۔ موجب خیر و برکات ہوگی، باعث افضال و نعمائے الٰہیہ ہوگی۔ باعث تصفیہ و تذکیہ روحانیات ہوگی۔ مگر اس سے صلوٰۃ

Marfat.com

مفروضہ سے سبکدوشی نہ ہوگی۔ کیونکہ صلوٰۃ بہ اوقات مقررہ بہ طرز خاص مفروضۂ خداوندی ہے اس لئے کوئی عبادت اس کی بدل نہیں ہوسکتی۔

اوقاتِ صلوٰۃ کی نسبت ارشاد خداوندی ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ (بنی اسرائیل:78) ''نماز پڑھا کرو آفتاب کے ڈھلنے سے تاریکی شب تک اور نماز صبح۔'' ظہر کے وقت سے نماز کا سلسلہ چلتا ہی عشاء کے وقت تک ہے اور اس کے سوا صبح کی نماز۔

خدا نے فرمایا: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (طٰہٰ:130) ''نماز پڑھو اپنے اللہ کی صبح کی۔ عصر کی اور اناآئ الیل یعنی عشاء کی اور نماز پڑھو اطراف نہار کے وقت یعنی ظہر و مغرب کی۔'' پانچوں وقت کا حکم صادر فرمایا۔

جس طرح قرآنِ مجید میں خود خداوند باری تعالیٰ کے بہت سے اسماء حسنیٰ یعنی صفاتی نام ہیں۔ جس طرح قرآنِ مجید میں رسول خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صفاتی نام ہیں۔ جس طرح قرآنِ مجید میں خود قرآنِ مجید کے بہت سے صفاتی نام ہیں جو اسی کتاب میں اوپر کہیں بیان بھی ہوئے ہیں۔ اسی طرح صلوٰۃ و زکوٰۃ کو بھی مختلف صفاتی ناموں سے فرمایا گیا ہے۔ زکوٰۃ صدقہ مفروضہ بتایا گیا ہے جیسا کہ مصارف زکوٰۃ کے بیان میں دیکھو اسی طرح صلوٰۃ کا نام تسبیح و تحمید بھی ہے۔ چونکہ صلوٰۃ سراسر تسبیح و تحمید ہی ہے۔ یوں تو تسبیح و تحمید انسان ہر وقت کرسکتا ہے۔ مگر جب موقت کر دیا تو وہ صلوٰۃ کا صفاتی نام سمجھا جائے گا۔ تسبیح و تحمید بوقت صلوٰۃ ہی ہے۔ اسی لئے اس میں صلوٰۃ کو تسبیح کے نام سے فرمایا۔

خداوند عالم نے مختلف وقتوں کی صلوٰۃ کی الگ الگ بھی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً من قبل صلواۃ الفجر۔ (نور) ''صبح کی نماز'' من بعد صلوٰۃ العشاء۔ عشاء کی نماز (نور) حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ۔ عصر کی نماز (بقرہ) اقم الصلوٰۃ طرفی النہار۔ ایک طرف میں اختلاف کرو مگر دوسری طرف تو نمازِ مغرب ضرور ہے۔ یعنی نمازِ مغرب کا حکم

Marfat.com

(ہود)اقم الصلوۃ لدلوك الشمس (بنی اسرائیل) پانچوں وقت کا حکم کھلا کھلا ہے۔

خدا نے فرمایا: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ (بقرہ:238)''پانچوں وقت کی نماز کی محافظت کرو۔'' محافظت کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ پڑھو اور اچھی پڑھو۔ مسلمانوں کی تعریف اس نے فرمائی الذین ھم علی صلوتھم دائمون۔ وہ اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں (معارج) تو قضا نہ ہونے دو، ناغہ نہ کرو، ہمیشہ پڑھا کرو۔ مؤمنوں کی تعریف میں ہے۔ والذین ھم فی صلوتھم خشعون۔ (مومنون) وہ اپنی نماز خشوع سے پڑھتے ہیں تو نماز میں خشوع کو لازم سمجھو۔ اس کا حکم ہے۔ اقم الصلوۃ لذکری (طٰہٰ) تو نماز میں اس کی یاد ہونی ضروری ہے ورنہ بادشاہ کے حضور مواجہ اِدھر اُدھر تو ظلم ہے۔ نماز ایسی تو ہو کہ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر۔ جو برائیوں سے روکے۔ وہ نماز نہیں جو برائیوں سے روکے نہیں۔

طرزِ صلوٰۃ

ہم حکم دیے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا اور ان کی صلوٰۃ تھی قائمین والرکع السجود۔ تو ہماری نماز بھی وہی قیام ورکوع وسجود والی قائم ہوئی۔

رکعات کی نسبت سورہ نساء کے پندرہویں رکوع میں صلوٰۃ قصر کو دیکھو۔ اس نے فرمایا کہ جنگ کے وقت ایک جماعت مسلح ہو کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ حفاظت کو کھڑی ہو اور دوسری جماعت آ کر ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ صلوٰۃ قصر ہوئی اور قصر کے معنی نماز کو آدھی کر دینے کے ہیں تو جب امام کی دو رکعتیں ہوئیں اور مقتدیوں کی ایک ایک۔ اور یہ آدھی نماز ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بلحاظ مقتدیوں کے قصر کی اصل نماز دو رکعت ہے۔ اور بلحاظ امام کے قصر کے، اصل نماز چار رکعتیں ہیں۔ یعنی نماز کی یہی دو چار رکعتیں ہیں اور تین چار میں داخل ہے، اس لئے نماز کی رکعتیں 2،3،4 ہیں۔ صبح وشام 2،3 اور باقی وقتوں میں چار چار۔

صلوٰۃ کی اصطلاح معلوم ہونے کے بعد اتنی تفصیل کی ضرورت نہ تھی صرف نماز کا حکم دینا ہی کافی تھا۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اس اصطلاح کو بھی اتنا کچھ واضح کر دیا۔

Marfat.com

میں بیان کر چکا ہوں کہ لوگ صلوٰۃ کی اصطلاح سے یعنی وقت صلوٰۃ اور طریقہ صلوٰۃ سے واقف تھے جب تو معراج کے پہلے اور فرضیت صلوٰۃ کے پہلے بھی صلوٰۃ پڑھی جاتی تھی آنحضرت بھی پڑھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ بھی۔ پھر وہ کون سی صلوٰۃ تھی۔کیا وہ مقبول بارگاہ لم یزل نہ تھی۔ صلوٰۃ جو مصطلح تھی جو سب پیغمبروں پر فرض ہوئی تھی۔ جو صابئین کے یہاں پائی جاتی تھی اور جو بعض اللہ والے اہل کتاب بھی پڑھتے تھے اور جس میں آپ نے **قائمین والرکع السجود** والی صفت پائی۔ وہ آپ نے پڑھی۔ وہی ابراہیمی مصطلح صلوٰۃ فرض ہوئی۔ وہی قوم نے پڑھی اور وہی بسلسلہ تواتر عملی ہم تک پہنچی۔ فرق جو پڑا وہ اب آ کر اہل قرآن کی نماز میں اور بالعموم روحانیت نماز میں۔

روحانیت نماز تو بالکل ہی کھوئی گئی۔ خدا نے فرمایا تھا: **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾** (طٰہٰ:14) ''میری یاد کے لئے نماز پڑھو۔'' اب نماز جو ہے بھی تو اس میں اس کی یاد سے واسطہ ہی نہیں، رسماً ہے یا عادتاً۔ الا ماشاء اللہ۔ نماز کا رکن اعلیٰ تھا **ولذکر اللہ اکبر**۔ (العنکبوت:5) ''سب سے بڑا رکن اللہ کی یاد ہے۔'' آج اس رکن اعلیٰ کی طرف متوجہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اللہ نے مؤمنوں کی صفت میں اول صفت یہ فرمائی ہے۔ **الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿٢﴾** (مومنون:2) ''مؤمن وہ ہیں جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں۔'' آج اس کی نافرمانی پر ملامت کرنے والا کوئی نہیں۔ رفع یدین اور آمین بالجہر کے جھگڑے ان اہم اور ضروری اور قطعی احکام وہدایات سے مقدم تر سمجھے گئے ہیں۔ مؤمنوں کی صفت پائی جائے نہ پائی جائے مگر ہر کوئی منہ بولا مؤمن ہے اور مؤمنوں کے انعام وعنایات کا دعویدار۔ مگر اللہ کہیں فقروں میں آتا ہے۔

اے لوگو! غفلت بہت بڑا شیطان ہے اس سے پناہ مانگو اور اللہ کی یاد ہی نماز کی جان ہے۔ اس سے غفلت نہ کرو۔ پہلے قبلہ رُخ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ حکم ہے: **فول وجهك شطر المسجد الحرام**۔ (بقرہ) ''قبلہ کی سمت نہ معلوم ہو سکے تو **فاینما تولوا فثم وجه اللہ** مجبوراً جدھر منہ کرو اُدھر ہی قبلہ ہے۔ پھر نماز خشوع وخضوع سے ادا کرو۔ قیام کرو تو **قوموا للہ قنتین** (البقرہ) ''اللہ کے حضور میں کھڑے ہوا کرو تو مودب'' جسم بھی مودب ہو اور روح بھی۔ ظاہر بھی

Marfat.com

مودب ہو اور باطن بھی۔ یہ عام ہے تو اس کی تخصیص نہ کرو۔ یہی خشوع وخضوع ہے۔

قیام میں پڑھو کیا اور کس طرح تو اس کو اللہ فرماتا ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾ (بنی اسرائیل: 110-111) ''اپنی نماز میں نہ تو بہت زور سے پڑھو اور نہ بالکل ہی آہستہ بلکہ معتدل آواز سے پڑھو اور الحمد للہ پڑھا کرو اللہ ایسا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے، نہ خدائی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی تکبیر کیا کرو جو تکبیر کا حق ہے۔''

یعنی نماز کی ہر حرکت میں تکبیر کیا کرو جب کبرہ تکبیرا کا حق ادا ہوگا۔ بعد تکبیر الحمد پڑھا کرو یعنی سورہ فاتحہ۔ فاتحہ تو سبع مثانی ہے۔ سات آیتوں والی سورہ جو ہر رکعت میں دوہرائی جاتی ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ (حجر: 87) ''ہم نے تم کو سات آیتوں[1] والی سورہ دی جو نماز میں دوہرائی جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا قرآن دیا۔'' تو الحمد پڑھ کر قرآنِ مجید میں سے جو پڑھ سکو وہ پڑھو۔ پھر اللہ فرماتا ہے: اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ۔ ''تلاوت کیا کرو قرآن مجید کی دراں حالیکہ تم نماز قائم کرو۔'' یعنی قیام

---

[1] عام طور پر سبعا من المثانی کا ترجمہ سات آیتیں کر دیا جاتا ہے اور چونکہ روایات میں اس آیت کا مصداق سورۂ فاتحہ کو بتایا گیا ہے لہٰذا سورۂ فاتحہ کی سات آیات بنائی جاتی ہیں۔ حالانکہ بشرط صحت روایات۔ مطلب یہ ہے کہ کل قرآن کا خلاصہ فاتحہ میں بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا سبع مثانی کل قرآن کو کہا گیا ہے۔ والقران العظیم میں واو تفسیری ہے سورہ الزمر آیت 23 میں بھی مثانی قرآن کی صفت کے لئے آیا ہے۔ سبع مثانی کی تاویل اس طالب علم کے نزدیک یہ ہے کہ سبع مثانی میں سبع سے مراد وہ سات قسم کی تعلیمات ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں: (۱) توحید (۲) رسالت (۳) معاد (۴) اخلاقیات (جنہیں حکمت کہا گیا ہے) (۵) ماننے والوں کا بیان (۷) نہ ماننے والوں کا بیان اور مثانی سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو قرآن میں ایک ساتھ بطور جوڑا آئی ہیں جیسے اچھائی کے ساتھ برائی، نیکوں کے ساتھ بدوں اور جنت کے ساتھ ساتھ جہنم کا بیان۔ واضح ترین بات یہ ہے کہ کسی حدیث میں سورہ فاتحہ کی سات آیات نہیں بتائی گئیں۔ حق یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی کل چھ آیات ہیں، چنانچہ سبع من المثانی کا ترجمہ غلط کر دیا گیا ہے۔ امتیاز عثمانی۔

Marfat.com

میں قرآنِ مجید پڑھا کرو۔ دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے۔ ان ربك يعلم انك تقوم ادنی من ثلثی الیل ونصفه وثلثه وطآئفة من الذين معك والله يقدر اليل والنهار علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقروا ما تيسر من القران۔ "تمہارے اللہ کو معلوم ہے کہ تم اور تمہارے چند ساتھی تقریباً دوثلث شب کبھی نصف شب اور کبھی ثلث شب نماز میں کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم وقت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس نے تمہارے حال پر رحم کیا۔ اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے، پڑھو۔" (مزمل آخر رکوع)۔ غرض سورہ فاتحہ کے بعد جس قدر قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھا کرو۔ اور جب امام قرأت کرے تو اذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا تو چپ چاپ سنا کرو۔

قیام کی نسبت تو ہدایت مفصل معلوم ہو گئی، اب رکوع و سجود کی نسبت ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (الحج: 77) "ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور عبادت کیا کرو اپنے اللہ کی۔"

یعنی رکوع و سجدہ اللہ کی عبادت کے لئے ہونا چاہیے۔ نہ تو ایسا ہونا چاہیے کہ رکوع و سجدہ میں اللہ کا دھیان ہی نہ ہو کہ وہ عبادت اللہ کی نہ ہو گی اور نہ کسی دوسرے کو رکوع و سجدہ کرو۔ رکوع و سجدہ اللہ کی عبادت کے لئے کیا کرو۔ رکوع و سجدہ میں کرو کیا۔ تو خدا نے فرمایا: فسبح باسم ربك العظيم تو سبحان ربي العظيم رکوع میں اور سجدہ میں سبحان ربي الاعلى پڑھا کرو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا فسبح بحمد ربك وكن من السجدين اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو دوران حالیکہ تم سجدہ میں ہوا کرو۔ تسبیح ہونی چاہیے کوئی تسبیح ہو۔ مگر سب سے بہتر ہے سبحان ربي الاعلى وبحمده پڑھنا، تا کہ سبح بحمد ربك کی پوری تعمیل ہو۔

قضائے صلوٰۃ

خدا کا حکم واجب التعمیل اور انسان مجبوریوں کی نشانہ گاہ اگر نماز یا کوئی عبادت مفروضہ کسی مجبوری سے یا بھول چوک سے قضا ہو جائے تو فریاد کی جگہ ہے، بلاسرکشی مجبوراً نافرمان بنتا ہے۔

Marfat.com

اللہ! اللہ اس ارحم الراحمین اللہ نے اس کی راہ بھی کھول دی ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ خلفہ بالکسر کے معنی منتہی الارب میں ہے من فانہ امر باللیل ادرکہ بالنہار و بالعکس تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اس شخص کے لئے جو اللہ کی یاد اور اس کے شکر کا ارادہ کرے اللہ نے رات اور دن بنایا ہے کہ جو رات کو فوت ہو وہ دن کو ادا کرے اور جو دن کو فوت ہو وہ رات کو۔ یعنی دوسرے وقت ادا کر لے۔'' (فرقان: 62) اس آیت سے قضائے نماز یا قضائے عبادت کا اشارہ ملتا ہے۔

خداوند عالم نے صلوٰۃ فرض کی تو صیغۂ واحد اور صیغۂ جمع دونوں کے ساتھ یعنی فرداً فرداً بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور باجماعت بھی۔

صلوٰۃ عید الضحیٰ اور قربانی کی نسبت حکم ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ پہلے نماز پڑھ لو تو قربانی کرو (کوثر) یہی عمل متواتر سے بھی چلا آتا ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھ لیتے ہیں اس کے بعد قربانی کرتے ہیں۔

یہ اتنا بیان تو صلوٰۃ مفروضہ کی نسبت ہوا لیکن ہم مسلمانوں میں اس کے سوا بھی نمازیں ہیں مثلاً صلوٰۃ تہجد، صلوٰۃ واجبات و سنن، صلوٰۃ اشراق، صلوٰۃ چاشت، صلوٰۃ عید الفطر، صلوٰۃ الجنائز، صلوٰۃ کسوف و خسوف، صلوٰۃ التراویح۔ ان ساری نمازوں کی نسبت میں الگ الگ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

صلوٰۃ تہجد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی۔ آپ نے اس کی تعمیل کی۔ پھر جن کو عبادت کی چاٹ لگی وہ ایسے سہانے اور مطمئن وقت کی عبادت سے جس میں اخلاص ہی کا رنگ جلوہ آرا ہو کب چوکنے والے تھے اللہ نے یہ ایک اصولِ تعلیم فرما دیا ہے۔ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٥٨﴾ (البقرہ: 158) ''جو اپنے شوق سے کوئی نیک کام کرے تو بے شک اللہ قدر دان بھی ہے اور واقف کار بھی۔'' اس اصول کے مطابق اللہ نے ایسوں کی قدر دانی بھی کی اور مقبول بارگاہ بھی بنایا۔ اسی طرح خداوند عالم نے ایک دوسرا اصول بھی تعلیم فرمایا ہے۔ من کان

Marfat.com

یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ''جوکوئی آخرت کی کھیتی کی نیت کرے گا تو اسے ہم اس میں بڑھتی دیں گے۔''یعنی جوکوئی خیرِ جاریہ کی بنا ڈالے گا تو وہ علاوہ اس کے ثواب کے خوشنودی مولیٰ سے بھی متمتع ہوتا رہے گا۔

انہیں دو اصولوں پر صلوٰۃ واجبات وسنن موردوحی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ نوافل ہیں مطیع وہ ہے جونوافل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کونوافل ہی سمجھے اور واجبات وسنن کے بدعتی اصطلاحات قائم کر کے فرض سے نہ ٹکرائے۔

صلوٰۃ فطر: صلوٰۃ شکر ہے کہ روزے رکھے، فرض کوادا کیا، نعمائے الٰہیہ کے مستحق ہوئے، پھر اس کا شکر کیوں نہ ادا کریں۔ اس نے بھی فرمایا ہے **کن من الشکرین**۔ یہ موردوحی صلی اللہ علیہ وسلم کا تفقہ فی الدین ہے۔ اسی کا نام دین میں سمجھ پیدا کرنا ہے کہ آپ نے **کن من الشکرین** کی تعمیل **حرث الاخرۃ** کے اصول پر کی۔ آپ نے ادائے صوم کے شکر کا طریقہ ایسا خیر جاریہ قائم کر کے فرما دیا کہ اب تک تیرہ سو برس تو ہوئے صلوٰۃ الفطر کس حُب سے ادا کی جاتی ہے کہ جس کا سر کبھی بھی خدا کے آگے نہیں جھکتا۔ اس دن وہ بھی اللہ کے حضور میں سر گر جاتا ہے۔ یہ تفقہ بھی انہیں دونوں قرآنی اصول کے اندر ہے۔

صلوٰۃ الجنائز: بھی آپ ہی کا قائم کردہ خیر جاریہ ہے۔ یہاں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں بلکہ صلوٰۃ بمعنی دعا ہے۔ یہ تو میت کے لئے دعا کی ایک شان ہے۔ قربان ایسے رسول کے اور ایسے تفقہ فی الدین کے۔ دعا اس طرح کرنے سے غرض یہ ہے کہ میت کو دیکھ کر اپنے آگے کی سوچ ہو۔ اس کی مغفرت کی دعا اپنی مغفرت کو یاد دلائے۔ اس کی بے بسی دیکھ کر جس کا مال باقی ہو وہ مال معاف کر دے، جس کا دل دکھا ہو وہ اس کا قصور معاف کر دے، جس پر ظلم ہوا ہو وہ اس پر ترس کھائے اور رحم کا برتاؤ کرے اور ایک جماعت اللہ کے حضور میں طالب مغفرت ہو کہ غیرت خداوندی جوش میں آئے کہ میرے بندے معاف کر رہے ہیں اور ہم تو ارحم الراحمین ہیں۔ میرے بندے مغفرت مانگ رہے ہیں اور عطاؤ بخشش تو ہمارا ہی کام ہے۔ اللہ اللہ اس تفقہ کے کتنے راز بیان کیے جائیں۔ یہ تفقہ بھی انہیں دونوں قرآنی اصولوں کے اندر ہے۔

Marfat.com

قرآنِ مجید میں بھی صلوٰۃ جنازہ کا سراغ ملتا ہے۔ اسی لئے اسے فرض کفایہ کہا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ ط (توبہ: 84)
"منافقوں کی نہ نماز جنازہ ہی پڑھو نہ اس کی قبر پر کھڑے ہی ہو۔"

صلوٰۃ کسوف وخسوف: بھی انہیں قرآنی اصولوں کے اندر آپ کا تفقہ ہے۔ فطرت کے وہ انقلابات جو عظمت وجلال کبریائی ظاہر کرتے ہیں وہ موجب ہوتے ہیں رجوع الی اللہ کے۔ صلوٰۃ کسوف وخسوف رجوع الی اللہ کی ایک نہایت مقدس شان ہے اور اظہار ہے اس کا کہ اے آفتاب پرستو! دنیا میں سورج کی تاثیرات دیکھ کر جو سورج کی پرستش کرتے ہو اس وقت دیکھ لو کہ اس قادر قیوم نے اس کے اثر کو روک دیا۔ اس لئے اس فعال مطلق کی عبادت کرو وہ مستحق عبادت ہے۔ اس کے آگے جھکو اس کا وہی مستحق ہے۔

یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نوافل ہیں جو عبادت اور خیر جاریہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں، تو ان کو اسی طرح محض حُبُّ اللہِ برتو تو موجب خیر و برکات، اور موجب از دیادِ نعمت ہوں گے مگر ان کو فرض سے نہ ٹکراؤ۔

صلوٰۃ تراویح: انہیں اصولوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت قائم کی۔ جس کو مساجد میں باجماعت فروغ دینے میں خلیفہ دوم نے بڑی دلچسپی لی۔ نماز تو محبت کے ساتھ شان تقدیس خداوندی کی طرز مستی ہے۔ کسی عاشق سے پوچھو وہ نوافل نہ پڑھے تو کیا کرے۔ مگر صلوٰۃ تراویح نے علاوہ عبادت ہونے کے استحفاظ قرآنِ مجید کا وہ رنگ نکالا جس کی رنگینی سے اسلامی دنیا رنگا رنگ ہے۔

ہر چند یہ ساری نمازیں فرض نہیں مگر عبادات نافلہ موجب خیر و برکات ہیں اور اللہ کی قدر دانی کی مستحق جیسا کہ آیت اوپر بیان ہوئی۔ **ومن تطوع خیرا** الخ ہر چند یہ نمازیں صریح فرض تو نہیں ہیں مگر احاطہ قرآنی کے اندر تفقہ ہے۔ ان کے بجالانے والے عنایات وقدر دانی کے مستحق ہیں۔ یہ سارے نوافل رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کے جو موردِ وحی ہیں۔ یہ عبادات خیر جاریہ کے نمونے ہیں۔ اسی اصول پر طبع قرآن۔ قیام مدرسہ وکتب خانہ ویتیم خانہ وچھاپہ خانہ وغیرہ وغیرہ خیر

Marfat.com

جاریہ قائم کیے گئے ہیں۔ایسے کل امور جن سے انسان کے دین و دنیا کا بھلا ہو اور مخلوق اللہ کی بھلائی ہو۔ وہ حرث الاخرہ اور خیر جاریہ ہیں۔ پھر بھی یہ فرض نہیں، داخل دین نہیں، ان کا منکر کافر نہیں، غیر معمل گناہ گار نہیں۔ اور ان کا معمل فوائد سے بہرمند۔

ایک کھٹکا یہ ہوتا ہے کہ اور تو اور خود مسلمانوں کی نمازوں میں اختلافات ہیں۔ پھر صحیح کسے سمجھا جائے اور غلط کسے۔ اختلاف بیّن ہیں اور صلوٰۃ سبھی کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کیوں نہ سمجھا جائے گا کہ اور دینوں میں صلوٰۃ تھی مگر وہ اور طرح کی اور اسلامی طرز سے الگ تھی۔

یہ خیال صحیح نہیں ہے مسلمانوں میں سارے فرقوں کی صلوٰۃ صحیح ہے اور سب ایک ہی صلوٰۃ ہے۔ اختلاف جو دکھائی دیتا ہے وہ اعمال مجاز کی مختلف صورتیں ہیں۔ جس کا محکوم مجاز کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا قیام کرو۔ یہ نہ فرمایا کہ قیام کیونکر کرو۔ پاؤں کیسے رہیں، ہاتھ کیسے رہیں، باندھے جائیں نہ باندھے جائیں، باندھے جائیں تو کہاں پر۔ نہ باندھے جائیں تو کس طرح چھٹے رہیں اس سے سمجھنا چاہیے کہ اللہ کو ہاتھ باندھنے سے مطلب نہیں اس نے قیام کا حکم دیا ہے اور ان باتوں میں مجاز کیا ہے۔ اس مجاز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف صورتیں میں مجاز کی طرح ادا کیا ہے۔ ہاتھ باندھا بھی ہے نہ بھی باندھا ہے۔ قوم بھی مختلف طرح پر ادا کرنے لگی۔ یہ اختلاف نہ تھا۔ مجاز کی مختلف صورتیں تھیں۔ مگر افسوس کہ ایک خاص طرح پر ادا کرنے والا ایک فرقہ بن گیا اور یوں فرقے بن بن کر مسلمان جو بھائی بھائی تھے وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے لگے۔ حالانکہ سمجھنا تھا کہ سب ہی صحیح اور ٹھیک ہے۔ مثلاً اپنے ہاتھ باندھے بھی نہ بھی باندھے۔ زیر ناف بھی باندھے، سینہ پر بھی۔ رفع یدین کیا بھی نہ بھی کیا۔ آمین بالجہر بھی کہی بالخفا بھی۔ اس سے سمجھنا تھا کہ اس میں انسانی مجاز ہے اور کسی طرح ایک طرح پر کرنا اسی طرح صحیح ہے جس طرح دوسری طرح پر کرنا۔ مگر لوگ لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو بھی ڈگری ڈسمس دینے کہ آخری فعل صحیح ہے اور سارے افعال ماسبق کا ناسخ۔ تو کیا پہلے افعال آپ کے غلط ہیں۔ چار جائز فعل کرو تو کوئی پہلے کوئی پیچھے ہوگا ہی۔ ان باتوں پر جوتے لات کی ٹھہرتی ہے۔ مقدمہ کا بازار گرم ہوتا ہے۔ خیر یہ تو اپنے تعصبات کے نتیجے کو بھگت رہے ہیں۔ مجھے کہنا صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں کی

Marfat.com

صلوٰۃ میں اختلاف نہیں۔ اعمال مجاز میں اختلاف نظر آتا ہے تو وہ اختلاف نہیں اعمال مجاز کی صورتیں ہیں۔ صلوٰۃ ازلی ہے جو ہمیشہ سے ایک ہی مجاز کی صورتیں ہمیشہ طرح طرح سے رہی ہوں گی اور ہیں۔

اے خدا! میں نے تیری صلوٰۃ مفروضہ کو بیان کیا ہے یہ تو ہی نے فرض کی ہے اور تیرے فرض کئے ہوئے کو ماسوا کی آمیزش سے پاک کیا ہے کیونکہ تو نے فرمایا ہے **و لا یشرك فی حکمة احدا** (بنی اسرائیل) ''خدا اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' تو اے اللہ! میرے اس بیان میں جو لغزش ہوئی ہو اس سے درگزر فرما جو فروگذاشت ہوئی ہو اس کو معاف فرما۔ نفسانی نقطے جو پڑ گئے ہوں ان کو دھو دے اور ہم کو اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے کہ ہم کو تیرے سوا اور کہیں پناہ نہیں اور میرا تیرے سوا اور کوئی نہیں۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

زکوٰۃ

قرآن مجید میں صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو بھی اللہ نے قریب قریب برابر کا فرض کیا ہے۔ بقرہ، نساء، مائدہ، توبہ، مریم، انبیاء، حج، نور، نمل، احزاب، بینہ ان ساری سورتوں میں کئی کئی جگہ اللہ نے صلوٰۃ وزکوٰۃ دونوں کو ساتھ ساتھ فرض کیا ہے کیونکہ صلوٰۃ روحانی اور جسمانی عبادت ہے، اور زکوٰۃ مالی۔ پھر جیسا کہ چند جگہ صلوٰۃ کی فرضیت بلاشمول زکوٰۃ بیان ہوئی ہے اسی طرح چند جگہ زکوٰۃ کی فرضیت بھی بلاشمول صلوٰۃ بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں صلوٰۃ وزکوٰۃ دونوں کا یکساں حال ہے۔ قوم نے بھی جس طرح صلوٰۃ کی فرضیت کو مجمل مان کر ظنیات میں داخل کیا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کو بھی مجمل مان کر ظنیات میں داخل کیا ہے، اور صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ کو بھی فرشتوں کی اصطلاح مان کر مجمل تسلیم کیا ہے۔ اس لیے جتنے اعتراض اور شکوک اور ان کے جتنے جواب صلوٰۃ کی نسبت

Marfat.com

صلوٰۃ کے بیان میں بیان ہوئے ہیں، سب بلا کم و کاست زکوٰۃ کی نسبت بھی سمجھ لینا چاہئے۔

جس طرح صلوٰۃ اگلوں پر فرض تھی، اسی طرح زکوٰۃ بھی۔ جس طرح صلوٰۃ ملت ابرہیمی میں تھی اسی طرح زکوٰۃ بھی تھی۔ تو جس طرح صلوٰۃ ہم پر فرض ہوئی، اسی طرح زکوٰۃ بھی۔ صلوٰۃ مصطلح قوم فرض ہوئی، زکوٰۃ بھی مصطلح قوم ہی فرض ہوئی۔ قوم صلوٰۃ کو جانتی تھی تو زکوٰۃ کو بھی۔ جس طرح قوم نے یہ غلغلہ بلند نہ کیا کہ ما الصلوٰۃ اسی طرح قوم نے یہ صدا بلند نہ کی کہ ما الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی فرضیت بھی قطعی ہے، ظنیات پر مبنی نہیں۔ زکوٰۃ کی اصطلاح بھی کوئی فرشتوں کی اصطلاح نہیں، جس کو واضح کرنے کا کوئی فرشتہ مجاز ہو۔ عربی زبان کا لفظ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے، فرشتوں سے بڑھ کر اس اصطلاح کو سمجھنے کے آپ مستحق تھے اور سارے عرب اس اصطلاح سے واقف تھے کیونکہ یہ انہیں کی زبان کا لفظ ہے۔ اسی لیے لوگ مسلمان ہونے آئے۔ اسلام لائے، حکم سنا، تعمیل کی۔ کسی نے بھی یہ اعتراض نہ کیا کہ قرآن مجید انوکھی اصطلاح میں اترا ہے اور اللہ نے بھی فرمایا تو یہی **کذلك انزلنه قرانا عربیا** (ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ یوسف: 1) ایک خاص نمبر میں اس کو واضح کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: **وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ** (انبیاء: 73) "ہم نے ان سب کی جانب، کار نیک کرنے (یعنی صدقہ دینے) اور نماز قائم رکھنے، اور زکوٰۃ دیتے رہنے کی وحی بھیجی تھی۔" اس سے واضح ہوا کہ زکوٰۃ قدیمی فرض ہے جو سب پیغمبروں پر تھی اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ خیرات کا لفظ تو ہماری اصطلاح میں کہا گیا کہ ہندوستانی عورتیں بھی خیر خیرات کا لفظ بولتی اور سمجھتی ہیں، مگر صلوٰۃ و زکوٰۃ سمجھ سے پرے ہے کہ اہل زبان عرب بھی جو حکم کے صریح مخاطب تھے اس کے سمجھنے سے معذور تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شان میں اللہ نے فرمایا: **وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ** (مریم: 55) "وہ اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے رہے۔" زکوٰۃ کی اصطلاح کس وقت سے علی التواتر چلی آرہی ہے قرآن مجید نے واضح کر دیا۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا تھا: فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (اعراف:156) ''دونوں جہاں میں متقیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کے لیے بھلائی لکھ دوں گا۔'' اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ''نبی امی پر ایمان لانے والے تورات میں اس حکم کو لکھا ہوا پاتے ہیں، یعنی وہ اب تک اس محرف تورات میں بھی رہ گیا۔ قوم اگر عمل پیرا نہ ہو تو اللہ کا حکم نہ اُٹھ جائے گا۔ حکم تو ازلی وابدی ہے، وہ تو مٹنے کا نہیں، اس لیے صلوٰۃ وزکوٰۃ کی اصطلاح بھی نہیں مٹنے کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ نے فرمایا: وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم:31) ''خدا نے صلوٰۃ وزکوٰۃ کا ہم کو تازیست حکم دیا ہے۔'' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک دفعہ کا خراج نہیں ہے کہ ایک دفعہ دیدیا اور چھٹی ہوئی، بلکہ اس کو تازیست سالانہ ادا کرتے رہنا ہے۔ عیسائیوں نے اگر زکوٰۃ کا محکمہ ختم کر دیا، تو اس سے وہ خدائی جواب دہی سے بری نہ ہو گئے۔ اسی طرح مسلمان بھی کمیٹیوں میں اور رفاہ کے چندوں میں ہزار دیتے رہیں، وہ فعل خیرات اور صدقہ میں داخل ہوگا اور موجب ثواب وبرکات بھی اگر نیت صحیح ہوگی مگر اس سے وہ زکوٰۃ کی جواب دہی سے بری نہ ہو جائیں گے، اور زکوٰۃ مفروضہ سے وہ سبکدوش نہ ہوں گے۔

خداوند عالم نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا: وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ (مائدہ:12) ''ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔'' تو ہماری طرح بنی اسرائیل بھی حیران ہوئے ہوں گے، کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ ایک چیستان ہے۔ اس کی تعمیل کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر ان کے یہاں بھی صحاح کی کتابیں بالضرور ہوں گی چیستان کو واضح کرنے والی، اور اس مجمل حکم کی تفسیر کرنے والی ورنہ بنی اسرائیل نے آخر کیونکر ان حکموں کی تعمیل کی ہوگی۔

المختصر صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ بھی ملت ابراہیمی کا فرض ہے۔ اور وہی ایک طرح کی زکوٰۃ جب بھی فرض تھی اور اب بھی فرض ہے۔ لفظ ایک ہے تو تفرقہ کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔ اللہ کی شہادت جس طرح صلوٰۃ کی نسبت میں نے بیان کی تھی، زکوٰۃ کی نسبت بھی بیان کر دی۔ وكفى بالله شهيدا!

قوم زکوٰۃ سے واقف تھی، اسی لیے قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ زکوٰۃ آیا ہے، تمام الف

Marfat.com

لام کے ساتھ آیا ہے، یعنی زکوٰۃ معلوم القوم ہے۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے تو زکوٰۃ کی بھی لفظی ہی فرضیت ثابت ہوگی، اور طرز زکوٰۃ ظنی ہو جائے گا۔ اور ظن مستوجب فرضیت نہیں۔ ان الظن لا یغنی من الحق شئیا۔ اسلام میں ایمان ویقین مطلوب ہے۔ غیر قطعی سے جو ثابت ہو وہ دین اللہ نہیں ہے۔

میں نے قرآن مجید سے دکھایا کہ زکوٰۃ پہلے سے فرض تھی اس اصطلاح سے قوم واقف تھی۔ اللہ نے زکوٰۃ کا حکم دیا، قوم سمجھی، اور اس پر عمل پیرا ہوئی اس لیے زکوٰۃ کی اصطلاح عمل متواتر سے معلوم ہوگی۔ عمل متواتر میں جہاں تک اتفاق ہوگا اس سے اصطلاح زکوٰۃ واضح ہوگی اور جہاں اختلاف ہوگا وہ عمل مجاز کی صورت تسلیم ہوگی۔ کیونکہ افعال مجاز کے سوا فرض قطعی میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔

عمل متواتر سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک سالانہ خدائی خراج ہے جو بحکم رب العالمین امیروں سے لیا جاتا اور مستحقوں کو دیا جاتا ہے (سوشلسٹوں کو اپنے غیر معتدل اور خلاف فطرت خیال کو اعتدال پر لا کر اس کی حمایت میں کھڑا ہونا چاہئے کہ ان کی مانگی مراد حقیقت میں اسی راہ سے مل سکتی ہے جو خالق فطرت کی بنائی ہوئی ہے) یہ خراج ازلی وابدی ہے۔ ظلماً نہیں ہے بلکہ نفعاً للغربا ہے اور فاضل از ضرورت میں۔ اگر کوئی عاقل بالغ مقروض نہ ہو تو تجارت اور پیداوار کی مخصوص چیزوں میں مقدار معین پر ایک مقدار معین مستحقین کے لیے نکال دینا اس پر لازم ہے۔ یہی زکوٰۃ ہے اور مفروضہ خداوندی۔

خلاق فطرت نے کہاں تک فطرت کی نگہداشت کی ہے اس کو بھی دیکھتے جاؤ۔ مصرفی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں، نہ مجبور و مقروض پر زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ مال تجارت میں ہے اور پیداوار میں جیسے نفقہ، نفقہ کی نسبت اللہ نے فرمایا: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا۟ ٱلْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغْمِضُوا۟ فِيهِ ۚ (بقرہ: 267) ''مومنو! کمائی میں سے اور پیداوار میں سے جو ہم نے تم کو عنایت کیا ہے عمدہ چیزیں دیا کرو، اور خراب چیز دینے کی نیت بھی نہ کرنا کہ اگر وہ تمہیں دی

Marfat.com

جاتیں تو اس کے لینے میں تم چشم پوشی کرتے۔'' مقدار معین پر زکوٰۃ حسب ذیل ہے۔

مثلاً: از قسم حیوان، اونٹ، بیل اور بکرے میں۔

از قسم نباتات، پھل اور اجناس میں۔

از قسم معدنیات، سونے اور چاندی میں۔

اونٹ اگر پانچ سے فاضل ہوں۔ گائے، بیل اگر تیس سے فاضل ہوں۔ بھیڑ، بکرے اگر چالیس سے فاضل ہوں تو ایک بھیڑ یا ایک بکرا زکوٰۃ ہے۔

اجناس میں عشر یعنی دسواں حصہ۔ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کٹنے ہی کے دن اس کا حق نکال دو۔

سونا مسکوک ہو یا غیر مسکوک اگر 20 مثقال سے فاضل ہو اور چاندی بھی غیر مسکوک ہو یا مسکوک اگر دو سو درم سے فاضل ہو تو چالیسواں حصہ سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ کا دینا ہوگا۔

بس اصطلاحاً زکوٰۃ اسی کو کہتے ہیں۔ اس اصطلاح کی تحقیق عمل متواتر سے بھی ہوتی ہے اور تاریخ مذہب یعنی حدیث سے بھی۔

لیکن چونکہ یہ میری تحقیق ہے، یعنی ایک انسانی تحقیق ہے جس میں غلطی ہو سکتی ہے، تو اس کی تحقیق مصطلحات سے، محاورات عرب سے، مذہبی تاریخ یعنی حدیث سے، یا اعمال قوم سے جس طرح چاہو کر سکتے ہو۔ مگر وہ ماخذ استاد کی جگہ ہماری جہالت اور لاعلمی دور کرنے والے ہو سکتے ہیں، داخل دین ہو کر دین اللہ نہیں ہو سکتے، نہ قرآن مجید کی قطعیت چھین سکتے ہیں۔ نہ اصطلاح کی لاعلمی سے تم کو قرآن مجید کو مجمل کہنے کا حق ہو سکتا ہے۔ اگر میری تحقیق سے اتفاق نہ ہو تو تم آپ تحقیق کرو، اور اس تحقیق کو اختلاف آرا سمجھو، جیسے اختلافات صحابہ، جس کی تحقیق جس کے لیے تشفی بخش ہو وہی اس کا ایمان ہے۔ ایمان تو تصدیق بالقلب ہی کا نام ہے۔ اپنے ایمان کے خلاف کسی دوسرے کی پیروی کرنی تو نفاق ہے۔ تحقیق کو میں منع نہیں کرتا، مگر تحقیق اصطلاح پوشی کر کے اللہ کے لئے قرآن کو مجمل نہ کہو کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ورنہ یہ کیسا ظلم ہوگا کہ اللہ اپنی خاص اصطلاح میں زکوٰۃ کا حکم دے اور اس کی تفصیل نبی پر چھوڑے اور یہ نہ فرمائے کہ ہم نے حکم مجمل

Marfat.com

دیا اور تفصیل نبی پر چھوڑ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تبلیغ کے ساتھ اس کی تفصیل کی تبلیغ فرمائیں کہ حکم قابل تعمیل ہو، اور یہ چھوڑ جائیں علما، متاخرین کے لیے اور قرآن مجید بالکل ہی مجمل تبلیغ کیا جائے جس کی اطاعت نہ ہو سکے، اور مطلوب ہوا ایسے قرآن کی اطاعت کہ **اتبعوا ما انزل الیکم** قرآن مجید کی اتباع کرو۔ اور پرشش اعمال کے دن بجائے اس کے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان میں ہے۔ **عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ** ''تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔'' وہ الٹے اللہ سے فریادی ہوں: **وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا**۔ ''اے اللہ میری قوم نے قرآن چھوڑ دیا تھا'' اور بندوں سے اجمال قرآن کا عذر نہ سنا جائے اور وہ جہنم میں جھونکے جائیں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: **وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ. الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ**۔ (السجدہ:7-6) ''جہنم ہے مشرکوں کے لیے، مشرک وہ ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے یہی کافر ہیں۔'' زکوٰۃ نہ دینے والا مشرک اس لیے ہوا کہ اس نے اللہ کی محبت میں شرک کیا کہ محبت اللہ کا حق ہے اور اس نے مال سے محبت کی۔ حاجت روا تھا اللہ، اس نے مال کو حاجت روا سمجھا۔ آخرت کا کافر اس لیے ہوا کہ پرشش اعمال کا اس نے یقین نہ کیا دوسرے نتیجہ کار کو اس نے نہ سوچا کہ زکوٰۃ نہ دینے سے قومی فنڈ خالی ہو جاتا اور قومی کام بند ہو جاتے ہیں۔ پھر جب کشتی ڈوبی تو کشتی کے سوار کس طرح بچ سکتے ہیں۔ مگر زکوٰۃ نہ دینے والے نے سمجھا کہ کشتی ڈوبے، قوم تباہ ہو، میرا مال مجھے بچالے گا، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے سمجھا تھا کہ پہاڑ ہم کو طوفان نوح سے بچالے گا۔ اس نے نتیجہ کار کو نہ مانا اور آخر کافر ہوا۔

منکرین زکوٰۃ

زکوٰۃ نہ دینے والا مشرک و کافر کہا گیا اور فرمایا کہ: **يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ** (بقرہ:276) ''کہ اللہ ربو کو مٹانا اور صدقات بڑھانا چاہتا ہے اور جو ایسا نہیں

Marfat.com

کرتے وہ گنہگار کافر ہیں۔" ایک اور جگہ فرمایا کہ اللہ کے ہاں ربوٰ سے اضافہ نہیں ہوتا زکوٰۃ دینے سے اضافہ ہوتا ہے۔(روم:39)

غرض یہ کہ دو ہی نظام ہیں یا زکوٰۃ وصدقات دینے کا یا زکوٰۃ وصدقات کے نظام کی بجائے ربوٰ لینے کا۔ زکوٰۃ جو غریبوں کا حق ہے نہ دینا ویسا ہی ظلم ہے جیسا دوسروں سے ربوٰ لینا (لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ[بقرہ:279]) اس مالی ظلم کے خلاف اللہ نے اعلان جنگ فرمایا ہے اور ظالموں کی، غریبوں کا حق غصب کرنے والے فسادیوں کی سزا قتل وجہاد ہے۔ اسی اصول پر حضرت خلیفہ اول نے اولاً زکوٰۃ کا مطالبہ کیا۔ بہت سوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ وہ ظالم وباغی سمجھے گئے اور اس وجہ سے خلیفہ اول نے غریبوں کا حق غصب کرنے پر ان سے جہاد کیا۔ فی زمانہ زکوٰۃ کے نافرمان مسلمان جو اس نافرمانی پر مصر ہیں وہ بھی اس کے مستحق ہو گئے ہیں کہ ان پر جہاد کیا جائے۔

وہ فرقہ جس کی نسبت اللہ ورسول سے ٹوٹ گئی ہے، اور اس کو قرآن مجید سے ہدایت طلبی میں کچھ مزہ نہیں آتا، وہ ہمہ تن اپنے احبار ورہبان کا دلدادہ اور اپنے مجتہدوں کو رسول سے بڑھ کر درجہ دئے ہوئے ہے، وہ خلیفہ اول پر دریدہ دہنی سے معترض ہے کہ ان کا مسلمانوں پر جہاد کیسا؟ اس کے نزدیک جو آیتیں اوپر بیان ہوئیں وہ اللہ کا کلام ہی نہیں اور اس کے نزدیک محاربہ (غریبوں کے حق سے بغاوت) کوئی جرم[1] ہی نہیں۔ عجیب فرقہ کو بھی قرآن سے سروکار نہ رہا اس لیے اس کو بھی ان روایتوں کی ضرورت پڑی کہ اللہ نے خلیفہ اول کا دل مسلمانوں پر جہاد کے لیے کھول دیا تھا اور آخر خلیفہ دوئم کا دل بھی اس جہاد کے لیے کھول دیا گیا، اور یہ بھی خلیفہ اول کے ہم زبان ہو گئے اور یہ روایتیں کتب احادیث میں داخل، ہو کر حدیث ہو گئیں، اور حدیث کا عام مفہوم سمجھا گیا کہ قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو نہ ہو مگر حدیث کی کتاب میں ہو تو وہ بلاشک وشبہ قول وفعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حالانکہ یہ حدیث رسول کی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خلیفہ اول کا جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا فعل ہے۔ اس کے سوا بوجھ یا بلا بوجھ کسی کا دل کھلنے یا نہ کھلنے سے کوئی اسلامی

---

[1] سیدنا ابوبکر صدیق نے جو لڑائیاں لڑیں ان کی وجہ بغاوت تھی۔ مسلم عمال کو باغیوں نے عہدوں سے جبراً ہٹا دیا تھا اور حکومت کی رٹ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، ان جنگوں کی علت ارتداد یا کفر وشرک نہ تھا۔ امتیاز عثمانی۔

Marfat.com

مسئلہ، یا اللہ کا کوئی حکم، وہ بھی جہاد کا سا مہتم بالشان۔ اور وہ بھی مسلمانوں پر، جائز یا ناجائز نہیں ہو سکتا۔ دین میں جائز یا ناجائز وہی ہے جس کو اللہ جائز یا ناجائز کرے۔ اس لیے خلیفہ اول کا وہ جہاد دل کھلنے یا نہ کھلنے سے نہ تھا بلکہ وہ خداوند عالم کی اس آیت کی جو اوپر بیان ہوئی جان دے کر تعمیل تھی۔ اور وہ مسلمانوں پر نہیں بلکہ وہ مشرکوں اور محاربوں پر جہاد تھا۔ وہ قرآن مجید کے اس درجہ متبع تھے جب انہوں نے کہا تھا: حسبنا کتاب اللہ جیسا کہ نبی نے فرمایا تھا: علیکم بکتاب اللہ

<u>مصارف زکوٰۃ:</u> کی نسبت ارشاد خداوندی ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ (توبہ: 60) فریضۃ من اللہ نے کھول دیا کہ یہ مصارف صدقہ مفروضہ کے بیان ہو رہے ہیں، اور صدقہ مفروضہ جس کے نہ ادا کرنے سے آدمی خدائی مجرم ہوتا ہے وہ زکوٰۃ ہی ہے۔ غرض زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے۔ (1) فقراء، (2) مساکین، (3) عمال زکوٰۃ، (4) تالیف قلوب، (5) مصیبتوں سے آزاد کرانا، (6) مقروض کا قرض ادا کرنا، (7) فی سبیل اللہ یعنی قومی اور رفاہ کے کام، (8) مسافر، ان میں زکوٰۃ کا مال صرف ہونا چاہئے۔

زکوٰۃ ایک مذہبی اور خدائی خراج ہے، یہ قومی خزانہ ہے، یہ ہر طرح کی ترقیوں کا آلہ ہے، یہ پاک باطنی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، یہ اللہ کا دلایا ہوا غریبوں کا حق ہے، یہ رفاہ دینی و دنیاوی کا ٹیکس ہے جو شہنشاہ حقیقی نے باندھ دیا ہے، جو شاہی ٹیکس نہ دے وہ باغی و سرکش ہے، گردن زدنی ہے، جہاد کیے جانے کا مستحق ہے اور جو شاہی خراج ادا کرتا رہے، اور قانون شاہی کا پابند ہو، وہ وفادار رعایا ہے، اس کے جان و مال کا بادشاہ محافظ ہے، یہ معنی ہیں کہ زکوٰۃ دئے ہوئے مال کو نقصان نہیں ہوتا۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

سید اور زکوٰۃ

صدقہ، زکوٰۃ، نفقہ، تینوں کے احکام بیان ہوئے اور تینوں کے مصارف بھی۔ مگر کسی میں بھی اللہ نے سیدوں کو منہا نہ کیا، تو ہرگز حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدوں پر صدقہ وزکوٰۃ ونفقہ حرام نہ کیا۔ یوں احتراز کیا ہو کہ اجر رسالت نہ سمجھا جائے، مگر خود احتراز کرنا اور بات ہے اور حرام کرنا اور بات ہے۔ اولاً آپ نے اللہ کے حرام کئے ہوئے سے فاضل کچھ بھی حرام نہ کیا کیونکہ اس کے آپ مجاز نہ تھے۔ حرام کرنے کا حق اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا کسی رسول کو مجاز نہ کیا۔ یہ بیان اوپر گزر چکا اور یہ آیت بھی دی جا چکی: يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ اللهُ لَكَ۔ یہ بحث مفصل اوپر گزر چکی ہے۔ دوسرے صدقہ یا زکوٰۃ اور نفقہ کا مال گناہوں کا میل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے لیے اپنی اولاد اور بنی ہاشم کے لیے جائز نہ سمجھتے اور برا جانتے وہ ہرگز آل محمد یعنی محمد والوں کے لیے بھی جائز نہ سمجھتے۔

خدا کے یہاں اعمال دیکھے جائیں گے سارا قرآن مجید اسی کا حامی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل ہی دیکھا۔ اللہ نے فرمایا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقٰكُمْ۔ اللہ کے نزدیک جو متقی تر وہ مکرم تر۔ اس میں ذات اور نسل کی کوئی قید نہیں۔ آپ نے بھی حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر کے اس کا عملی ثبوت دیا کہ جو متقی تر وہ مکرم تر، نسل وخاندان کا امتیاز ایک تفرقہ انداز شئے ہے۔ آپ نے قبائل کی تقسیم توڑ دی، اور ذات پات کے تفرقے مٹا کر مساوات قائم کی، جو اصول تمدن کی بنیاد ہے اور اعلان جاری کیا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ سارے ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔ اس اصول کو کما حقہ برتا اور اس کی عملی تعلیم بھی دی۔ اور سب کو اسلام کے ایک رشتہ اخوت میں جوڑ دیا۔ اور منادی کر دی فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُونَ۔ قیامت کے دن نسب کام نہ آئے گا نہ نسب سے سوال ہی ہوگا۔ مگر قوم نے الطالحون لی (برے اعمال کرنے والے میرے ہیں یعنی میں ان کی شفاعت کروں گا) رسول سے منسوب کر دیا کہ یہ حدیث ہے۔ اگرچہ اس قول کے حدیث تسلیم کر لینے سے ایک حد تک اور سیدوں کی طرح مجھ کو بھی

Marfat.com

گناہ کی رخصت مل جاتی ہے، اور بلا لحاظ اعمال کے نجات کی طرف سے اطمینان تام ہو جاتا ہے، اور ایمان بین الخوف والرجا کی جگہ سراسر رجا ہو جاتا ہے مگر قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس حدیث کو فرمودۂ رسول سمجھوں اور مطمئن ہو جاؤں۔ کل امرأ بما کسب رهینه کی آیت چین لینے نہیں دیتی۔ فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره و من یعمل مثقال ذرة شرا یره کی آیت کروٹ بدلنے نہیں دیتی۔ جزا دینے والا کسی کو بھی تو منہا نہیں کرتا۔

ذات پات کی دیکھ بھال نہ مغفرت کے لیے ہے نہ صدقہ وزکوٰۃ ونفقہ کے لیے اللہ نے مستحق کی مدد کی ہے چاہے وہ کوئی ہو۔ سیدوں کی کیا خطا کہ وہ اس مدد سے نکال باہر کئے جائیں۔ مصائب کی چھریوں سے ذبح ہوں مگر قومی فنڈ کا دروازہ ان کے لیے بند ہو اللہ جیسا سب کا ویسا سیدوں کا بھی۔ اللہ اگر ان کے لیے قومی فنڈ کا دروازہ بند کئے ہوتا تو بالضرور وہ اور کوئی دروازہ کھول دیتا۔ ذات کا خیال ایک فرضی اور غرور کا پیدا کیا ہوا ہے جس کی اسلام نے بیخ کنی کی ہے۔ مگر قوم۔ نے اس پر عمارتیں اٹھائیں۔

ہندوستان میں ہندوؤں کی صحبت سے اس خیال نے اور زور پکڑا ہے اور ایسی قوت حاصل کی ہے جس سے سمجھ دار اور بے سمجھ سب زیر ہیں۔ اسی نے شادی بیاہ کا دائرہ محدود کیا اور اسلامی اخوت کو خاک سیاہ کیا (اے اللہ اس جرم کا میں بھی مرتکب ہوں معاف کر، میری اصلاح کر اور بخشدے) اسلام انسان کو ایمان وعمل کی ہدایت سے انسان کامل بناتا اور نجات ابدی کا وعدہ کرتا ہے۔ اگر کوئی سید مبتلائے گناہ وشرک ہو، اور ایک حبشی غلام ایمان دار اور صالح ہو تو اسلام اسی غلام کا طرفدار ہے، اور اللہ و رسول بھی اسی کا حامی: **ولعبد مومن خیر من مشرك ولو اعجبکم**۔ غرض اس اصول کو یاد رکھو، اللہ کے نزدیک متقی ترمکرم تر ہے۔ متقی سید ہو، شیخ ہو، مغل ہو، پٹھان ہو، موچی ہو، تلی ہو، نومسلم راجپوت، ڈوم، چمار، کوئی ہو، اگر اس کے اعمال ہم سے اچھے ہیں تو وہ میرے جوتے نہ اٹھائے، اس کے جوتے میری آنکھوں پر۔ سیادت کے مغرورو! اللہ اعمال دیکھتا ہے تم بھی اپنے اعمال ہی دیکھو۔ جو نبی کی اولاد نبی کی روش پر نہیں جس کا اسلام حامی نہیں وہ اولاد نوح کی طرح عمل غیر صالح ہے۔ میں یہود ونصاریٰ کی طرح اس کا مدعی نہیں۔

Marfat.com

قالت الیھود و النصریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اللہ کے پیارے ہیں، تو ان سے تم کہو کہ پھر کیوں اللہ تمہارے گناہوں پر تم کو سزا دیتا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی مخلوق میں تم بھی ایک بشر ہو۔

اس مضمون پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر میں موضوع سے باہر ہوا جا رہا ہوں میری غرض یہ ہے کہ صدقہ زکوٰۃ اور نفقہ سے سیدوں کو مستثنیٰ کرنا ان کی تعریف کر کے ان کو بیوقوف بنانا ہے۔[1]

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

صوم

خدا نے صوم فرض کیا تو یہ کوئی انوکھا فرض نہیں۔ یہی صوم اگلوں پر بھی فرض تھا اس لئے قوم صلوٰۃ کی طرح صوم کی اصطلاح سے بھی واقف تھی۔ قوم کی ہی اصطلاح میں تو قرآن اترا ہے۔ وہ اصطلاح خود قرآنِ مجید سے، عمل متواتر سے اور تاریخ مذہب یعنی حدیث سے یہی واضح ہوتی ہے کہ رمضان کا چاند دیکھو تو پورے مہینہ رمضان کا روزہ رکھو۔ وہ اس طرح کہ صبح کاذب سے لے کر شام تک نہ کھاؤ، نہ پیو، عورت کے پاس نہ جاؤ۔ افطار کر لو تو پھر سب کرو۔ بس یہی صوم ہے جو فرض ازلی ہے۔

خدا نے فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ:183) ''ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ اگلوں پر فرض ہوا تھا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ'' اس سے ظاہر ہے کہ صوم فرض ازلی ہے اور

---

[1] قرآن میں سید دو جگہ آیا ہے آل عمران آیت 39 میں سید یحییٰ علیہ السلام کو کہا گیا ہے سورۂ یوسف کی آیت 25 میں ایک کافر عزیز مصر کو بھی سید کہا گیا ہے۔ قرآن نے بتا دیا کہ سید کیلئے اولاد نبی ہونا ضروری نہیں بلکہ معزز آدمی کو سید کہا جاتا ہے۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

یہ پرہیز گار بنانے کے لئے ہے۔

واقعی کونسا مذہب ہے جس میں روزہ کسی نہ کسی طرح نہ ہو۔ مگر فطرت کے اصول کے مطابق فطال علیھم الامد فقست قلوبھم۔ امتداد زمانہ سے لوگوں کے قلوب سخت ہو گئے۔ لوگوں نے صلوٰۃ ازلی کی طرح صوم کو بھی بگاڑا اور روزے نے بھی بگڑ بدل کر سیکڑوں شکلیں اختیار کرلیں۔ مسلمانوں میں بھی باوجود کتاب اللہ محفوظ رہنے کے سوا پہر کا روزہ رسماً جاری ہو کر اٹھا۔ روزے میں بھی لوگوں نے بہت کچھ اختلاف ڈال رکھا تھا۔ زمانہ صوم میں بھی اور طریقہ صوم میں بھی تو یہ کام تھا قرآن کا کہ وہ اختلاف کو مٹائے۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (النحل: 64) ''خدا کو فیصلہ کرنا تھا اس نے فیصلہ کر دیا۔'' شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (بقرہ: 185) ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور تمیز کی کھلی کھلی نشانی ہے۔ جو اس مہینہ کو پائے وہ اس مہینہ کا روزہ رکھے۔'' رمضان کے مہینہ کا روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ اگلوں پر فرض کیا گیا تھا۔ صلوٰۃ کی طرح اللہ نے صوم کی اصطلاح بھی بتادی اور اختلافوں کا فیصلہ کر دیا۔

اسلام ازلی ہے تو اس کے احکام بھی ازلی ہیں مصدقا لما بین یدیہ۔ اس لئے روزہ بھی مثل نماز اور مثل دیگر احکام کے فرض ازلی ہے۔ صورتیں تو بگڑیں مگر صابئین کے یہاں ایک مہینہ کا روزہ بھی رہے گا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ مہینہ کونسا تھا، آیا یہی رمضان کا یا کوئی دوسرا۔ کچھ ہی ہو مگر اللہ نے تو فرمادیا کہ جیسا اگلوں پر فرض تھا وہ تم پر فرض ہوا۔ اللہ نے کچھ فرق نہ بتایا تو ہم کو سمجھنا چاہیے کہ جو ہم پر فرض ہوا وہی اگلوں پر فرض ہوا تھا۔

یہی اصطلاح جو قرآن سے معلوم ہوئی، یہی عمل متواتر سے معلوم ہوتی ہے اور یہی تاریخ مذہب یعنی حدیث سے۔ اس لئے مسلمانوں میں صوم کے متعلق اختلاف یا جھگڑے یا کمی وبیشی نہیں ہے اور نہ یہ حکم مجمل سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے پورا رکوع اور آیتوں کا لکھنا طوالت طلب ہے اور بہ ایں وجہ اختصار مناسب ہے تو مختصر یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا تیسواں رکوع پڑھ جاؤ اس میں کافی

Marfat.com

طرح سے روزہ کا بیان موجود ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ماہِ رمضان کا چاند دیکھو تو اس مہینہ کا روزہ رکھو۔ مریض و مسافر دوسرے مہینے میں گنتی پوری کر لیں اور جو کوئی بغایت تکلیف و مصیبت سے برداشت کر سکتا ہو جیسے[1] بوڑھا تو وہ اگر اس پر بھی روزہ رکھے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے ورنہ وہ فدیہ دے کر ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیونکہ روزہ برداشت سے باہر کچھ ظلماً نہیں فرض کیا گیا۔ اللہ کچھ ظلم و سختی تھوڑے کرتا ہے اس کی تو مرضی ہے کہ بندہ آسانی سے اس کے حکم کی تعمیل کرے۔

رمضان میں اعتکاف کچھ فرض تو نہیں ہے مگر تقرباً الی اللہ اعتکاف کرو تو معتکف ہو کر عورت کے پاس نہ جاؤ۔ رمضان میں دن کو عورت کے پاس نہ جاؤ اور اعتکاف میں نہ دن کو نہ رات کو۔ اعتکاف تقرباً الی اللہ کیا جاتا ہے کچھ فرض نہیں ہے اس لئے اس کا بیان منہاج الحق کا حصہ ہے۔

ایسا حکم جو ہر طرح ہماری ہی بھلائی کے لئے ہے افسوس کی بات ہے کہ اس زمانہ کی مذہبی تاریک روشنی میں روزہ ایک مصیبت کا پہاڑ اور خلاف فیشن سمجھا جاتا ہے۔ ایسے مسلمانوں کے ہاتھوں صلوٰۃ وصوم دونوں مذبوح ہیں۔ بے باکی سے کہا جاتا ہے کہ ہماری فاقہ مستی سے اللہ کو کیا فائدہ۔ یہ تو عربوں کے لئے تھا جن کو خون زیادہ پیدا ہوتا تھا اور ان کو اعتدال پر لانے کی ضرورت تھی۔

مجھے ضرورت پڑی کہ اس اعتراض کی طرف کچھ نہ کچھ توجہ ضرور کروں کیونکہ نئی روشنی کی تاریکی بجلی کی طرح بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایک ایسی جماعت کی تشفی ضرور ہونی چاہیے جو نافرمانی

---

[1] مصنف محترم رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ رائے کمزور لگتی ہے گو بہت سے محققین نے اس کو اختیار کیا ہے "**وعلی الذین یطیقونہ** جو سورہ بقرہ کی آیت 184 میں آیا ہے تو اس میں علماء یطیقونہ کا معنی معین کرنے لگ گئے حالانکہ اصل بات "**وعلی الذین**" کی تعین ہے۔ ہماری رائے میں ان لوگوں سے مراد وہ بیمار اور مسافر ہیں جو سہولت سے روزہ رکھ سکیں۔ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھ سکیں۔ ان میں سے جو ٹھیک ہو جائیں وہ بعد میں روزہ رکھیں گے۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ شیخ فانی اور دائمی بیماروں کے لئے روزے ہیں ہی نہیں جیسے غیر صاحب نصاب کے لئے زکوٰۃ وحج جیسی عبادات نہیں ہیں تو **وعلی الذین یطیقونہ** میں ان بیماروں اور مسافروں کے لئے قانون بیان کیا گیا ہے جو روزہ رکھ سکتے ہیں۔ ایسے بیمار مسافر اگر روزہ نہ رکھیں تو انہیں فدیہ میں کسی غریب کو کھانا کھلانا ہوگا۔ اس آیت کی یہ بہترین تاویل ہے اور اس کو صاحب تفسیر مفتاح القرآن شبیر احمد ازہر میرٹھی نے اختیار کیا ہے۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

کولیڈری کا تمغہ سمجھے ہوئے ہے۔ ایسے فرقہ کی تشفی چونکہ عقلی دلائل سے ہی ہو سکتی ہے اس لئے تھوڑی دیر میں اسرار قرآنی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اس کو طرح طرح کی قوتیں دیں تا کہ وہ ان قوتوں کے سہارے دنیا کے دشوار گزار مگر لبھانے والے جنگل کو طے کر کے بہشت میں داخل ہو۔ جو اجتماع خاطر کا، اطمینان کلی کا، اور کمال خوشیوں کا مقام ہے۔ اس رحیم اللہ نے رسول بھیج کر کتاب بھیج کر راہ بتادی اور ان قوتوں کی رہنمائی بھی کی۔ اتنی قوتوں کی رہنمائی کے لئے جس کے اطراف خطروں سے گھرے ہوئے ہوں بہت سی ہدایتوں کی ضرورت تھی، تو اس نے ساری ہدایتیں دے کر انسان کو ممنون احسان کیا۔ اگرچہ یہ ناشکرا ان ہدایتوں کو ظلم و جبر اور سر پر پہاڑ سمجھتا ہے۔

احکام و ہدایات تو اتنے کہ کوئی قوت حدود اللہ سے باہر قدم نہ رکھے کہ یہ کرو یہ نہ کرو، یوں چلو یوں نہ چلو، یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ، یہ بولو یہ نہ بولو، اِدھر دیکھو اُدھر نہ دیکھو، اس کی نہ سنو، جوش دکھاؤ غصہ نہ کرو، بیوی کرو زِنا نہ کرو، سچ بولو جھوٹ نہ بولو، طلب کرو، ہوس نہ کرو، ہمت کرو طمع نہ کرو، خرچ کرو اسراف نہ کرو، جمع کرو بخل نہ کرو اور علیٰ ہذا قوانین فطرت نے بھی اسی کی تحریک کی اور عقل دور اندیش نے بھی اسی کی تائید کی۔ ہدایات کی تو حد نہیں اور انسان ضعیف البنیان اس پر دائیں بائیں نفس و شیطان دوست نما دشمن در بغل۔ ایسے حال میں اس دشوار گزار جنگل کو طے کرنا پہاڑ ڈھانے سے کم نہیں۔ اللہ نے روزے کی روحانی قوت سے اس پہاڑ کو ڈھانے کی ترکیب بتائی ہے۔

اچھی بری باتوں کی فہرست تو ہر کوئی گنا دیتا ہے۔ ہر مذہب کی اخلاق کی کتابیں اس کی فہرست سے بھری پڑی ہیں۔ لامذہب کا سر بھی اس کے آگے جھکا ہوا ہے۔ اچھا برا ہر کوئی سمجھتا ہے جس کو تمیز ہے۔ مگر سمجھنے سے کیا ہوتا ہے، تعلیم بے تربیت وبال ہے اور علم بے عمل جان کا جنجال۔ ضرورت ہے کہ ساری قوتیں بے راہ روی سے روکی جائیں اور ان کی تربیت کی جائے، تا کہ اچھے ہی اعمال سرزد ہوں اور برے اعمال کا سد باب ہو۔ روزہ فرض کر کے اللہ نے حقیقت میں ساری قوتوں کی تربیت کی ہے۔

قوتیں تو بہت سی ہیں مگر وہ حرکت میں آتی ہیں خواہش سے۔ اس لئے خواہش کی تربیت

Marfat.com

کرنی چاہیے تاکہ قوتیں بے جگہ متحرک ہی نہ ہوں۔ اسی تربیت خواہش کا نام صوم ہے۔ مثلاً بھوک ہے کھاؤ نہیں۔ پیاس کی شدت ہے مگر پیو نہیں کہ دن کو کھانے پینے کا حکم اس محبوب حقیقی کا نہیں ہے۔ بھوک میں غصہ ہے اور غصہ میں زبان تیزی کرنی چاہتی ہے، مگر غصہ کو تھوک ڈالو اور زبان کو روکو کہ یہ رضائے مولیٰ کے خلاف ہے اس سے روزہ خراب ہو جائے گا آنکھیں دیکھنے اور کان سننے کو اللہ نے دیے ہیں۔ تم دیکھتے سنتے ہو، مگر دیکھو آنکھ اور کان کو قابو میں رکھو کہ نہ ناجائز دیکھو نہ ناجائز سنو، اس سے روزہ خراب ہو جائے گا۔ بیوی موجود اور جائز خواہش بھی، مگر دیکھو ان کے پاس نہ جاؤ، ورنہ روزہ خراب ہو جائے گا۔ ہر سال ایک مہینہ لگاتار اس طرح ریاض کر کے اپنی قوتوں کو اپنی قدرت میں رکھو اور یوں خواہشات کی روک تھام سے اپنی قوتوں کی تربیت کرتے رہو۔ صوم حقیقت میں تربیت اخلاق کا ایک قوی طریقہ ہے۔

روزہ ہر چند اپنے اصلی رنگ میں نہ رہا مگر اب تک عوام میں بھی یہ زبان زد ہے کہ روزہ رکھ کر بری باتوں سے روزہ برباد نہ کرو۔ یہی معنی ہیں **لعلکم تتقون** کے جو اللہ نے روزہ کی آیت میں فرمایا۔ اس کی مزید تصریح منہاج الحق میں اخلاق کی زیر سرخی دیکھو۔

علم کی روشنی نے بھی سمجھایا تو یہی کہ روزہ فاقہ مستی ہی نہیں بلکہ معدہ کو مفید اور بہت سی بیماریوں کو نافع ہے۔ مگر اللہ نے لعلکم تتقون فرما کر بتایا کہ صوم ساری قوتوں کی روک تھام اور ساری نیکیوں کی جڑ ہے۔ اخلاق کے لئے نسیم سحر اور گلزار تمدن کے لئے باد بہاری ہے۔ ایک مہینہ خواہشوں کے روکنے کی عادت ساری نیکیوں کی بنیاد اور ظاہری و باطنی حواس کی تربیت ہے تو صرف منہ کو روزہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ سارے حواس اور سارے جذبات کو روزہ رکھنا چاہیے کہ **لعلکم تتقون** کی تعمیل ہو۔ حقیقت میں یہ اعتکاف روحانی ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی بیش بہا ہدایت کی قوم نے جیسی قدر کرنی چاہیے نہ کی اور روزہ کی روحانیت کو کھو دیا۔ اس لئے روزہ پر اعتراض ناسمجھی سے ہے، اللہ سمجھ سلیم دے۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

حج وعمرہ

خدا نے حج فرض کیا تو یہ بھی کوئی انوکھا فرض نہیں۔ یہ فرض بھی ازلی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جس کا پتہ اس آیت سے بھی ملتا ہے۔ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (حج:26) ''اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کردی تو یہ حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں (یعنی حج کرنے والوں) اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں (یعنی نماز پڑھنے والوں) کے لئے پاک رکھنا۔'' اس سے پتہ لگتا ہے کہ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی فرض تھا۔ دوسرے الحج اشهر معلومٰت۔ (بقرہ:25) ''حج کے مہینے معلوم ہیں۔'' اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حج فرض ازلی ہے۔ مگر چونکہ امتدادِ زمانہ سے کعبۃ اللہ بت خانہ بنا، صابئین بھی ستارہ پرست ہو گئے۔ وہ تو حج کعبۃ اللہ جو پہلے کرتے تھے اسے چھوڑ کر جبل فاران کا جو مکہ کے پہاڑ کا نام ہے، حج کرنے لگ گئے تھے اور اہل کتاب کا قبلہ ہی بدل چکا تھا۔ اس لئے لوگوں کو صرف حج کا زمانہ ہی معلوم رہ گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ نے فرما دیا ہے۔ ارکان حج بگڑ بدل کر ماسوا کے لئے ہو گئے تھے۔ اس لئے حج کی اصطلاح دھندلکے میں پڑ گئی تھی۔ تو ضرورت پڑی کہ خداوند عالم اس اصطلاح کو کھول کر فرما دے۔ وہ اس نے اتنا مفصل فرما دیا ہے کہ قرآن کے مجمل کہنے والے بھی اس کی تفصیل سے انکار نہیں کر سکتے۔

خدا نے فرمایا: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ (الحج:29 تا 27)

''لوگوں کو حج کے لئے پکار دو۔ لوگ تمہاری طرف پیادہ پا اور تیز رفتار سواریوں پر جو راہ دور سے آتی ہیں آئیں گے۔ (یعنی دور دور سے لوگ آئیں گے) اور اپنے فائدوں کو بھی دیکھنے لگے

Marfat.com

اور مویشی چار پائے جو ہم نے انہیں دے رکھے ہیں ایام معلوم میں ان پر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں گے۔لوگو! قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ پھر لوگوں کو چاہیے کہ اپنے بدن کا میل دور کریں (یعنی توبہ واستغفار کریں جس سے گناہ کا میل دور ہوتا ہے) اور اپنی منتیں پوری کریں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں۔"

دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ (ال عمران:97) "حج بیت اللہ لوگوں پر اللہ کا فرض ہے جو راہ کی استطاعت رکھتا ہو۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امنِ راہ شرط ہے۔ اگر امن نہیں تو راہ کی استطاعت نہیں۔ غرض کسی وجہ سے اگر استطاعت راہ مفقود ہو تو حج نہیں۔

حج وعمرہ فرض کیا تو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس میں شائبہ پرستش ماسوا نہ ہو۔ و اتموا الحج و العمرۃ للہ (بقرہ) "حج وعمرہ خالص اللہ کے لئے ادا کرو۔" یعنی جس طرح نماز کیلئے بیت اللہ ایک سمت مفروضۂ خداوندی ہے۔ اسی طرح حج کے لئے وہ مقام مفروضۂ خداوندی ہے۔ نہ کوئی نماز میں بیت اللہ کو سجدہ کرتا ہے نہ کوئی حج میں بیت اللہ کا طواف کرتا اور بیت اللہ پر قربان ہوتا ہے۔ معبودِ حقیقی اور محبوبِ حقیقی وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں۔ سجدہ بھی اسی کا ہے اور طواف بھی اُسی کا۔

خدا نے فرمایا: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (بقرہ:197) "حج کے مہینے تو مشہور ہیں ان مہینوں میں جو شخص حج کی نیت کرے تو پھر وہ حج میں نہ عورت سے ملاعبت کرے، نہ گناہ کرے، نہ جھگڑا کرے اور تم جو نیک کام کرتے ہو، اللہ اس کو جانتا ہے۔ زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو کہ بہترین زادِ راہ سوال کرنے اور چوری[1] کرنے سے پرہیز کرنا ہے۔ اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔"

---

[1] زادراہ سے مراد تقویٰ ہے، یعنی حج کے لیے نکلو تو تقویٰ شعار بن کے نکلو کیونکہ سب سے بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔(امتیاز عثمانی)

Marfat.com

اس آیت سے حج کے متعلق اتنی باتیں معلوم ہوئیں۔(1) حج کا مہینہ مشہور ہے یعنی یہ کوئی نیا فرض نہیں ازلی فرض ہے۔(2) حج میں عورت سے ملاعبت۔(3) گناہ کرنا۔(4) جھگڑا کرنا۔(5) زادِ راہ نہ لینا ممنوع ہے۔تو جو لوگ بے زادِ راہ جاتے ہیں اور اس کو اللہ کی محبت کی نشانی سمجھتے ہیں وہ نافرمانی کرتے ہیں یا سوال کر کے مبتلائے گناہ ہوتے ہیں۔اس آیت میں چار باتیں حج میں ممنوع ہوئیں۔

خدا نے فرمایا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (بقرہ:196)

''حج و عمرہ اللہ کے واسطے ادا کرو۔اگر مجبوری آپڑے (یعنی احرام کے بعد کعبہ نہ پہنچ سکو، کیونکہ احرام نہ باندھنا تو مجبوری نہیں) ایسی صورت میں جو قربانی میسر ہو بھیج دو۔اور قربانی جب تک اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ تو جو کوئی تم میں مریض ہو، اس کے سر میں کچھ دکھ ہو، تو وہ اس کے عوض میں روزے رکھے۔صدقہ دے یا قربانی کرے۔پھر جب عذر رفع ہو تو جس نے حج اور عمرہ ساتھ کیا ہو وہ جو کچھ میسر آئے قربانی کرے اور جو نہ کر سکے وہ تین روزے ایامِ حج میں اور سات روزے گھر آ کر رکھ لے۔اس طرح دس روزے پورے کرے۔یہ سہولت اس کے لئے ہے جس کا گھر مکہ میں نہ ہو۔

اس آیت سے چار باتیں معلوم ہوئیں: (1) حج و عمرہ خالص اللہ کے واسطے ادا کرنا۔(2) احرام کے بعد کعبہ نہ پہنچ سکو تو قربانی کا جانور کعبہ میں بھیج دو۔(3) اور حج میں جب تک قربانی نہ کر سکو سر نہ منڈواؤ۔مریض و مجبور سر منڈانے کے عوض روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔(4) عذر رفع ہو جائے تو اگر حج و عمرہ کی نیت ساتھ ہو تو قربانی کرے جو نہ کر سکے وہ تین

Marfat.com

روزے حج میں اور سات روزے گھر آ کر رکھ لے مگر وہ جس کا گھر مکہ میں نہ ہو۔

ایام تشریق حج کا زمانہ ہے۔ حج خالصاً لوجہ ادا کرنا چاہیے۔ استطاعت راہ دیکھ کر اور زادِ راہ لے کر گھر سے نکلنا چاہیے۔ ان کے سوا اور ہدایتیں بھی بیان ہو چکیں ہیں۔

(1) احرام باندھنے کے بعد اللہ نے فرمایا: غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ (المائدہ:1) "حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو۔" اس سے احرام باندھنا بھی معلوم ہوا اور حالت احرام میں شکار کا ممنوع ہونا بھی۔ مگر بحری شکار نہیں۔ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ (المائدہ:96) "حج میں تجارت ممنوع نہیں۔" لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۚ (بقرہ:198) "اور جب تم عرفات سے واپس چلو تو مشعر حرام یعنی مزدلفہ کے نزدیک اللہ کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا گیا ہے۔ یعنی لبیک اللّٰھم لبیک و سعدیک کا ورد رکھو۔ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ (بقرہ:198) یہ جو اللہ نے فرمایا و ان کنتم من قبلہ لمن الضالین اگرچہ اس کے قبل تم راہ بھولے ہوئے تھے۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر اور کعبہ کو بت خانہ بنا کر تلبیہ بھول گئے تھے۔ اللہ نے بتا دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تلبیہ ازلی ہے ورنہ اللہ ضالین نہ فرماتا۔ غرض عرفات میں حاضر ہونا اور لوٹ کر مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرتے رہنا حکم حج میں داخل ہے۔

(2) حج میں بیت اللہ کا طواف کرنا ضرور ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ (حج:29) صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا بھی پسندیدہ ہے۔ ان الصفا و المروۃ من شعآئر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ صفا و مروہ بے شک اللہ کی نشانیاں ہیں۔ خانہ کعبہ کا حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا اگر ان دونوں مقامات کے درمیان طواف کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی شوق سے نیکی کرے تو اللہ قدردان اور علیم ہے۔ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ (بقرہ:158) (3) حج میں سر منڈانا یا بال

Marfat.com

چھوٹے کرانا بھی ضروری ہے۔ **وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ** (بقرہ:196) مگر جب قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ یہ آیت اوپر بیان ہوئی ہے۔ (4) پھر قربانی کرنا بھی ضروری ہے۔ **وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ** (حج:28) یہ حج ہوا اور عمرہ ہے فقط احرام باندھنا، طواف کرنا، سعی بین الصفا والمروہ اور سر منڈانا۔ حج و عمرہ ساتھ ساتھ بھی کر سکتے ہو اور الگ الگ بھی۔

کہاں تک اس بات کو طول دیا جائے قرآنِ مجید نے خود ازلی حج کی اصطلاحات کو کھول دیا ہے اور واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور جتنا بیان کر دیا ہے قوم کرتی بھی ہے عمل متواتر میں بھی یہ ارکان پوری طرح ادا کیے جاتے ہیں اور عمل متواتر بھی اس اصطلاح کو بتا رہا ہے۔

ہاں نماز و روزہ اور زکوٰۃ تو وہ فرض ہے جو شخصی طور پر ادا کیا جاتا ہے اور روزانہ یا ہر سال ادا کیا جاتا ہے۔ مگر حج عمر بھر میں ایک دفعہ ہے اور مقامی فرض ہے کہ بیت اللہ میں ہی ادا کیا جاتا ہے۔ اس لئے مقامی حالات کے بدلنے سے اس میں فرق آ سکتا ہے۔ آج اسلام کو تیرہ سو برس ہوئے [کتاب تقریباً سو سال پہلے لکھی گئی تھی اب 1436 برس ہوئے۔] مقامی حالات بہت بدل گئے، عربی زبان تک بدل گئی، تمدن اور اطوار تک بدل گئے، بیت اللہ میں فقہا نے چار مصلے قائم کیے تو اہل روایات نے بھی رمی الجمار اور حجر اسود کا چومنا۔ اضافہ علی القرآن کیا اور آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر کے اور یہ ہونا تھا کیونکہ امتداد زمانہ کا خاصا ہے کہ کوئی چیز اپنے حال پر نہیں رہتی انسان ہی کو دیکھو بچہ اور جوان ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور بچہ کی طرح بے بس ہو کر مر جاتا ہے تو پھر انسان کا مذہب اس دگرگونی سے کیوں بچے۔ یہ بھی نہ بچا یہاں تک کہ اسلام آخری بھی۔ مگر الحمد للہ کہ کلام اللہ نہ محو ہونے کا نہ مٹنے کا نہ متغیر ہونے کا نہ متبدل ہونے کا۔ وہ تو بحفاظت خداوندی محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا بھی۔ یہ موعود ہے۔ اس لئے ہم بگڑیں گے بھی تو پھر سنوریں گے ہماری اصلاح کا دروازہ بند نہیں ہونے کا۔

دین اللہ بکمالہ قرآن مجید کے اندر ہے۔ کتاب الاحادیث جو منزل من اللہ نہیں وہ دین نہیں **ولا يشرك في حكمه احدا**۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس لئے احکامات ربانی

Marfat.com

کو کم و بیش کرنا حدود اللہ کو توڑنا ہے۔ جس طرح پانچ رکعات نماز فرض نماز سے سبکدوش نہیں کر سکتیں اسی طرح رمی الجمار اور بوسۂ حجر اسود حج مفروضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ مجید کی تعمیل کی قرآنِ مجید پر کچھ اضافہ نہ کیا۔ اگر رمی الجمار یا بوسہ حجر اسود کیا بھی ہوگا تو اس کو حج میں داخل نہ کیا ہوگا۔ مصلحت وقت کے اقتضا سے کچھ کیا ہوگا۔ لوگوں نے حج میں داخل کر کے اضافہ علی القرآن کیا۔ حدیث و روایت کو قرآنِ مجید کے آگے پیش کرو اگر مخالف یا حدود اللہ کو کم و بیش کرنے والی ہو تو وہ رسول کی حدیث نہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

حج کا بیان بھی قرآنِ مجید میں مفصل موجود ہے اس لئے مجھے اس کی نسبت زیادہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے جو کچھ بیان کیا گیا وہ کافی ہے۔ مزید مسائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں غیر اقوام حج پر دریدہ دہنی سے معترض ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی نئی روشنی کے مسلمان بھی کہ بت پرستی اسلام میں بھی ایک ضروری چیز اور عبادت میں داخل ہے مثلاً طواف اور حجر اسود کا بوسہ یہ پوجا نہیں تو کیا ہے۔ مورت کا نہیں تو مکان اور پتھر کا سہی۔ اس لئے میں احکامِ حج کے متعلق کچھ عقلی تقریر بھی کرنی چاہتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ میرے موضوع سے باہر معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ میری عقلی تقریر بھی احاطۂ قرآنی ہی کے اندر ہوگی اس لئے میں مختصراً محض **نفعًا للحق** کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اے لوگو! نام تو بیت اللہ ہے مگر حقیقت میں یہ **بیتُ للہ** ہے۔ ایسا نہیں کہ اللہ کا وہ گھر ہے جس میں وہ بیٹھا براج رہا ہے۔ اور وہی مسلمانوں کا دیوتا ہے۔ **نعوذ باللہ منہا**۔ بلکہ وہ تو اللہ کی عبادت کے لئے، صلوٰۃ و حج کے لئے ایک سمت مفروضۂ خداوندی ہے۔ خود اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ (آلِ عمران:96)

''پہلا گھر جو لوگوں کے لئے قبلہ بنایا گیا وہ بیت اللہ ہے جو مکہ میں ہے اور لوگوں کے لئے ذریعہ برکت ہے۔'' کعبہ تو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے بنایا اور یہ ان کا قبلہ تھا، اس لئے یہ پہلا قبلہ تھا جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ لوگوں کا حج میں جمع ہونا جس میں تجارت بھی ممنوع نہیں، جس کو ساری دنیا کی کانفرنس کہنی چاہیے، ہر طرح بلحاظ تبادلہ خیالات، بلحاظ ہدایت و

Marfat.com

مشورہ، موجب برکت وہدایت ہے۔قبلہ ہمیشہ بدلتا رہا۔حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کا قبلہ کعبہ تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبلہ مصر میں تھا جس کا بیان اوپر ہو چکا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اور مسلمانوں کا وہی کعبہ قبلہ ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ سب اپنے اپنے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے اور طواف اور حج کرتے تھے۔ یہ قبلہ کا تبدل بھی بین شہادت اس کی ہے کہ قبلہ کو سجدہ یا اس کا طواف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ ایک سمت اور مقام مفروضہ خداوندی ہے تاکہ اس ایک اللہ کی عبادت میں بھی وحدت و یگانگت ہی کا رنگ رہے کہ سب بیک وقت ایک ہی طرف جھکیں۔

خدا نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانۂ کعبہ بنانے کے لئے جگہ ٹھہرا دی تو حکم دیا کہ دیکھو میرا کسی کو شریک نہ کرنا۔ **وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَٰهِيمَ مَكَانَ ٱلْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِى شَيْـًٔا** (حج:26) اسی طرح جب ہمارے نبی کو حج کا حکم دیا گیا تو فرمایا: **حُنَفَآءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِۦ ۚ** (حج:31) اللہ کے ہی رہو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے ساتھ حج میں اللہ کو یاد کرنے اور تلبیہ کا حکم کھلی کھلی شہادت ہے کہ بیت اللہ ایک سمت اور ایک مقام مفروضہ خداوندی ہے اور اس کے ارکان خالصاً لوجہ اللہ ہیں جس میں شرک کی ذرا آمیزش نہیں۔

اب افعال حج اور اس کے فلسفہ کی طرف توجہ کرو تو واضح ہوگا کہ حج جس طرح طالبوں اور محبوں کے لئے تقرب کا زینہ ہے اسی طرح عامیوں کے لئے بھی موجب فلاح و برکات۔

اے لوگو! تشتت احوال کا نام تکلیف و مصیبت ہے اور یکسوئی کا نام آرام و راحت۔ تشتت احوال ہوتا ہے تشتت خیال سے۔ خیال یکسو ہو جائے تو نہ تشتت احوال ہو نہ مصیبت ہی محسوس ہو۔ اگر یہ یکسوئی دنیاوی ہوگی تو موجب ہوگی دنیاوی کامیابیوں کی اور اگر دینی ہوگی تو موجب ہوگی دین و دنیا دونوں کی کامیابیوں کی۔ وہ یکسوئی محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر مذہب کی ابتداء اور انتہا حقیقت میں محبت ہی ہے، جو بڑھ کر ایمان ہو جاتی ہے اور ایمان کے مدارج طے کرتی ہے، گرچہ فی زمانہ وہ ملوث ہوگئی ہے۔ لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی مقصود و محبوب نہیں۔ اسی پاک یکسوئی کا ہادی ہے۔ **ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین لا شریک**

Marfat.com

لہ۔ میری نماز اور عبادتیں اور میری حیات وموت تک اللہ کے لئے ہے جو پروردگار عالم ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی پاک یکسوئی کا رہنما ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ یکسوئی بغیر محبت کے حاصل نہیں ہونے کی۔ اسی لئے اللہ کی محبت قرآنِ مجید میں دھمکی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ سورۂ توبہ کی وہ آیت قل ان کان اباؤ کم الخ پڑھ جاؤ۔ اس میں اللہ نے ایک فہرست دنیا کی محبوب ترین چیزوں کی بیان کر کے فرمایا ہے کہ اگر یہ سب یعنی ماسوائے اللہ تم کو اللہ سے زیادہ پیارے ہیں تو عذابِ خداوندی کے منتظر رہو۔ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ یعنی اللہ ہی کی محبت تمہیں ابدی سکون بخشنے والی اور یکسو کرنے والی ہے۔

بت پرست یہ کہنے کھڑے ہوتے ہیں کہ محبت بے دیکھے نہیں ہوسکتی ہے، اور تم اللہ کو بے اس کی کوئی مورت قائم کیے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے تم کو اللہ کی محبت نہیں حاصل ہوسکتی۔ یہ تو عقل کا اندھاپن ہے کہ مورت اللہ سمجھی جائے، یا اللہ کی صفت کا تشکل قائم کیا جائے اور اس پر مجنونانہ یقین خلافِ واقعہ خلافِ عقل اور خلافِ ہدایت قائم کیا جائے تو ان کو ان کا بنایا ہوا تو وہ خاک کا اللہ مبارک۔ ایسا ہوتا تو سارے بت پرست عاشقانِ اللہ ہوتے۔ یہ لوگ محبت کو جانتے ہی نہیں کہ محبت ہے کیا شئے۔ یہ طلب ومحبت اور ہوس وشہوت میں فرق نہیں کر سکتے۔ محبت سمجھ رکھا ہے شہوت بازی کو حالانکہ محبت ایک جذبہ طلب ہے جس کی تڑپ میں سکون ہے جس میں نہ فراق ہے نہ وصال وہ ایک جذبہ جذباتِ الٰہی ہے۔ دیکھ کر جو محبت ہوتی ہے وہ شہوت ہے عشق مجازی تحریک شہوت کے تماشے ہیں، اسی کو یہ محبت سمجھتے ہیں۔ عورتوں سے محبت شہوانی پسندیدگی اور فطرتی شہوت کی تحریک ہے۔ دوستوں اور ہم جلیسوں کی محبت تناسب مزاج اور اپنے اغراض و مقاصد کی ہوابندیاں ہیں جو شکوک سے اکھڑتیں اور بدگمانیوں سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ انہیں شہوت رانیوں کا نام انہوں نے محبت رکھا ہے یحبونھم کحب اللہ و الذین امنوا اشد حبا للہ ہاں محبت تو بے دیکھی ہی ہوتی ہے۔ یہ خاصۂ فطرت ہے کہ جو چیز حاصل نہ ہو، جو چیز آنکھ کے اوجھل ہو اور وہ گراں بہا ہو تو اس کے حصول کی طلب دل میں پیدا ہو، یہی طلب جب بڑھتی ہے تو شوق ہو جاتی ہے، یہی شوق مودت ہوتا ہے، خلت ہوتا اور محبت ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی برگزیدہ شخص جو

Marfat.com

غائبانہ احسانات کرے اور کرتا رہے اور وہ متصف بصفات کمالیہ بھی ہو جس کے غلغلہ نے دل و دماغ کو فتح کیا ہو، اس کے ساتھ غائبانہ محبت ہوگی۔ اگرچہ یہ بھی حقیقی محبت نہیں بلکہ اغراض و خواہشوں کی نیرنگیاں ہیں تو ہم بے دیکھی اور عظمت کا پہلو لئے ہوئے ایک طرح کی محبت اس کو کہہ سکتی ہیں۔ یہ بھی اس کے دیکھ لینے، اس کے بدل جانے یا اس کے مرجانے کے بعد نہ رہے گی۔ ہر چند اس کی عظمت دلوں میں رہ جائے گی۔ کیونکہ یہ محبت بھی فانی کے ساتھ ہوگی تو اس کے یا اس کے فنا ہونے کے بعد وہ محبت بھی اپنی قرارگاہ نہ پا کر فنا ہو جائے گی۔

محبت اور حقیقی محبت اگر ہو سکتی ہے تو خدائے غائب ہی سے اور وہی محبت کے لائق اور اس کا مستحق بھی ہے۔ اس کی صفات غیر محدود، اس کے احسانات اس کے انعامات اس کے افعال و اکرام لاتعداد و بے غایات ہر لحظہ اور ہر حال میں وارد ہوتے رہتے اور اس کا طالب بنائے رہتے ہیں۔ اس کی غیبوبیت اس کی طلب کو شوق، شوق کو مودت، مودت کو خلت، خلت کو محبت بنا دیتی ہے۔ یہی بڑھ کر عالی ظرفوں میں ایمان کامل اور عبودیت پیدا کرتی ہے اور کم ظرفوں میں عشق و جنون، منزہ ذات کی محبت، محبت کو منزہ بناتی جاتی ہے اور سمانہ سکی، کم ظرفوں میں پڑی تو دیوانہ یہ بے راہ ہوئی تو اس میں تنزہ کی باس تک نہیں ہوتی اور ہوس و شہوت کے درجہ پر نزول کی جاتی ہے۔ یہ حج اسی پاک محبت کی مستی اور اس مقدس مستی کی بھڑاس نکالنے کی راہ ہے اور عاشقوں کے قربان ہونے کا طرز۔

اے محبانِ حق! اٹھو اور حج کو چلو، مگر محبوب کے باندھے ہوئے حدود نہ ٹوٹیں۔ دیکھو شرک کا شمہ نہ ہو اور نافرمانی نہ ہونے پائے۔ ہوشیار محبت میں دیوانے نہ ہو جاؤ۔ حقوق فروگذاشت نہ ہوں۔ امن راہ کو دیکھ لو۔ زادِ سفر ساتھ رکھ لو کہ ماسوا کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے یعنی شرک کی چھینٹ نہ پڑنے پائے۔ بہ ایں ہوشیاری ظاہری اور باطنی ہوش و حواس کی آراستہ اور جان نثار فوج کے ساتھ چلو۔ میقات میں پہنچ کر محبت کو اجازت دو کہ ضبط و تحمل سے آزاد ہو۔ ترک تکلیف، ترک وراحت، ترک زیب و زینت کر کے فقیرانہ اور محبانہ بھیس بنا کر احرام باندھو اور محبوب کی پکار فقر والی اللہ کا لبیک لبیک میں حاضر ہوں، پکار کر جواب دو، مگر اس طرح کہ دل اور زبان دونوں ہم دل

Marfat.com

اور ہم زبان ہوں ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید۔ (ق) ''جو شخص دل رکھتا ہے یا کان لگا کر توجہ سے سنتا ہے اس کے لئے بے شک ان باتوں میں نصیحت ہے۔'' دل کی آواز اگر رسا ہوئی اور تم نے کان لگایا تو جواب سنو گے کہ او ڈھونڈھنے والے! مجھ کو بہ ایں قرب نہیں دیکھ سکتا تو میری تجلی گاہ کے گرد جو دربار ربانی ہونے کی حیثیت سے بیت اللہ کہا جاتا ہے طواف کر۔ طالب طواف کرتا اور قربان ہوتا ہے۔ قربان ہی ہو جاتا، مگر یہ قربانی کیونکر ہو کیونکہ جان دے دینے کا تو جان دینے والا ہی مانع ہے۔ اس لئے طواف کرتا اور جان کے عوض مال قربان کرتا اور قربانی دیتا ہے۔ یہ ہے قربانی کی حقیقت۔ اللہ بھی فرماتا ہے: لن ینال الله لحومها و لا دمآؤها و لکن یناله التقوی منکم۔ اللہ کے یہاں قربانی کا گوشت نہیں پہنچتا نہ اس کا خون پہنچتا ہے بلکہ وہ دلی جذبات پہنچتے ہیں جو جوش زن ہو کر ماسوا سے منقطع کرتے اور اتقا کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اللہ جان کا طالب نہیں ہوتا ہے مگر جہاد میں۔

طواف بیت اللہ پرستش بیت اللہ نہیں ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان میں بھی طواف کیا جاتا ہے کیونکہ صفاء مروہ بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ان الصفا و المروة من شعآئر الله (بقرہ: 191) ان دونوں پہاڑوں کو بھی خدا نے اپنی تجلی گاہ قرار دیا ہے اس لئے ان کے درمیان بھی طواف کی ہدایت ہوئی۔ طالب دیدار، غیب الغیب کا متلاشی ادھر اُدھر دوڑتا اور طلب کی بھڑاس نکالتا نہ پھرے تو کیا کرے اور جو دل محبت سے خالی ہے اور حقیقی محبت سے ناآشنا وہ ظاہر پرست نہ ہو تو کیا کرے۔ دونوں مجبور ہیں۔

مقام ابراہیم بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ فیه ایت بینت مقام ابرهیم اس مقام کو بھی اللہ نے اپنی تجلی گاہ منظور فرمایا ہے۔ طالبین ان نشانیوں سے مراد پاتے ہیں اس لئے اس مقام میں صلوٰۃ شکر ادا کرتے ہیں۔

سر منڈانا کوئی بت پرستی نہیں یہ تو رب العزت کے حضور اپنی تذلیل ہے۔ احرام اس کی ابتدا تھی اور حلق راس اس کی تکمیل ہے۔

Marfat.com

رمی الجمار اور بوسۂ حجر اسود کا ذکر تو قرآنِ مجید میں نہیں ہے اس لئے فرائض واجبات میں داخل نہیں۔ مگر تاریخ سے یعنی حدیث سے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آپ کا فعل ہے۔ تو اگر آپ نے ایسا کیا بھی ہوگا تو اس کو ہر گز حج میں داخل نہیں کیا ہوگا۔ اقتضائے وقت یا اقضائے طبیعت سے کچھ کیا ہوگا۔ چاہے آپ نے کیا ہو نہ کیا ہو مگر یہ افعال بھی بت پرستی یا بت پرستی کے مماثل نہیں۔

رمی الجمار پر غور کرو یہ بدیہی تبریٰ عما سوا ہے اور دل کا ایک قصد ہے جو فعل میں لا کر قوی کیا جاتا ہے حواس ظاہری اور باطنی دونوں کی اس پاک ارادے میں شرکت ہوتی ہے۔ رمی الجمار تو ماسوا کی بت پرستی سے کنارہ کشی کا عزم بالجزم ہے۔ کنکریاں ظاہر میں تو معمولی ستون پر پھینکی جاتی ہیں مگر حقیقت میں ماسوا پر پھینکی جاتی ہیں کہ ہمیں ماسوا سے مطلب نہیں۔ اسی لئے اس وقت پڑھا جاتا ہے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو حی لا یموت وھو علی کل شئی قدیر۔

بوسۂ حجر اسود کے معنی یہ ہیں کہ عاشق تیرے چوکھٹ کا پتھر چوم کے رخصت ہوتا ہے اور دل میں اور بھی درد بھر کر لئے جاتا ہے کہ اے غیب الغیب اے وراء الورا تیرا دیوانہ دوڑا دھوپا، کہاں سے کہاں مارا پھرا، ادھر دوڑا اُدھر دوڑا اور تو غیب الغیب ہی رہا۔ جو کچھ ان تجلی گاہوں میں دیکھا تو وہ تجلی طور تھی تو نہ تھا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد! تو وہم وفہم و دید وشنید اور جذبات سے اعلیٰ تر ہے اور تو ہی حمد حقیقی کا مستحق ہے۔ پھر حجر اسود کا بوسہ پتھر کی عظمت سے نہیں بلکہ یہ تو مجنون کے لئے مقام آہ و فریاد اور رخصت کے وقت بھرے دل سے چوکھٹ چومنا ہے۔

اے لوگو! حج کے سارے مقامات بت پرستی نہیں بلکہ بت پرستی کے نقیض ہیں۔ اور حج کے سارے افعال بھی بت پرستی نہیں بلکہ قطع ماسوا کے محرک ہیں۔ نماز میں سارے اعضائے ظاہری اور قوائے باطنی سکون کے ساتھ بے حرکت اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں اور حج میں سارے اعضائے ظاہری اور قوائے باطنی دوڑ دھوپ اور حرکت کے ساتھ اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ نماز کے لئے نعمت مفروضۂ خداوندی ہے۔ ارکان صلوٰۃ اور ارکانِ حج دونوں عبادت

Marfat.com

ہیں اور دونوں کا مقصود خدائے غیب الغیب اور خدائے وراء الوراء ہے۔ اگر بیت اللہ کو بت بنانا ہوتا تو بیت اللہ کے بت کیوں توڑے جاتے اور پھر ارکانِ حد میں اللہ ہی کیوں یاد کیا جاتا اور بیت اللہ کی یاد یا ذکر کسی ایک مقام پر نہیں ہے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حج کے حکم کے ساتھ ساتھ شرک کا امتناع اور تاکید ہے جو اسلام کی غرض ہے۔

افسوس کا مقام ہوگا کہ اگر اس ممتنع شرک ہی کے ساتھ حج متہم ہو۔ جاہل سے جاہل مسلمان بھی اللہ کے سوا کسی انسان یا بیت اللہ یا پتھر یا پہاڑ کسی کو بھی نہ اللہ سمجھتا نہ اللہ کا شریک کرتا ہے، نہ اللہ سمجھ کر کسی کے آگے قیام یا رکوع یا سجود یا کوئی وہ عبادت جو اللہ کے لئے مخصوص ہو، کرتا ہے۔ پھر حج کو بت پرستی کہنے کا کسی کو کیا استحقاق ہے۔ اگر وہ اس کو نہیں سمجھتا تو یہ اس کی جہالت ہے۔ افعال اخلاص شرک نہیں ہو سکتے۔

میرے نزدیک حج کسی شخص کی یادگار یا کسی رسم کی یادگار نہیں ہے کیونکہ یہ ساری نسبتیں ماسوائے اللہ سے جڑتی ہیں اور محبت خداوندی کی غیرت اس کی حمایت نہیں کرتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امتحانِ محبت دینے کو کھڑے ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جان حاضر کر دی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اس صحرائی جگہ میں ہجرت فرما کر قربانی دی۔ یہ واقعات ہیں کہ ان سے فوائد حاصل کرو۔ مگر یہ سنت اللہ نہیں کہ پیغمبروں کے امتحانات کو وہ عبادت مفروضہ قائم کرے اور آج کل کی رسم کے مطابق وہ یادگار قائم کرے نہ حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کی یادگار قائم ہوئی۔ نہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کنویں میں گرنے کی۔ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریا میں بہائے جانے اور چالیس برس جنگل میں مصیبت جھیلنے کی۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر موت سے بچ جانے کی۔ نہ خود ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف میں زخمی ہونے کی جگہ کی۔ اللہ کو یادگار قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

علاوہ اس کے حج مجنوں کی مستیٔ محبت کا اظہار اور طلب میں صبر و سکون کے لئے آہ رسا ہے۔ اس کو دنیاوی حیثیتوں سے بھی دیکھو تو اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ اخوتِ اسلامی کی زندگی، شیرازۂ قومیت کا استحکام، تبدل خیالات کی مقدس بزم۔ ایک دوسرے کی اعانت و ہمدردی کے لئے

Marfat.com

بہترین موقعہ، ایک دوسرے سے دماغی، عقلی اور روحانی اور ہر طرح کے فوائد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ۔ پھر اس کے ساتھ تجارت بھی ممنوع نہیں اس لئے تجار کے لئے معلومات و ترقی تجارت کے لئے بہترین مواقع۔ الغرض ساری دنیا کے مسلمانوں کو موقع اللہ نے دے دیا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں اور اپنی بہبودی و ترقی کے لئے اس خدائی کونسل میں مشورے کریں۔ ایک دوسرے کی اصلاح کریں، ایک دوسرے کی ہمدردی کریں۔ یہ ایسی بہترین عبادت ہے جس میں اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے ایسے بہترین نقد فوائد مظہر ہیں جس کی مثال دنیا کے کسی طبقہ میں نہیں مل سکتی۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی بہترین عبادت کی ودیعتوں کا مسلمانوں ہی کے ہاتھوں خون ہوا۔ جب سے مسلمان حنیف نہ رہے، یکسو نہ رہے، ان سے محبت و اخلاص کی صفت زائل ہو گئی۔ ان کی عبادتیں، ریا، عجب، پندار اور رسم و عادت سے آمیزش پا گئیں تو ان کے خیر و برکات بھی کھو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

فآمنوا باللّٰہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب دوم

حلال وحرام

خدا کی قدرت دیدنی ہے اور قابل غور۔ اس نے طرح طرح کے نباتات طرح طرح کے حیوانات پیدا کیے اور طرح طرح کے دماغ اور سمجھ کے انسان پیدا کیے۔ ہر مخلوق میں طرح طرح کی بوقلمونی اور نیرنگیاں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک، ایک دوسرے کی موجب پیدائش اور موجب حیات ہے تو ایک دوسرے کو کھائے بھی جاتا ہے۔ بہت سے نباتات وحیوانات کو انسان کھا جاتا ہے اور بہت سے انسان کو مار ڈالتے اور کھا جاتے ہیں۔ انسان انسان ہی سے پیدا ہوتا ہے تو انسان کو انسان ہی مار ڈالتا بھی ہے۔ تعالیٰ شانہٗ۔

نباتات پر غور کرو تو بہت سے نباتات انسان کے لئے زہر ہیں تو بہت سے تریاق بھی ہیں۔ بہت سے انسان کے لئے مضر اور باعث آلام ہیں، تو بہت سے اس کے لئے ہوا صاف کرنے والے اور بہت سے رزق ہیں موجب حیات۔ اسی طرح حیوانات پر غور کرو بہت سے ان کو ڈسنے والے اور پھاڑ کھانے والے ہیں تو بہت سے ان کی سواری اور بار ڈھونے کے لئے ہیں اور بہت سے ان کے لئے رزق ہیں اور موجب حیات۔

اسی کے ساتھ فطرت پر غور کرو تو ساری مخلوق جس طرح اپنے دشمن اور ہلاک کرنے والی چیزوں سے فطرتاً واقف ہے اسی طرح اپنے رزق کو پہچانتی اور اس کے سہارے زندگی حاصل کرتی ہے۔ انسان بھی پیدا ہوتے دودھ پینا ہی جانتا ہے، سیانے ہونے پر حیوانی اور جنگلی زندگی میں حیوانی رزق پر بسر کرتا ہے، اور جب انسانیت کے جامہ میں آتا ہے تو انسانی رزق کو پہچانتا اور انسانی رزق حاصل کرتا ہے۔ کوئی مخلوق ایسی بھی ہے جو اپنے رزق سے واقف نہیں۔ یہ تو فطرتی اقتضا ہے کہ فطرتی بھوک پیاس کو اس چیز سے بجھائے جو فطرتاً اس کا رزق ہے۔ اسی لئے حکم خداوندی ہوا: **کلوا واشربوا من رزق اللہ**۔ اللہ کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ پیو۔

Marfat.com

چونکہ ہر مخلوق بہ ایں نادانی اپنے رزق کو جانتی پہچانتی ہے تو انسان بہ ایں دانائی اپنے رزق سے واقف نہ ہو خلافِ عقل ہے۔ اس لئے یہ عبث اور لایعنی فعل ہوتا اگر اللہ ساری مخلوقات کی فہرست دے دیتا کہ ان میں اتنی چیزیں تمہارے لئے رزق ہیں۔ انسان فطرتاً ہمیشہ سے اپنے رزق سے واقف ہے اس لئے خدا نے رزق کی چیزوں کی فہرست نہ دی بلکہ ان میں سے جن میں مخفی نقصانات، جسمانی یا روحانی ہیں انہیں حرام کر کے ممنوعات کی فہرست دی ہے۔

خدا فرماتا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ (المائدہ:3) ''مردار، خون، سور کا گوشت اور جو جانور اللہ کے سوا کسی اور کے نامزد کیا گیا ہو، جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، جو چوٹ سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو، جو کسی جانور کے سینگ سے مرا ہو اور وہ جانور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو مگر مرنے سے پہلے جس کو ذبح کر لو اور نیز جو کسی تھان پر چڑھا کر ذبح کیا گیا ہو اور نیز ساجھے کے جانور کا گوشت جو جوئے کے طور پر پانسوں سے آپس میں تقسیم کیا گیا ہو، یہ سب تم پر حرام کے گئے۔'' جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سور، اور مردار یا جس کی نسبت کسی طرح بھی سوائے اللہ سے کی گئی ہو وہ سب حرام ہیں۔ اللہ ظاہری یا باطنی کسی طرح بھی شرک کی آمیزش کو پسند نہیں کرتا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں چاہتا کہ تم میرا کھاؤ اور دوسرے کا گاؤ۔

خدا نے خود بھی فرمایا ہے: و احلت لکم الانعام الا ما یتلی علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور۔ حنفآء لله غیر مشرکین به۔ ''چوپائے مویشی تم پر حلال کیے گئے بہ استثنیٰ ان کے جن کی حرمت اوپر بیان کی گئی تو بتوں کی ناپاکی سے بچو (یعنی بتوں کی طرف منسوب کر کے پاک کو ناپاک نہ کرو۔ نسبت ماسوا کی پلیدی پاک کو ناپاک کر دیتی ہے اور قول زور سے بچو یعنی اپنے جی سے حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ بیان کرو) بس یکسو اللہ کے ہو کر حلال طیب کھاؤ پیو جس میں شرک کی ذرہ آمیزش نہ ہو۔''

لوگوں کی عادت ہوتی ہے بات کو کریدنے کی وہ لوگوں کی تھی۔ لوگ آتے تھے اور

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے۔ لوگوں کے سوال پر اللہ نے جواب دیا:
يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠..... (المائدہ:5،4) ''تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کیا حلال ہے تو جواب دے دو کہ تمہارے لئے کل ستھری چیزیں حلال کر دی گئیں اور جو شکاری جانور تم نے سدھا رکھے ہوں کہ جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے ان کو سکھا دو، تو اس شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے واسطے پکڑ رکھیں، اور اس پر اللہ کا نام لے لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ تجاوز نہ ہو جائے۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمہارے لئے سب ستھری چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال......''

مسلمانوں کو یہ احکام کچھ نئے نہیں دیے گئے جیسا کہ میں نے ثابت کیا ہے کہ دین اسلام کے اصولی احکام بھی ازلی ہیں، ہم کو فرمایا گیا۔ احل لكم الطيبات۔ تمہارے لئے کل ستھری چیزیں حلال کی گئیں تو ضرور یہی حکم اور ادیان میں بھی تھا اور بالضرور سارے رسول یہی حکم لائے۔ اللہ خود فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ (مومنون:51) ''رسولو! ستھری چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرتے رہو۔''

بلاشبہ ہر دین مصدقا لما بین یدیہ تھا۔ مگر لوگوں نے اختلاف ڈالا۔ اس رکوع کو چند آیت اور پڑھ جاؤ اور واضح ہو جائے گا تو لوگوں نے اختلاف ڈالا کہ اور احکام کی طرح حلال و حرام میں بھی کمی بیشی کرتے رہے۔ عوام نے حرام کو حلال کیا تو خواص نے حلال کو حرام کیا اور اس کا نام تورع رکھا۔ اللہ نے بھی فرمادیا۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ (یونس:59) ''اے رسول! کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی تمہارے اللہ نے جو تم کو رزق دیا تو تم نے اس میں حلال و احرام ٹھہرا لیا۔ پھر پوچھو تو سہی کیا خدا نے تمہیں حکم دیا ہے یا تم اس پر بہتان باندھتے ہو۔'' اگر حکم دیا ہے تو

Marfat.com

آیت پیش کرو۔

خدا نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ (مومن:79) ''خدا نے ہی تمہارے لئے چار پائے پیدا کیے تا کہ بعض پر تم سواری کرو اور بعض کو تم کھاؤ۔'' تو سواری کے جانوروں سے سواری کی خدمت لو، اور جو جانور کھائے جاتے ہیں انہیں کھاؤ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ گھوڑے، خچر، ہاتھی وغیرہ سواری کے جانور ہیں تو انہیں کھاؤ نہیں ان سے سواری کا کام لو۔ قربانی کے بیان میں اونٹ کی اجازت دے دی ہے تو اسے کھاؤ ہر چند یہ سواری کے کام میں بھی آتا ہے۔ جو جانور سواری کے ہیں ان سے ڈھونے کے یا توپ میں [جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی بڑی بڑی توپیں خچروں سے کھینچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جاتی تھیں] لگانے کے اور منافع کے کام بھی لو۔ ولکم فیھا منافع کثیرۃ۔ (مومن:80) ''تمہارے لئے ان میں بہت سے منافع ہیں۔'' وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾ (نحل:8) ''اس نے پیدا کیے گھوڑے خچر اور گدھے تا کہ تم ان سے سواری کا کام لو اور زینت کے لئے بھی۔ اور پیدا کرے گا وہ بھی جو تم نہیں جانتے۔''

خدا نے بھی صاف فرما دیا کہ گھوڑے خچر اور گدھے ہم نے سواری اور زینت کے لئے پیدا کیے ہیں تو ان کو ان کی فطرت کے خلاف تم کو کھانا جائز نہ ہوگا۔ حرمت کے لئے لفظ حرمت ضرور نہیں شراب اور جوئے کے لئے لفظ اجتناب اللہ نے فرمایا اور ان چیزوں کی حرمت کے لئے اس نے فرمایا کہ ہم نے ان کو کھانے کے لئے نہیں بلکہ سواری اور زینت کے لئے بنایا ہے۔ اس کی تصریح اوپر بھی ہو چکی ہے۔ اور سواری کے لئے اللہ وہ چیزیں پیدا کرے گا جو تمہارے علم میں بھی نہیں۔ ریل گاڑی ہو چکی، ہوائی جہاز ہو چکے اور اللہ جانے اور وہ کیا کیا بنائے گا اس کی خلاقی کا جائزہ کون لے۔

نباتات میں تو اس نے باغ بنائے ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے یعنی لیٹیں [یعنی بیلیں وغیرہ] اور کھڑے درخت اور کھجور اور کھیتی مختلف ذائقوں کی اور زیتون اور انار مشابہ اور غیر مشابہ، ان کے پھل کھاؤ اور اللہ کا شکر کرو۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ

Marfat.com

وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ (الانعام:141) ''اور خدا ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض باتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے ہیں جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ۔'' خدا نے احسان جتایا ہے

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ (النحل 11:16) ''تمہارے ہی لئے وہ اگاتا ہے کھیتی، زیتون، کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ غرض ہر طرح کی کھیتی سے پیداوار حاصل کرو اور کھاؤ کھلاؤ اور اللہ کا شکر کرتے رہو۔''

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (الانعام:142-144)

اسی طرح حیوانات میں اس نے پیدا کیے چوپائے جن پر لادا جاتا ہے اور بعض پست قد زمین سے لگے ہوئے، تو ان میں اللہ نے جو تمہارے رزق کے لئے بنایا ہے انہیں کھاؤ اور شیطان کی راہ نہ چلو۔ (یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ کرو۔) شیطان تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ اللہ نے آٹھ جوڑے پیدا کیے۔ بھیڑ میں سے نر و مادہ دو، اور بکرے میں سے نر و مادہ دو، اے رسولؐ! پوچھو تو سہی کہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں، یا ان کے پیٹ کے بچے بھی۔ مجھے بہ سند کتاب اللہ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ اسی طرح اس نے پیدا کیے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ اے رسولؐ! پوچھو تو سہی کہ اللہ نے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں یا ان کے

Marfat.com

پیٹ کے بچے بھی۔ آیا تم موجود تھے جس وقت اللہ نے یہ حکم دیا تھا تو اے لوگو! اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ لوگوں کو جہالت سے گمراہ کرے۔

اونٹ اور بیل ہر چند لادنے اور سواری کے کام کے ہیں مگر اللہ نے ان کو حلال کر دیا ہے۔ تو یہ اس حکم سے نکل گئے ہیں جو اوپر بیان ہوا کہ بعض جانور سواری اور زینت کے ہیں تو ان کو انہیں مصارف میں لاؤ۔

یہ اللہ نے حلال کی فہرست نہیں دی ہے بلکہ حلال کو لوگوں نے طرح طرح سے حرام کر دیا تھا اللہ نے بتا دیا کہ یہ جائز نہیں۔ اس میں یہ جملہ بھی خیال رکھنے کا ہے جو اللہ نے فرمایا: **فاتوا بکتبکم ان کنتم صدقین**۔ حلال و حرام بتانے کے لئے کتاب اللہ طلب کی ہے۔ یعنی حلال و حرام کرنے کا حق اللہ ہی کو ہے۔ اس لئے اے مسلمانو! جب کوئی چیز حرام بیان کی جائے تو تم کو اس کا حق ہے۔ **قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا** (الانعام:150)۔ یعنی کوئی آیت سند میں پیش کرو۔

شراب

شراب پینے کے متعلق اللہ نے فرمایا: **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۹۰﴾** ''جنس نشہ (یعنی نشہ کی کل چیزیں) جنس جوا (یعنی جوئے کی کل قسمیں) بتوں کی کل جنس (یعنی اس کی شکلیں) اور پانسے کی کل جنس (یعنی اس کی کل شاخیں) سب ناپاک شیطانی کام ہیں تو اس سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔'' وجہ حرمت بھی اسی کے بعد ہی اللہ نے فرما دی۔ **اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴿۹۱﴾** (المائدہ:91) ''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ نشہ اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض و عداوت ڈال دے اور تم کو نماز اور ذکر الٰہی سے باز رکھے، تو کیا اب بھی ان چیزوں سے تم باز نہ آؤ گے۔'' یعنی ہر چیز جو تمہارے آپس میں بغض و عداوت ڈال

Marfat.com

دے، اور تم کو نماز اور یادِ الٰہی سے روکے، وہ ممنوع خداوندی ہے۔

خدا کا صاف لفظوں میں **فاجتنبوہ** بصیغہ امر منع فرمانا اور اس پر **فھل انتم منتھون** جیسے سخت امتناعی لہجہ میں منع فرمانا لفظ حرمت کی خصوصیت پیدا کرتا ہے اور زیادہ سخت تر ہے۔ چونکہ یہ افعال ناشائستہ، انسان کی مایۂ ناز چیز عقل ہی پر حملہ آور اور دین و دنیا دونوں کے لئے سخت نقصان رساں ہیں، اپنی ذات کے لئے بھی، اپنے تعلقات کے لئے بھی۔ معبود کی عبودیت سے باز رکھنے والے بھی اور صحت دماغ کے ساتھ مجنون بنانے والے بھی ہیں۔ اس لئے ان کی حرمت کے لئے خصوصیت کے ساتھ الفاظ امتناعی فرمائے گئے۔

خدا نے فرمایا: **كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا** اللہ نے جو تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔ **وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** (نحل:114) "اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو۔" **اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ** (مائدہ:5) "آج تم پر ستھری چیزیں حلال کی گئیں۔" میں نے بیان کیا ہے یہی ازلی حکم ہے اور یہی حکم سارے انبیاء علیہم السلام کا۔ حلال و حرام کا سوال اللہ کے دیے ہوئے رزق میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کو انسان نے رزق نہیں سمجھا وہ رزق نہیں ہے۔ انسان اپنے رزق سے فطرتاً واقف ہے۔ انسان کا ہو یا حیوان کا یا کسی کا بول و براز ہو، اور درندے شکاری جانور، زہریلے جانور، مردار خور جانور۔ حشرات الارض۔ کتے، بلی، چوہے وغیرہ وغیرہ۔ جنگلی جانور انسان نما حیوانوں کو چھوڑ کر انسان نے کبھی ان چیزوں کو رزق نہیں سمجھا۔ ایسی ساری چیزیں کبھی بھی نہ انسانی رزق میں شمار ہوئیں اور نہ ہوتی ہیں۔ نہ کبھی طیب اور پاکیزہ سمجھی جاتی تھیں نہ سمجھی جاتی ہیں۔ یہ چیزیں ہمارے کھانے ہی کے لئے نہیں ہیں۔ اس لئے ان چیزوں میں حلال و حرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سڑی گلی چیزیں بھی طیب اور ستھری نہیں سمجھی جاتیں۔ قرآنِ مجید میں اللہ اور رسول نے طیبات کو حلال کیا ہے اور خبائث کو حرام۔ **يحل لهم الطيبت ويحرم عليهم الخبٰئث**۔ مگر ہم مسلمانوں نے خیرات اور نیک کاموں کے لئے ان کو بہتر سمجھا ہے۔ جو چیز سڑ گل جائے۔ جو کھانا بگڑ کر خراب ہو جائے اور نوکروں، ماماؤں اور پیٹ کے دکھیاروں کو تقرباً الی اللہ دیا جاتا ہے اور یوں عاقبت کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ نے فرمایا: يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: 157) ''رسول بھلے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع کرتے اور ستھری چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال کرتے اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔'' اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش اور اپنی رائے سے حلال و حرام فرماتے تھے۔ کیونکہ آیتیں اوپر دی گئی ہیں کہ آپ حلال و حرام قرآنِ مجید میں تلاش فرماتے تھے۔ چونکہ قرآنِ مجید ہم لوگوں کو آپ سے ہی ملا۔ چونکہ حکم قرآنی آپ ہی کی زبان سے ارشاد ہوتا تھا اس لئے حکم اللہ اور رسول ایک تھا۔ اللہ کا حلال و حرام کرنا رسول کا حلال و حرام کرنا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لئے اس آیت میں حلال و حرام کی نسبت آپ کی طرف کی گئی اور اسی لئے آخر آیت میں اللہ نے بتادیا: وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف 157:7) جو قرآن کے پیچھے ہوئے وہی فائز المرام ہیں۔ قول منزل آپ کی زبان سے بیان ہوتا تھا اس لئے اس کی نسبت بلکہ سارے قرآن کی نسبت آپ کے ساتھ کی گئی۔ آپ سے حلال و حرام کی نسبت لوگوں نے پوچھا تو آپ نے بحکم خداوندی جواب دیا: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً الخ (الانعام: 145) ''کہہ دو اے رسول! کہ کسی کھانے والے پر جو وہ کھائے ہم قرآنِ مجید میں مردار وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز حرام نہیں پاتے۔''

اور فاضل چیزوں کی نسبت جس کا بیان کتاب اللہ میں نہیں اللہ نے افترا علی اللہ فرمایا ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس: 59) ''اے رسول! کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لئے اتارا تو ان میں سے بعض کو تم نے حلال و حرام ٹھہرالیا۔ کہہ دو آیا اللہ نے حکم دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔

حاشا آپ اپنی طرف سے حلال و حرام نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان تھا: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (تحریم: 1) ''اے نبی کیوں حرام کرتے ہو اس کو جس کو

Marfat.com

اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔" یعنی حلال وحرام کرنے کا اللہ ہی مستحق ہے۔ اللہ نے فرمایا:
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ (نحل:116) "تم اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے کہ لگو اللہ پر جھوٹا افترا کرنے۔" تو سونے اور ریشم اور گانے کی حرمت کی کوئی آیت پیش کرو۔ اگر کوئی آیت نہیں ہے تو اس کی حرمت کی حدیث کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم ہو سکتی ہے۔ آپ نے قرآن سے فاضل حرام کیا ہی نہیں۔

ایک خدشہ ہوتا ہے

جسے صاف کر دینا ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ دین اسلام ازلی ہے اور حلت وحرمت بھی ازلی۔ اگر یہی دین سب پیغمبروں پر نازل ہوا اور اگر دین اللہ ایک دوسرے کا ناسخ نہیں بلکہ مصدق ہے تو یہود پر فاضل چیزیں کیوں حرام تھیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ (الانعام:146) "ہم نے یہود پر تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکریوں میں سے ان دونوں کی چربی کو جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں یا ہڈیوں سے ملی ہو۔ یہ ہم نے ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بلاشبہ ہم سچ فرماتے ہیں۔"

میرے نزدیک یہ خدشہ نرا خدشہ ہے کیونکہ اللہ نے تو خود آخر آیت میں فرما دیا ہے کہ یہ حرمت اسلام ازلی میں نہیں بلکہ ان کی سزا کے لیے تھی۔ یعنی مذہباً نہیں اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (الِ عمران:50) "میں اس لئے آیا ہوں کہ توریت جو میرے سامنے ہے اس کی تصدیق کروں اور حلال کروں بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بدولت یہ سزا ان کے سر سے ٹلی۔

Marfat.com

خدا نے اس کو اور بھی صاف کر دیا ہے: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ (النساء:161,160) ''یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے پاک چیزوں کو جو ان کے لئے حلال تھیں حرام کر دیا تھا۔ یہ اس ظلم کے سبب سے کہ انہوں نے بہتیروں کو اللہ کی راہ سے روکا تھا، اور یہ سبب ان کی سود خواری کے کہ وہ سود سے منع کیے گئے تھے، اور لوگوں کا مال ناجائز کھانے کے سبب سے۔''

خدا نے فرمادیا کہ یہ حرام کرنا ان کی سرکشی اور ظلم کے سبب سے سزا تھا۔ یہ بھی فرمادیا کہ یہ چیزیں حلال و طیب تھیں جو اقتضائے اسلام ازلی تھا۔

بری چیزوں کی طرح اللہ نے بحری چیزوں کو حلال فرمایا: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ (مائدہ:96) ''بحری شکار اور اس کا کھانا تمہارے لئے حلال کیا گیا۔'' یہ حلت تو حالت احرام میں بھی رہی۔ یہ اللہ کی مہربانیاں ہیں۔ اس نے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا (نحل:14) ''خدا ہی ہے جس نے دریا کو تمہارا مسخر کر دیا کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔''

اب تم مچھلیاں یا گائے کے گوشت کی نسبت یہ ارادہ کر لو کہ اس کو ہم کبھی نہ کھائیں گے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہوتا یا عمل ٹوٹتا ہے، تو یہ تورع نہ ہوگا۔ بلکہ یہ بھی حلال کو حرام کرنا ہے جو ممنوع خداوندی ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد کا واقعہ بیان ہوا۔ اگر اس طرح حلال کو حرام کیا کرو تو علاوہ نافرمانی کے تمہیں گھاٹے میں رہو گے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾ (الانعام:140) ''بیشک وہ بہت گھاٹے میں رہے جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے مار ڈالا اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا ان میں سے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ کر حرام کیا۔ بلاشبہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے۔ اور یہ ہدایت پانے والے بھی نہیں۔''

رزق حلال کو حرام کرنا ایسی گمراہی ہے جس سے وہ ہدایت پا بھی نہیں سکتا۔ اللہ کا یہ حکم یاد

Marfat.com

رکھو: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُحَرِّمُواْ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ (مائدہ:87) ''ایمان والو! طیب اور ستھری چیزیں جن کو اللہ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' اللہ کے حرام کیے ہوئے سے فاضل حرام کرنا تجاوز عن الحد ہے۔ افسوس ہے کہ قوم نے خلافِ رضائے مولا بہت کچھ حرام کیا ہے۔

خدا نے حلال و حرام بیان کر دیا کہ اللہ کے دیے ہوئے رزق میں جو انسانی رزق فطرتاً اس نے دیا ہے بہ استثنیٰ چند سب حلال ہیں۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ جو اس نے حرام کیا اس کو بالتفصیل بیان کر دیا۔ فَكُلُواْ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِـَٔايَٰتِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ (الانعام:118) ''جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو تو اسے کھاؤ اگر اللہ کی آیتوں پر تمہارا ایمان ہے۔'' وَلَا تَأْكُلُواْ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُۥ لَفِسْقٌ ۗ (الانعام:121) ''جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ کہ یہ فسق ہے۔'' وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُواْ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام:119) ''اور تمہیں کیا ہوا کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ کیونکہ جو تم پر حرام کیا گیا ہے اس کی تو تفصیل کر دی گئی ہے۔'' اب یہ صریح ظلم ہو گا کہ اللہ کے اس تفصیل کے دعوے کو نہ مانو اور اس کو مجمل کہہ کر انسانی تصانیف کی رو سے حلال کو بھی حرام کرو، اور حرمت کی فہرست بڑھاؤ کہ اتنا اللہ نے حرام کیا، اتنا رسول نے، اتنا اماموں نے، اتنا بزرگانِ دین نے اور اتنا بطور تورع یا عامل ہونے کے سب اجنہ و شیاطین کو تابع کرنے کے لئے ہم نے آپ اپنے اوپر حرام کر لیا تو جو جی چاہے کہو اور کرو مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت نہ دھرو۔ آپ نے کوئی چیز بھی حرام کر کے اضافہ علی القرآن نہیں کیا اور حدود اللہ کو نہ توڑا کہ یہ شان رسالت سے بالکل ہی بعید ہے۔

یہ تو حرمت ظاہری کی نسبت ہوا جس کو تعلق کھانے پینے سے ہے۔ اس پر کتابیں لکھی گئیں، جھگڑے قائم ہوئے، فرقے بنے اور ہر فرقے نے اپنی راہ الگ کی۔ کسی کے یہاں وہ حرام، کسی کے یہاں یہ حرام، علمی شاخسانوں نے ہوا پر قلعے اٹھائے۔ مگر باطنی حرمت جس کو خداوند عالم نے

Marfat.com

نہایت مہتم بالشان طرح پر فرمایا ہے اس سے چشم پوشی کی گئی، اور یہ اعمال صالحہ کی زمین بجائے اس کے کہ تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف و نہی المنکر، یعنی بذریعہ تبلیغ تخم ریزی کی جاتی، سینچی جاتی، وہ نفس و شیطان کے پولو یعنی چوگان بازی کا میدان اور سیر حاصل زمین بنجر بنائی گئی ہے۔ حرمت باطنی کو اللہ فرماتا ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ (الانعام: 151-153) ''اے رسول! کہہ دو کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے اللہ نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہوئے مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تمہیں بھی ہم رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ہم ہی۔ کھلی یا چھپی بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ۔ کسی کی جان ناحق نہ مارو جس کا مارنا اللہ نے تم پر حرام کیا ہے۔ انہی باتوں کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم سمجھدار بنو۔ اور ہاں تا بلوغ تم یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر بھلائی کی نیت سے۔ ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو، ہم تکلیف مالایطاق نہیں دیا کرتے۔ جب بولو تو انصاف سے بولو گو تمہارا قرابت مند ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کا عہد پورا کرتے رہو (ایمان لائے تو اس کی کتاب پر چلنے کا عہد ہو گیا تو اس ایفائے عہد میں سارے احکام کی تعمیل آ گئی) اللہ نے ان باتوں کا تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو اور یہ بھی اس نے فرما دیا ہے کہ یہی صراط مستقیم ہے اسی پر چلے چلو، وہ راہیں نہ چلو

Marfat.com

جو خدا کی راہ سے تمہیں پھیر دیں ۔ یہی اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

کیا اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے بہانے نہ ڈھونڈھے گئے۔ کیا ماں باپ کے ساتھ سلوک جو مامور خداوندی ہے کیا جاتا ہے۔ کیا بے حیائیوں سے احتراز کیا جاتا ہے، کیا مال یتیم نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ہڑپ نہیں کیا جاتا۔ کیا ناپ تول میں عدل و انصاف برتا جاتا ہے۔ کیا حق گوئی کو مسمار کر کے اس کی تخت گاہ جھوٹ نے نہیں چھین لی، کچہریوں میں جھوٹ اور فریب ہی کی نوبت بجا کرتی ہے۔ کیا ایمان لانے ہی سے جو عدۂ فرمان پذیریٔ احکام باندھا جاتا ہے وہ ایفا کیا جاتا ہے۔ کیا اسی اللہ نے یہ احکام نہیں دیے جس نے سور کو حرام کیا ہے۔ کیا فرق ہے ان چیزوں کی حرمت میں اور سور کی حرمت میں۔ پھر کیوں ان حکموں کی نافرمانی سور اور مردار کھانے کی برابر نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ وہ ہوشیاری اور عقلمندی سمجھی جاتی ہے۔ پھر کیوں نہ پتھر پڑیں ایسے سمجھنے والوں کی سمجھ اور ایسے حال والوں کے حال پر۔

خدا نے دوسری جگہ فرمایا: قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الاعراف: 33) "کہہ دو اے نبیؐ! کہ اللہ نے کھلی چھپی سب بے حیائیوں کو حرام کر دیا ہے اور گناہ اور ناحق سرکشی کو بھی۔" کیا یہ باتیں حرام سمجھی جاتی ہیں رنڈیوں کا بازار اسی طرح گرم ہے اور شراب خانے اسی طرح آباد۔ نہ ان کی آمدنی میں گھاٹا، نہ اس کی آمدنی میں کمی۔ سور کا گوشت مسجدوں میں پھینک دینے سے وہ بھی کافروں کے تو خون خرابہ ہو جاتا ہے اور ایسے حرام کے مرتکبین کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بجائے اخلاقی سزا کے بھی کیا ان کی عظمت میں کچھ فروگذاشت کیا جاتا ہے۔ وہ دن لد گئے کہ مسلمان اور جھوٹ، شراب، زِنا، بے حیائی اور سرکشی تعجب بالائے تعجب۔ اب تو یہ کہاوت ہے کہ مسلمان اور سچ، مسلمان اور شراب و زِنا سے پرہیز۔ مسلمان اور بے حیائی و سرکشی سے کنارہ کشی حیرت در حیرت اللہ کی قدرت اور قدرت کے تماشے۔

ربوٰ حرام: یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا۔ (آلِ عمران: 120) "ایمان والو! سود نہ کھاؤ۔" وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا ۚ (البقرہ: 275) "خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور ربوٰ کو حرام کیا۔" مگر ربوٰ کس طرح شیر مادر ہے۔ ربوٰ کا مسئلہ تو اسی کتاب میں ایک الگ سرخی قائم کر کے نہایت مشرح بیان کیا گیا ہے اور قرآنِ مجید ہی سے حل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

کسی کا مال ناحق کھانا اور رشوت دینی دونوں حرام وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ (البقرہ: 188) ''آپس میں تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، نہ حاکموں کو رشوت دو کہ لوگوں کے مال سے ناجائز کچھ حاصل کرو حالانکہ تم کو علم ہو۔''

آج کچہریاں انہی محرمات سے گرم ہیں اور اس کے معین و مددگار ہی قوم کے لیڈر مانے جاتے ہیں۔

تفو برتو اے چرخ گرداں تفو ایسی قوم سدھر چکی

افسوس کہ اگلی امتوں کی طرح مسلمانوں نے بھی بہت سی حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا ہے۔ سود، مال یتیم، اوپری آمدنی یعنی رشوت۔ ناپ تول کی بے ایمانیوں سے تمتع، وعدہ خلافی اور زِنا یہ سب حلال وطیب بنا لیے گئے ہیں۔ شراب فیشن میں داخل۔ بے حیائی کی کل باتیں حیادار بن کر کی جاتی ہیں۔ اسی طرح سونا چاندی حرام جس کو اللہ نے حرام نہ کیا۔ ریشمی لباس حرام جس کو اللہ نے حرام نہ کیا۔ گانا حرام جس کو اللہ نے حرام نہ کیا اور علیٰ ہذا بہت سی چیزیں۔ یہاں تک کہ زینت بھی حرام۔ باوجودیکہ اللہ نے فرمایا تھا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ (الاعراف: 32) ''اے رسولؐ! کہہ دو کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اس کو اور رزق طیب کو حرام کس نے کیا۔ کہہ دو کہ یہ تو مومنوں کے لئے اس دنیا میں ہے جس میں اوروں کی بھی شرکت ہے اور قیامت کے دن تو خالص انہی کے لئے ہوگی۔'' زینت کو خدا نے حرام نہ کیا مگر ہم مسلمانوں نے حرام کر کے شوکت اسلامی کھوئی۔ اگر یہ ساری چیزیں حرام ہیں تو هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ (الانعام: 150) ''اپنے گواہوں کو لا حاضر کرو جو گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔''

خدا نے حرام وحلال بیان فرما دیا اس دعوے کے ساتھ کہ ہم نے مفصل بیان فرمایا ہے مگر مباح، مشتبہ وغیرہ کا کہیں پتہ نہیں کیونکہ شک شبہ اسلام میں ہے نہیں۔

فاٰمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب سوم

اصلاحِ تمدن

انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ جذبات فطریہ متقاضی تمدن ہیں۔ تمدن اگر وحشیانہ یا بر بنائے اوہام ہے، تو روح ملوث اور داغدار ہوگی، اور اس کے اخلاق تباہ کن ہوں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمدن بر بنائے اصولِ فطرت قائم ہو، تا کہ انسان بہ اقتضائے فطرتِ الٰہیہ اپنے کمال عروج تک ترقی کر سکے اور اس کی صفات جو ودیعات خداوندی ہیں۔ اس طرح ظہور پذیر ہوں کہ اس کا تمدن موجب فلاح دارین ہو۔ اس رحیم اللہ نے ہماری ضرورت کو دیکھا اور ہم کو تمدن کے اصول بھی اصولِ فطرت کے مطابق تعلیم کیے۔

اصولِ تمدن عین اصولِ اخلاق ہے۔ اس لئے بلحاظ صفائے باطن کے اصول اخلاق معہ اس کے مالہ وماعلیہ کے منہاج الحق میں اخلاق کی سرخی میں قرآنی اصول سے فلسفیانہ اور عملی تقسیموں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس میں دیکھو۔ مگر اصلاحِ تمدن کا وہ حصہ جسے معاشرت کہو، وہ بھی معاشرت زن وشوہر مجھے اس میں بیان کرنا ہے۔ تا کہ واضح ہو کہ اپنے احکام میں قرآنِ مجید کس درجہ مفصل ہے جس کو لوگوں نے کس درجہ مجمل مانا ہے۔

معاشرت زن وشو

نکاح

نکاح کی ضرورت بدیہی ہے۔ اگر نکاح کرنا دنیا سے اٹھ جائے تو تمدن قائم نہ ہو، اور انسان ہے مدنی الطبع، اس لئے نکاح کا اٹھ جانا خلافِ فطرت ہوگا، پھر اس کے نتائج بھی تباہ کن ہونے لازمی ہیں۔ اگر نکاح نہ ہوا کرے تو فطرتی جذبات عیاشانہ ہو جائیں گے، جو مولد ہوں گے اخلاقی

Marfat.com

تباہی کے ساتھ اور سوزاک و آتشک جیسے امراض کے ساتھ۔ اعتبار نسل جو جانوروں میں بھی موجب افزونی قدر و قیمت ہے، وہ انسان میں مشتبہ ہو کر کھو جائے گا اور پرورشِ اولاد اور اس کی تعلیم و تربیت کا معاملہ خطرہ میں پڑ جائے گا اور قومیت کی کشتی بھنور میں پڑ جائے گی۔ اس کے سوا عورت جو فطرتاً کمزور اور مجبور مخلوق ہے اس کا سہارا ٹوٹ جائے گا۔ نکاح تو ایسی فطرتی چیز ہے کہ اس سے بعنوان مختلف جنگلی اور وحشی قومیں بھی مستثنیٰ نہیں۔ نکاح نہ ہو تو جوڑا ہی قائم نہ ہو، اور انسان پیدا کیا گیا ہے جوڑا۔ خلقنکم ازواجا۔ خلاق فطرت نے انسانی فطرت بتا دی۔ اس لئے فطرتاً جفت قائم ہونا ضروری ہے۔

نکاح کے فطرتی اقتضا کو خلاقِ فطرت نے اور بھی واضح کر دیا۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ (روم:21) ''خدا کی یہ نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے تسکین دلی حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے اور ان کے درمیان پیار و محبت پیدا کر دی۔''

چونکہ یہ نکاح فطرتی چیز ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام[1] کو چھوڑ کر سارے پیغمبروں کو دیکھ لو سب کی بیویاں تھیں۔ نکاح و طلاق کے متعلق احکام اب تک اس محرف توریت میں بھی موجود ہیں جب نکاح فطرتی چیز ہے۔ جب نکاح سارے پیغمبروں نے کیا، اور سارے دینوں میں تھا، تو یہ کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی کہ اللہ اس کی اصطلاح کو بیان کرتا۔ قوم اس اصطلاح سے

ا۔ [مصنف محترم غور نہ کر سکے قرآنِ کریم سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بھی بیوی اور اولاد ثابت ہوتی ہے۔ سورہ الانعام آیات 83 تا 87 میں 18 انبیاء علیہم السلام کے والدین اولاد اور بھائی بہن بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اب اگر عیسیٰ کی اولاد قرآن بتا رہا ہے تو لازماً وہ شادی شدہ اور صاحب اولاد ٹھہرے۔ ایسے ہی سورہ الرعد آیت 37 پڑھیے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ ..... اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اور انھیں جوڑا (شادی شدہ) اور صاحب اولاد بنایا تھا، چنانچہ نصوص قرآن سے عیسیٰ علیہ السلام کا شادی شدہ اور صاحب اولاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امتیاز عثمانی]

Marfat.com

واقف تھی۔ حکم ہوا، سمجھ گئی اور نہ یہ آوازِ بلند ہوئی کہ **ما النکاح!**

نکاح کے معنی منتہی الارب میں عقد زنا شوئی بستن کے ہیں اور اصطلاحاً جو عمل متواتر اور تاریخ مذہبی سے پایا جاتا ہے اور اس کی تصدیق قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے وہ زن وشو کا معاہدہ ہے جو بعوض مہر اور یہ ذمہ داری کم سے کم دو گواہوں کے سامنے بہ نیت عفت منعقد ہو بس یہی نکاح ازلی ہے۔[1]

چونکہ عورت و مرد کی محبت فطری محبت ہے اور جذبہ محبت بے راہ کرنے کی قوت قوی رکھتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی فطرتی اقتضا کے روک تھام، اور بے راہ روی سے روکنے کی جو نکاح سے کی گئی۔ اسی لئے ضرورت ہوئی نکاح سے متعلق قوانین کی۔

قوانین متعلق زن وشو قرآنِ مجید میں اتنے مفصل موجود ہیں کہ انہیں مجمل کہنے والے بھی مجمل نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے اس کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر خلق اللہ کے فائدے کے لئے کسی قدر خدائی احکام لکھ دینا ضروری ہے۔ تا کہ قوم نکاح بھی اللہ کا حکم و ہدایت اور عبادت سمجھ کر کرے اور رسوماتِ نکاح خلاف رضائے مولیٰ سمجھ کر ترک کرے اور اس وجہ سے بھی لکھنا ضروری ہے کہ نکاح کے معاملہ میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو زبان درازیاں ہوتی ہیں ان کی قلعی کھول دی جائے۔

سورۃ النساء کے تیسرے رکوع سے پانچویں رکوع تک پڑھ جاؤ اور بہ تفکر پڑھو، وہ عورتوں ہی کے متعلق احکام وہدایات ہیں۔ بنظر اختصار ہم صرف خلاصہ مطلب پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ عورتوں کو میراث میں زبردستی لے لو۔ نہ یہ جائز کہ تم ان کو بند

---

[1] قرآن اس بارے میں صریح ہے کہ چار باتیں ہوں تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں (۱) مہر کی ادائیگی (۲) ہمیشہ کے لیے ہو (محصنت یا محصنین میں ابدیت پائی جاتی ہے کیونکہ نکاح کے ذریعے عورت مرد کی حفاظت میں چلی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ حفاظت تا دم مرگ ہوگی)، (۳) خاندان بنانا مقصود ہو (غیر مسافحین) یعنی محض شہوت رانی نہ ہو بلکہ پورا خاندان نکاح کے ذریعہ وجود میں آتا ہے، منکوحہ کسی کی بیوی، کسی کی نند، کسی کی ماں، کسی کی بھاوج، کسی کی چچی اور کسی کی ممانی بنتی ہے وغیرہ (۴) نکاح اعلانیہ ہو، مائدہ 5، نساء 25۔ امتیاز عثمانی]

Marfat.com

کرو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، جب تک کہ وہ مرتکب بدکاری نہ ہوں۔ اگر تم طلاق دے کر دوسرا نکاح کرنا چاہو تو تم اپنے دیئے ہوئے مال کو واپس نہیں لے سکتے کہ یہ سخت گناہ ہے۔ یہ کرنا کسی طرح زیبا نہ ہوگا۔ تم ایک دوسرے سے متمتع ہو چکے ہو۔

محرماتِ نکاح

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُہَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾ (النور: 3) ''زانی زانیہ اور مشرکہ ہی سے نکاح کرے اور زانیہ کے ساتھ زانی اور مشرک ہی نکاح کرے۔ مؤمنین کے لئے ایسے تعلقات حرام ہیں۔ بہ ایں اصول کہ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ (النور: 26) ''گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اللہ نے فرمایا: وَیُحَرِّمُ عَلَیْہِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف: 157) ''وہ ان پر گندی چیزیں (بحکم خدا) حرام کرتے ہیں۔'' پاک و ناپاک مؤمن اور مشرکہ، پاکدامن اور زانیہ کا ساتھ ہونا، امن و تمدن کا، فلاح و بہبود کا اور مال و جان تک کا تباہ کن اور برباد کن ہے اور اس میں بڑے بڑے خطرات بھی ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ توبہ شرک اور زنا بلکہ سارے گناہوں کو دھو دینے والی اور پاک کرنے والی ہے۔ یعنی بعد توبہ حرمت نہیں رہتی۔

''باپ کی منکوحہ حرام ہے۔ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: 22) ''باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو۔''

محرمات نکاح کی فہرست سورۃ النساء کے چوتھے رکوع میں دیکھو حرمت علیکم الخ یعنی تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں تمہاری ساسیں اور بیٹیاں یعنی بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو اور بیٹوں کی بیویاں یعنی بہویں، یہ ساری عورتیں تم پر حرام کی گئیں، اور نیز دو بہنوں کا بیک وقت نکاح میں ہونا، اور شوہر دار عورتیں، یہ سب حرام کی گئیں۔ یہ اللہ کا تحریری حکم ہے۔ ان کے سوا اور سب

Marfat.com

عورتیں نکاح کے لیے حلال ہیں۔

"تو جن عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہوا، ان سے نکاح کرو۔ مگر نکاح بہ نیت عفت ہو، اور مہر دینا بھی فرض ہے تو جن سے تم ہم صحبت ہوئے ان کا پورا مہر ادا کرو۔ ہاں جو کچھ وہ خوشی سے بعد نکاح معاف کر دیں وہ معاف ہو جائے گا۔ اگر آزاد مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا تم کو مقدور نہ ہو تو مملوکہ مومنہ سے بہ اذن اس کے مالک کے نکاح کر لو، اور حسب دستور ان کا مہر دے دو۔ یہ نکاح جائز ہوگا۔ بشرطیکہ وہ قید نکاح میں لائی جائیں، نہ زِنا کرنے والی ہوں، نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والی۔ یعنی نہ بازاری عورتوں کی طرح، نہ خانگیوں کی طرح۔"

بیواؤں اور لونڈی غلاموں کی نسبت فرمانِ خداوندی ہے۔ **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ** (النور: 32) "تو لونڈی اور غلاموں کا نکاح ان کو کر دینا ہے جن کے قبضۂ اقتدار میں وہ ہیں۔" ورنہ اللہ فرماتا کہ لونڈی اور غلاموں کو چاہیے کہ وہ نکاح کر لیں۔ بجائے اس کے اللہ نے وانکحوا فرما کر حکم دیا۔ اسی طرح بیواؤں کا نکاح بھی کر دینا چاہیے مگر بلا رضامندی نہیں کیونکہ بغیر رضا کے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ معاہدہ میں تراضی طرفین ضرور ہے۔ یہ حکم بمصالح دیا گیا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ لونڈی غلام کسی غدار اور گھر کے دشمن سے نکاح کر لیں کہ یہ خطرناک ہوگا۔ لونڈی اور غلام کا ہونا اور ان کی بیع وشرا، یہ عرب کی پرانی رسم ہے، ایامِ جاہلیت کی، اس رسم کے مطابق لوگوں کے پاس مسلمان ہوں یا غیر مسلمان لونڈی اور غلام ہوتے تھے اور اس کی رسماً بہت سی صورتیں تھیں تو غلام اور لونڈی کے لئے **عبادکم وامائکم** کے الفاظ اللہ نے فرمائے۔ یعنی غلام اور لونڈی، اور مملوک اور مملوکہ۔

معاشرت زن وشو

نکاح کے بعد عورتوں کے ساتھ تم کو کس طرح معاشرت کرنی چاہیے تو اس کو جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے وہ بالکل فطرتِ الٰہیہ ہے۔ اس نے زن وشو میں اللہ اور بندہ کا رشتہ نہیں جوڑا ہے، نہ شوہر سجدہ کیے جانے کے لائق بتایا ہے، بلکہ اللہ کا فرمان ہے **عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ** (النساء: 19)

Marfat.com

بیبیوں سے بھلائی کے ساتھ معاشرت کرو۔" کہنے کو تو ایک لفظ ہے مگر اس کی وسعت ہر ایک برتاؤ کو حاوی ہے۔ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ (النساء:19) "اگر تم کو نہ بھائیں تو بہت ممکن ہے کہ تمہیں ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں خوبیاں رکھی ہوں۔" انسان تو متضاد قوتوں اور عیب و ہنر کا معجون مرکب ہے۔ ایک قوت گھٹتی تو ایک بڑھتی ہے۔ بینائی نے جواب دیا تو قوت سامعہ نے ترقی کی اسی طرح عیب کسی میں ہوتا ہے تو خوبی بھی اس میں ہوتی ہے، اور اس عیب و ہنر کی آمیزش سے کوئی خالی نہیں۔ صدقے اس کی شان عطیات کے۔

اس میں شک نہیں کہ بلحاظ فطرتی عطیات، اور فطرتی جواب دہی کے اور بلحاظ اس کے کہ مرد کما کر لانے کا انتظام کرتا ہے۔ شوہر کا درجہ بیوی سے بڑا ہے۔ للرجال علیھن درجہ۔ "مرد کا درجہ عورتوں سے بڑا ہے۔" اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء:34) "شوہر بیوی کے منتظم ہیں۔" یہ خلاق فطرت نے فطرت بتادی۔ یہ رکوع پورا پڑھ جاؤ تو اس میں اسلامی معاشرہ کو زن و شوہی کے متعلق احکام و ہدایات دی ہیں۔ یعنی "جو بیبیاں نیک ہیں وہ شوہروں کا کہا مانتی ہیں اور بحفاظت اللہ شرمگاہ کی غائبانہ حفاظت کرتی ہیں۔ (اے معاشرے کے ذمہ دارو) ہاں جن عورتوں کی نافرمانیوں کا تم کو اندیشہ ہو تو ان کو سمجھاؤ، ان کے بستر الگ کر دو۔ اس پر بھی نہ مانیں تو ان کو سزا دو پھر اگر مطیع ہو جائیں تو ان پر کسی طرح کا الزام نہ دو۔ (غرض یہ کہ اے اسلامی معاشرے کے ذمہ دارو) اگر تم کو ان کے درمیان کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح و اصلاح چاہیں گے تو اللہ صلح کرا دے گا۔" دو بادشاہ در اقلیمے نگنجد۔ ایک کو دوسرے کا مطیع ہونا اصلاح تمدن کے لئے ناگزیر ہے۔ مگر حقوق میں دونوں کے مساوات ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ: 228) "ان کا حق تم پر ایسا ہی ہے جیسا ان پر تمہارا۔" ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ:187) "وہ تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم ان کے پردہ پوش۔" تو ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تم ان کو کمزور اور بے جان مخلوق سمجھ کر یورپ کی طرح ظاہری جھوٹ خوشامد کا

Marfat.com

سبز باغ دکھا کر ان کا سب کچھ دبا بیٹھو کہ ان کی کوئی چیز نہیں، سب کے مالک تم۔ اللہ کی مخلوق جیسی تم ویسی وہ۔ اس لئے ہونا چاہیے یہی کہ مرد کا محصولہ مردوں کا اور عورتوں کا محصولہ عورتوں کا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ (النسا: 32)

جس اللہ نے نکاح کا سلسلہ قائم کیا، عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کی اور یوں تمدن کی بنیاد رکھی اس نے جذبات فطریہ کو بالکل مطلق العنان نہ چھوڑ دیا کہ وہ بے راہ ہو کر تباہ کن ہو جائیں، اس لئے اس نے اس کی حد بندی بھی قائم کر دی۔ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ۝ (النساء: 3، 4) ''نکاح کرو ان عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں۔ دو، تین، چار تک۔ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ ان میں عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو یا مملوکہ سے۔ اس طرح آپس میں کم سے کم یہ تو ہوگا کہ تم ایک ہی طرف نہ جھک پڑو گے، اور مہر خوشی سے دیا کرو۔ اگر وہ بخوشی اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے کھاؤ، اللہ مبارک کرے۔'' اس آیت سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

1- مہر خوشی سے ادا کرنا۔ اس کی متعدد آیتوں میں تاکید آئی ہے، فاتوھن اجورھن متعدد جگہ آیا ہے۔ ایسی صورت میں اتنا مہر مقرر کرنا جس کی ادائیگی محال معلوم ہو، یا جس کے ادا کرنے کی نیت ہی خیر سے نہ ہو، تو وہ تو دھوکا دہی ہے جس سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

2- جو عورتیں پسند آئیں ان سے نکاح کرو، تو پسندی کی تین صورتیں ہیں۔ تینوں جائز ہوں گی۔ ایک تو اعتماد پر پسند کرنا کہ لڑکا بالغ بھی ہو جائے جب بھی وہ دور اندیش نہیں ہو سکتا، نہ زمانہ دیدہ، اس لئے وہ اپنی خامی کو لحاظ کر کے والدین کی بہی خواہانہ پسند کو اپنی ہوس آلود پسند پر ترجیح دے تو یہ دور اندیشانہ پسند بھی جائز ہے۔ دوسرے صفات سن کر پسند کرے تو یہ بھی جائز تیسرے دیکھ کر پسند کرے تو یہ بھی جائز۔ تینوں صورتیں صحیح ہیں۔ اس لئے پسند کرنے کے لئے اگر کوئی ایک نظر دیکھ لینا چاہے تو وہ دیکھ سکتا ہے۔ اس کو مذموم سمجھنا اللہ کی ہدایت کی تحقیر ہے۔ مگر والدین کا جبراً بلا

Marfat.com

پسند شادی کرنے والے کی شادی کر دینا جائز نہ ہوگا۔ نہ یہ جائز ہوگا کہ پسندیدگی کے لئے وہ عیاشانہ صورتیں اختیار کی جائیں جو یورپ کی روش ہے۔ جسے کورٹ شپ کہا جاتا ہے یہ خلاف شرع ہوگا اور حدود اللہ کو توڑ دینے والا، اور عصمت کو داغدار کرنے والا بھی۔ لوہے اور مقناطیس کو پانی میں ڈال دو اور کہو کہ نہ مل کیا یہ ممکن ہے، جب تک بیچ میں پردہ نہ ڈالو۔ یا اقتضائے فطری کو مقناطیس سے نکال نہ لو۔ اگر یہ کہو کہ کورٹ شپ سے ایک دوسرے کی صفات ایک دوسرے کو معلوم ہو جاتی ہیں تو اس منافقانہ اور بناوٹ کی ملاقات سے معلوم ہوتے نہیں، نہ وہ عمر ہی صفات انسانی کی قدردانیوں کی ہوتی ہے۔ اس لئے عملاً اس کا نتیجہ افسوسناک ہی ثابت ہوا۔ علاوہ حرام کاری کے بدنتائج کے طلاق کے مقدمات جتنی تعداد میں اور جتنی فحش بنیادوں پر یورپ میں ہوتے ہیں اس کی مثال اسلامی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یہ چند سطریں رسومات کے دلدادوں کے لئے لکھی گئیں۔

3- جب اللہ کی ذات وصفات تک میں علماء کے اختلافات اور جھگڑے موجود ہیں تو اس کی کوئی آیت ان کے اختلافات سے کس طرح بچ سکتی ہے۔ **مثنیٰ و ثلث و رباع** اس کے معنی بعضوں کے نزدیک ہیں دو دو، تین تین، چار چار، یعنی اٹھارہ نکاح تک جائز۔ بعضوں کے نزدیک مثنیٰ ثلث و رباع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ چار تک کرو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دو دو تین تین چار چار جتنا نکاح کرو کوئی حد ہی نہیں۔ لیکن یہ سب طبع آزمائیاں ہیں۔ **مثنیٰ ثلث و رباع** کی اصطلاح جو عمل متواتر سے بلا اختلاف واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چار نکاح تک اللہ نے جائز کیا ہے اور محاورۂ عرب بھی اسی کا موید ہے۔

4- خدا نے اس کے بعد ہی فرمایا کہ عدل وانصاف نہ کر سکو تو ایک ہی نکاح کرو۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیک وقت چار بیبیاں بشرط عدل جائز ہیں۔ اگر تعداد بڑھاؤ گے **فتذروھا كالمعلقة** کتنی معلق پڑی رہیں گی اور یہ ناجائز ہے۔ اور فساد پیدا کرنے والا۔ تیرہ سو برسوں سے مختلف ممالک کا عمل متواتر اس میں شہادت ہے جس کو میں بیان کروں گا۔

وہ قوت جو تکثیر خلقت انسانی کے لئے اللہ نے فطرتاً انسان میں ودیعت رکھی ہے، اس کو بہ

Marfat.com

حزم واحتیاط عمل میں لانے کے لئے اس نے نکاح کا قانون بنادیا، تاکہ تکثیر خلقت انسانی خطروں سے بچ کر اور فوائد تمدن کو مضبوط کرتے ہوئے عمل میں آئے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اب اگر اس کو کمی وبیشی دونوں طرف سے محدود نہ کرو تو نکاح کا قانون ٹوٹ جائے گا اور مصائب کے دریا امنڈ آئیں گے۔

مثلاً اگر نکاح اُٹھا ہی دو تو شہوت فطریہ، زِنا، جلق، لواطت، کے زہر سے مسموم ہو کر تباہ کن ہو جائے گی اور توالد وتناسل اور پیداوار فطرت کی تخم ریزی ہی بند ہو جائے گی۔ تو ایسا شخص فطرت کا مجرم، قوم وملک کا مجرم اور شجر غیر مثمرہ کی طرح ایندھن ہی کے کام کا ثابت ہوگا، اگرچہ اپنے اور صفات کے سبب سایہ دار بھی ہو۔ یہ زہر بھی یورپ میں پھیلنے لگا ہے۔

یا اگر ایک ہی عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دو جیسا کہ یورپ میں رائج ہے تو اولاً یہ خلافِ فطرت ہے۔ مردم شماری گواہ ہے کہ بہ استثنٰی معدودِے چند مقامات کے تمام دنیا میں عورتیں مرد سے زیادہ پیدا ہوتی ہیں تو اگر ایک ایک کا جوڑا حسب رواج یورپ قائم کرو تو باقی عورتوں کا کیا نظم ہے۔ کیا وہ بدکاریوں میں مبتلا ہوں اور اخلاق کا قانون مجبوراً توڑ بیٹھیں۔ ثانیاً اگر اختلاف مزاج کے سبب، یا بی بی کے بانجھ ہونے کے سبب یا اس کے مبتلائے امراض ہونے کے سبب مرد کے لئے دنیا جہنم ہو تو کیا اس جہنم میں وہ تازیست پڑا جلتا رہے، کیوں اس کے لئے بہشت کا دروازہ نہ کھولا جائے گا۔ اور کیوں وہ طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا کہ بے بس عورت بے پناہ ہو جائے اور وہ ایک کے ہوتے دوسرا نکاح نہ کرسکے۔ ثالثاً حمل کے تین چار مہینہ بعد سے ایام رضاعت تک مرد کا بی بی کے پاس جانا بچہ کے لئے مضر اور علم کے خلاف ہے تو کیا وہ ان مضرات کا نشانہ بنے یا مرتکب بدکاری رہے۔ رابعاً ایام رضاعت تک فطرت کی پیداوار یعنی تکثیر خلقت انسانی کن منافع کی بنیادوں پر روک دی جائے دراں حالیکہ مردم شماری کی ترقی ہزار طرح کے منافع کا آلہ ہے۔ آدمی بڑھنے سے قومی قوت بڑھتی ہے، ضرورتیں بڑھتی ہیں، اور الضرورۃ ام الایجاد۔ اب دوسرے سرے کی طرف خیال کرو۔ یعنی بیک وقت چار بیبیوں سے زیادہ جائز کردو تو نکاح کے فوائد ہی مٹ جائیں گے۔ عورتیں معلق چھوڑ دی جایا کریں گی، یہ ان پر ظلم ہوگا۔ اس سے ان میں

Marfat.com

بغاوت آئے گی ان کے دل خراب ہو جائیں گے۔ پھر تمدن خطرناک ہو جائے گا۔ گھر میں بجائے محبت کی خوشگوار ہوا کے نااتفاقیوں کی سموم چلنے لگیں گی۔ اور گھر جہنم ہو جائے گا۔ کیونکہ ظلم کے پھل کبھی میٹھے نہیں ہوتے۔ اس کی تلخی اور سو طرح کے نقصانات پیدا کرے گی۔ ہاں! یہ سوال ہوسکتا ہے کہ چار ہی کا عدد کیوں اختیار کیا گیا کس اصول پر؟ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ چار بیبیوں کی تعداد لازم نہیں کی گئی، بلکہ بحسب ضرورت چار تک کی تعداد جائز رکھی گئی ہے۔

چار نکاح کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ چار نکاح تک بشرط عدل و انصاف جائز کیا گیا ہے اور عدل و انصاف کی نسبت اس نے فرمایا: **وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ‌ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴿۱۲۹﴾** (النساء:129) ''ہرگز تم اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں انصاف کر سکو، اگرچہ تم اس کی ہوس بھی کرو، تو نہ جھک پڑو پورا جھکنا کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو (وہ ادھر کی رہیں نہ اُدھر کی) اور اگر صلح و پرہیز گاری سے رہو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔'' اگر یہ کہو کہ چار بیبیوں تک بیک وقت نکاح میں رکھنا بشرط عدل جائز ہے اور عدل کو ناممکن کہا گیا تو اس سے جواز کی جگہ حرمت نکلتی ہے۔ تو ایسا نہیں ہے اللہ کا حکم ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ہو تو نہیں سکتا، یہ انصاف کے ناممکن ہونے سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ کہا گیا کہ تم ہرگز عدل کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلاشبہ عدل کا پہاڑ اٹھا لینا رسولوں کو چھوڑ کر عام آدمیوں سے ممکن ہی نہیں۔ دو بیٹوں میں عدل حقیقی نہیں ہوسکتا بیبیوں میں کس طرح ہوسکتا ہے۔ اسی کو اس نے فرمایا **لن تستطیعوا** تم ہرگز عدل کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے جو عدل مطلوب ہے وہ یہ ہے **فلا تمیلوا کل المیل** ایک بیوی کی طرف ایسا نہ جھک پڑو کہ دوسری معلق چھوڑ دو یعنی برتاؤ عادلانہ رکھو۔ اگر صلح و اصلاح سے رہو، اور ظلم و تعدی سے بچتے رہو، **وان تصلحوا و تتقوا** تو دلوں کا دانائے حال دلوں کی بے انصافی کو معاف کر دے گا۔ **فان اللہ کان غفور الرحیما** المختصر چار بیبیوں کا بیک وقت نکاح میں رکھنا بشرط عادلانہ برتاؤ کے اللہ نے جائز کیا ہے۔ اس میں مردوں کی ضرورتوں کا بھی لحاظ کیا گیا، اور عورتوں کے حقوق کا بھی۔

Marfat.com

5- اس آیت میں اللہ نے فرمایا: **فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم** عادلانہ برتاؤ نہ کر سکو تو ایک بی بی جائز ہے، یا مملوکہ تمہاری۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مملوکہ سے مساویانہ برتاؤ نہیں تھا جو اس معاشرتی ماحول کا اثر تھا۔ یہ کھلا کھلا فرق مراتب تھا۔ اسی لئے مملوکہ کے زنا کی سزا بھی نصف مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ (النساء: 25) ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (مومنون: 6,5) "مؤمنین وہ ہیں جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ اپنی بیبیوں یا مملوکہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں جاتے۔"

لونڈی اور غلام

اس آیت میں مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ہے تو یہ تحقیق طلب ہے کہ اس کے معنی کیا ہیں جس کا ترجمہ میں نے مملوکہ کیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے عبد اور امۃ کا لفظ قرآنِ مجید میں موجود ہے جس کے معنی غلام اور لونڈی کے ہیں۔ اس کے سوا جو قرآنِ مجید میں اللہ نے مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فرمایا ہے تو مملوک اور مملوکہ وہ مرد و عورت ہیں جو جنگ میں قیدی بن کر آئیں جو خرید و فروخت کے ذریعے نہیں بلکہ قوت بازو اور جان کی بازی سے حاصل شدہ فتح کا نتیجہ ہیں۔ یہ وہ قیدی ہیں جو احساناً یا فدیہ دے کر نہ چھڑائے گئے ہوں۔ انہی کی گردنوں کا آدمی مالک ہوتا ہے کہ ان کو گرفتار کرتے وقت اسلامی حکومت ان کے جرائم کی سزا میں یا ان کو مار ڈالے، قید کرے، آزاد کرے یا فدیہ کا فائدہ اٹھائے۔

گرفتارانِ جنگ کی نسبت ہدایت ہے۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ (محمد: 4) "تو کافروں سے جب تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب ان میں خوب خون بہا چکو تو مضبوطی سے مقید کر لو اس کے بعد یا احساناً چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔ یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے۔" اس آیت سے مفصلہ ذیل

Marfat.com

باتیں معلوم ہوئیں:

1- کافروں سے بہادرانہ لڑو اور خون کا دریا بھی بہہ جائے تو نامردی مت دکھاؤ۔

2- جب غالب آ ؤ تو ان کو مقید کرلو۔ اللہ اسی قدر فرماتا تو ہمیشہ کے لئے ان کو قید رکھنا اور ان پر قومی خزانہ صرف کرنا پڑتا۔ بہت سے لنگڑوں، بے ہاتھ والوں اور ان نکموں کو ناحق کھلانا پڑتا۔ اس لئے اس نے اختیار دیا کہ۔

3- تا اختتام جنگ ان کو احساناً چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو تم کو اختیار ہے۔ اگر یہ حکم ہو کہ تم کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہے تو احسان نہ ہوا بلکہ حکماً ہوا۔ احساناً کے معنی ہی یہ ہیں کہ تم کو اختیار ہے۔ نکموں کو یوں چھوڑ دے سکتے ہو اور تندرستوں کو فدیہ لے کر یا کچھ عرصہ قید میں رکھ کر چھوڑ سکتے ہو۔

4- اب جو چھڑائے نہ جائیں یا فدیہ کتابت نہ دے سکیں تو جب تک وہ مقید رہیں وہی مملوک اور مملوکہ ہیں۔ ان کی اولاد مملوک یا مملوکہ نہیں ہوسکتی، وہ آزاد پیدا ہوئی اور آزاد ہے۔ **لا تزر وازرة وزر اخری**۔ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ ان کی اولاد پر عائد نہیں ہوسکتا۔ نہ انہیں بیچا جاسکتا ہے نہ خریدا جاسکتا ہے۔

ہاں لونڈی غلام کی رسم عرب میں جاری تھی، اور ان کی بیع و شرا بھی، اللہ نے کسی آیت میں اس کا حکم دیا، نہ اس کو جائز کیا، ہر چند اس نے صاف لفظوں میں منع بھی نہیں کیا، لیکن اشارۃ النص سے ایک طرح کی امتناع پائی جاتی ہے، یعنی احسانا غلام آزاد کرنا موجب ثواب ہے۔ مکاتبت کے ذریعہ سے دونوں قسم کے غلام آزاد کرنے کی ہدایت ہے۔ اکثر خطاؤں اور گناہوں اور لغزشوں کے عوض **فتحریر رقبة مؤمنة و دیة** لونڈی غلام آزاد کرنے کی ہدایت الگ ہے۔ مصارف زکوٰۃ میں اللہ نے **و فی الرقاب** فرمایا ہے، یعنی بیت المال کے مصارف میں سے غلام آزاد کرانا بھی ہے۔ یہ ساری ہدایات آزاد کرانے کی ہیں، اور غلام بنانے کی ایک ہدایت بھی نہیں، کیونکہ دنیا میں مساوات کی تعلیم اسلامی ہی تعلیم ہے، نہ لبرل کی، نہ نیشنلٹ کی، مساوات کی تعلیم یہاں تک ہے کہ دشمن سے جنگ کے قیدی جو نہ چھوڑے گئے نہ چھڑوائے گئے، یعنی مملوک و مملوکہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا کہ وہ خاندان کے اجزا بنالئے گئے اور کھانے پینے سب میں مساوات

Marfat.com

قائم رکھا گیا اس سے کہیں بہتر برتاؤ جو آج یورپ اپنے ہم مذہب یوریشین، اپنے نوکروں اور اپنی رعایا کے ساتھ کر رہا ہے۔

اسلام میں غلامی کا تو کیا ذکر، دشمن قیدیانِ جنگ کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جس کی مثال نہیں۔ نہ ان کے ساتھ بدسلوکی ہوئی، نہ ان کی بے قدری کی گئی، نہ قومی فنڈ پر بار پڑا کہ ٹیکس سے غربا پسیں، ان کو آزادی بھی ملی مگر وہ آزادی نہیں کہ وہ بغاوت، فوج کشی اور دشمنانہ جنگ کو کھڑے ہو سکیں۔ دشمن کا بھی بھلا، اور اپنا بھی، کیا اس سے بہتر کوئی قانونِ عدل و انصاف ہو سکتا ہے۔

یورپ جو برتاؤ آزاد مزدوروں کے ساتھ ظالمانہ اور غلامی کا کر چکا ہے وہ اسلام کے سر تھوپے تو یہ دوسرا ظلم ہے۔ اسلام نے لونڈی غلام بنانے اور نسان کی بیع و شرا کا کہاں حکم دیا ہے، کوئی آیت پیش کرو۔

ازواجِ مطہرات

چونکہ یہ بیان نکاح کا ہے اس لئے بے محل نہ ہوگا اگر میں نکاح کے متعلق ان سب باتوں کو بیان کروں جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں پر حرام کی گئیں کیونکہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں **ازواجہٗ اُمَّھٰتُھُمْ** (الاحزاب) اس لئے حکم ہوا۔ **وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا** (الاحزاب:53) ''یہ جائز نہیں کہ نبی کی بیویوں کے ساتھ نبی کے بعد کبھی بھی نکاح کرو۔ بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔'' جب نبی کی بیویاں داخل محرمات اور مسلمانوں کی مائیں ہیں تو نبی روحانی باپ ہوئے، اس رشتہ سے کل مومن **اخوانکم فی الدین**۔ دینی بھائی ہوئے اور روحانی سید بھی۔ یہ اخوت دینی نہیں مٹنے کی، تو یہ روحانی سیادت بھی نہیں مٹنے کی۔ افسوس کیوں نہ ہو اگر بھائی کو بھائی نہ سمجھے اور ماتم کی جگہ کیوں نہ ہو اگر بیٹا، ماں کو ماں نہ سمجھے۔ نالائق ہے وہ اولاد جو آپس میں لڑ مرے اور ناشدنی اور مردود بارگاہ ہے وہ اولاد جو ماں پر تہمتیں دھرے۔ ایسی اولاد زندہ در گور بہتر۔

Marfat.com

امہات المؤمنین میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا، اس کے متعلق روایات غیر معتبرہ کی بنا پر قصے گھڑے گئے، جس نے اس واقعہ کو مخالفوں کی زبان درازیوں کا نشانہ گاہ بنا دیا ”ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد“ میں اغیار کو کیا کہوں جب اپنوں ہی نے قصے قضیوں کو دین بنا دیا ہے، جن قصوں کے نہ اللہ اور رسولؐ ذمہ دار ہیں، نہ قرآن ذمہ دار، وہ دینی حیثیت سے قابل تسلیم ہی نہیں۔ یہ واقعہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے، تو جو کچھ قرآنِ مجید سے واضح ہوتا ہے اسے میں بیان کر دینا چاہتا ہوں تا کہ حق و باطل الگ الگ ہو جائے۔

خدا فرماتا ہے: وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ (الاحزاب:37-39)

”یاد کرو جب اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی اور تم نے بھی انعام و فضل کیا تھا تم کہنے لگے کہ ”اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو طلاق نہ دو اور اللہ سے ڈرو۔ اور تم اپنے دل میں چھپاتے ہو جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو، تو جب زید طلاق دے چکا تھا تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا۔ تا کہ لے پالکوں کی بی بی سے نکاح کرنے میں بعد اس کے مطلقہ ہونے کے مسلمانوں کو کوئی دقت نہ رہے (کیونکہ منہ بولا بیٹا بیٹا نہیں ہو جاتا) اور اللہ کا حکم تو ہونا ہی ہے اللہ نے جو نبی کے لئے فرض کر دیا اس میں نبی کو کوئی مضائقہ نہ ہوا۔ یہ تو سنت اللہ ہے جو اگلے نبیوں میں جاری رہی۔ (یعنی جو اللہ نے فرض کر دیا اس کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہ ہوا) اللہ کا حکم تو اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے۔ ایسے نبی جو تبلیغ رسالت

Marfat.com

کرتے ہیں۔ اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔“

بات کھلی کھلی صاف صاف ہے۔ انگلی رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر روایتوں اور طبع آزمائیوں نے اس میں شاخسانے کھڑے کیے اور اس واقعہ کو افسانۂ محبت بنا دیا، تو مخالفین لگے زبان درازیاں کرنے اور سخت وست کا انبار لگانے اور واقعہ اتنا ہے کہ حضرت زیدؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے نیک سلوک ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ نے حضرت زینب کو ان سے بیاہ ہی دیا تھا۔ مزاج نے موافقت نہ کی، دونوں میں کھٹ پٹ ہوئی، ایسے حال کے لئے اللہ کا فرمان تھا: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ (النساء:35) ”اگر زن وشو کے درمیان کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر اور ایک پنچ بی بی کے کنبہ سے مقرر کرو۔ اگر یہ دونوں صلح و اصلاح چاہیں گے تو اللہ دونوں میں موافقت کرا دے گا۔“ اور اس ثالثی سے حضرت زید ڈرتے تھے کہ یا تو لوگ ملامت کریں گے کہ خاندان نبوت کے ساتھ بے قرینگی کی۔ یا پنچ بچاؤ کر دیں گے اور اختلاف مزاج حالت اصلاح پذیر ہونے نہ دے گا۔ اس لئے طلاق کی ٹھان چکے تھے اور زن وشو کی اس رنجش کو ملامت کے ڈر سے چھپاتے تھے، اس لئے وہ آئے تھے نبی سے استمزاج لینے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو، طلاق نہ دو، اللہ سے ڈرو، تم اپنے دل میں ملامت کے ڈر سے رنجشوں کو چھپاتے ہو، اور ثالثی کی خواہش نہیں کرتے، تو اگر یہ رنجش بڑھتی رہی تو ایک دن ظاہر ہو جائے گی، اللہ ظاہر ہی کر دے گا تو لوگوں سے نہ ڈرو اللہ سے ڈرو، اس کا وہی مستحق ہے اور قصے قضیے طے کر دو، میل و موافقت سے رہو، اور طلاق نہ دو۔ جب اختلافات نہ مٹے، اور حضرت زید طلاق دے چکے تو قصہ قوم میں آ گیا اور اللہ نے ظاہر ہی کر دیا۔ تو یہ موقعہ تھا کہ لے پالکوں کی بی بی سے نکاح کا جواز جو اسلام ازلی کا منشا تھا، اور قوم کے ہاتھوں تباہ ہو گیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے۔ اس لئے اللہ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کر دیا۔ لوگ پابند رسوم تھے اور لے پالک کی بی بی کو بیٹے ہی کی بی بی سمجھتے

Marfat.com

تھے اور اس سے نکاح کرنا مذموم وحرام حالانکہ منہ بولا بیٹا نہیں ہو جاتا نہ اس کی بی بی بہو۔ یہ اسی درجہ مذموم سمجھا جاتا جس طرح آج کوئی چچی سے نکاح کرے تو وہ ماں کے ساتھ نکاح کرنا سمجھا جاتا ہے اور رسماً محرمات میں چچی کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یقیناً ایسی سخت مذموم رسم ٹوٹ نہیں سکتی تھی جب تک اس کے لئے خود آپ کی ذات مجتمع صفات کھڑی نہ ہوتی۔ اس لئے اللہ نے آپ کو اس نکاح کا حکم دیا کہ حضرت زینب سے نکاح کرلو، تاکہ مؤمنین منہ بولے بیٹے کی زن مطلقہ سے نکاح کرنے میں مضائقہ نہ سمجھیں۔ آپ نے تعمیل کی۔ لوگوں نے نمک مرچ ملایا کہ نکاح عرش پر ہوا، اس دنیا میں نہ ہوا۔ مگر اس دنیا میں عرش کا نکاح معتبر نہیں، اس دنیا کا نکاح معتبر ہے جس میں شاہدین عادلین کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض **ما کان علی النبی من حرج فی ما فرض اللہ لہ** نہ نبی کو کچھ تامل ہوا نہ ماسوٰی اللہ کا ڈر۔ کیونکہ یہ تو **سنتہ اللہ** ہے کہ رسولوں کو ماسوی اللہ کا ڈر ہوتا ہی نہیں اس کی شہادت خود اللہ نے دی۔ جب تو وہ لوگوں کی رسم تو رسم ان کے دین و مذہب کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید اسی مختصر سے قصہ کا[1] ذمہ دار ہے۔ اس قصہ میں لے پالک کی مطلقہ بی بی سے جواز نکاح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت علی الخلق احیائے دین کے لئے رسوم کا توڑنا، اور اس توڑنے میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا۔ ان باتوں کی تعلیم و تربیت کے سوا اور کیا پایا جاتا ہے۔

مگر لوگوں نے اولاً تو یہ ظلم کیا کہ اپنی طرف سے آیت کو دولخت کیا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے فرمار ہے ہیں۔ **امسک علیک زوجک** (اور) **واتق اللہ** (اور) **وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ** (اور) **وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ**۔ یہ سب حضرت زید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ مگر بے وجہ اور بے دلیل سادہ لوحوں نے کلام کو دولخت کر دیا اور بیچ میں **وتخفی فی نفسک** سے قول اللہ مخاطب بہ رسول فرض کرلیا اور اس فرض کر لینے سے یہ اتہام رسول پر ڈھالا کہ آپ دل میں کچھ اور مخفی رکھتے تھے اور حضرت زید

---

1. صحیح مسلم میں روایت موجود ہیں: کہ سیدہ زینب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نکاح کیا تھا۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

سے کچھ اور فرمارہے تھے اور یہ اندرونی محبت کے کرشمے تھے۔ دوسرے آپ اللہ سے ڈرنے کے بجائے جو رسولوں کی لازمی شان ہوتی ہے لوگوں سے ڈرتے تھے۔ **نعوذ باللہ**۔ اے اللہ تیری پناہ۔ نبی کی شان سے یہ دونوں باتیں بعید ہیں۔ نہ نبی کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے، نہ ماسوی اللہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ ان کی شان کو اسی آیت میں اللہ نے فرما دیا ہے۔ مگر یہ آفت ڈھائی گئی آیت کو دولخت کرنے اور اپنے مافی الضمیر کی مراد لینے کی عادت سے۔ پھر جب اپنوں کا یہ حال ہو تو معترض کیوں نہ اعتراض کی تلوار اٹھائے اس اعتراض کے جواب میں کتابیں لکھی گئیں، مگر نہ قرآن پیش کیا گیا نہ قرآن سے یہ محذوف مانا ہوا جملہ کاٹا گیا، جس سے قرآن میں اصلاح دی گئی ہے۔ روایتوں کی رنگ آمیزیوں اور شہرت پائے ہوئے علماء کی گل کاریوں نے یہ آفت اٹھائی ہے تو ان کے غلغلوں سے نہ ڈرو اور حق کا اعلان کرو۔ **اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ** ایسے برگزیدہ رسول۔ خاتم انبیاء، مجسم خلق و حیا، متصف بصفات کمال کی ثناء و صفت ہے جو اس طور پر کی جاتی ہے، جس کو بیان کرتے ہوئے تہذیب ایمان منہ بند کرتے ہیں۔ ایسی روایتیں جن کو سن کر رعب نبوت سے دل کانپ کانپ اٹھتا ہے اور جن کے دوہرانے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ جن روایتوں کی بدولت امہات المومنین کی شان میں بے دینوں نے گستاخیاں کی ہیں جن روایتوں کی بدولت نبی کی قوت رجولیت کا درجہ قائم کیا گیا ہے۔ سچ ہے اے خدا! تو بڑا رحیم ہے۔

اگر کوئی کسی کے والدین کی شان میں کہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کو ساٹھ مردوں کی شہوت تھی۔ یا فلاں رات آپ کی ماں کی شب زفاف تھی۔ یا آپ کے والد تقدس مآب کو بازاروں میں غیر عورتوں کو دیکھ کر جب شہوت ہوتی تو وہ آپ کی عفت مآب ماں پر اتارتے تھے۔ یا آپ کے والدین گال پر گال رکھ کر کھیلتے تھے اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ آپ گھر کی روش سے آگاہ ہوں اور ان باتوں کو اپنا دستور العمل بنائیں۔ یا آپ کے والد نے فلاں عورت کو نہاتے ہوئے دیکھ پایا، اور فریفتہ ہو گئے۔ دل میں قصد کیا کہ یہ مطلقہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح کریں۔ اتفاق شوہر طلاق دینے کو ہوا تو آپ کے والد اسے طلاق سے منع کرتے تھے اور دل میں تھا کہ یہ طلاق دے دے تو جھٹ نکاح کر لیں تو ایسے حال میں کہ تم کو اپنے والدین کی تقدس مآبی پر ایمان ہو، تم اسے

Marfat.com

جھوٹا کہو گے یا سچا۔ اسے دوست سمجھو گے یا دشمن، ایسے بدزبان اور بدتہذیب کی تم عزت کرو گے یا گھر سے نکال دو گے۔ خلعت دو گے یا قدرت ہونے پر سزا۔ اقران میں ان باتوں کی تحقیقات کرتے پھرو گے یا اس کو بے ہودہ سمجھو گے۔ پھر کونسا انصاف ہوا اور کون سی غیرت ہوئی کہ جو کچھ اپنے والدین کے ساتھ روا نہ رکھو، وہ اپنے روحانی والدین کی شان میں فخریہ اور عالمانہ بیان کرو اور ایسے بیانات کو داخل دین سمجھو اور ان سے مسائل مستخرج کرو اور اس کا خلق اللہ کو حکم دو اور دعویٰ کرو کہ یہ فاحکم بینهم بما انزل الله اور فاستمسك بالذى اوحى اليك کی تعمیل ہے۔

ایسی ایسی روایتیں موجود ہیں، اور نبی کی امت اور خاندان سیادت بھی ایسی روایتوں کو حدیث کہنے لگ گئے ہیں، ان کی غیرت بھی کھوئی گئی ہے اور اسی نے موقعہ دیا اغیار کو زبان درازیوں کا۔

اس بیان سے میری غرض صرف اس قدر ہے کہ زن وشو کے متعلق اور ان کی طرزِ معاشرت کے متعلق جو روایتیں قرآنِ مجید کے خلاف، یا قرآنِ مجید سے فاضل، یا غیر مہذب، یا پوشیدہ معاملات بی بی کی زبانی بیان ہوں، وہ سب دشمنوں یا سادہ لوح دوستوں کی گھڑی ہوئی یا اڑائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس معاملہ میں بھی قرآنِ مجید کو ہی نصب العین رکھو اور اس پر ایمان لاؤ کہ نبی ہمہ تن قرآنِ مجید تھے، آپ کے کل اعمال قرآنِ مجید کی تعمیل کامل تھے۔ عاشر وھن بالمعروف کی وسعت ایک گونہ غیر محدود احاطہ گھیرے ہوئے ہے۔ اس لئے فاضل باتیں فضول ہیں۔

اے لوگو! سوچو اور سمجھو۔ جس طرح کل عیش وآرام اور کل دنیاوی چیزوں سے تمتع کا دائرہ آپ پر تنگ تھا کہ نہ سونے کو آرام کا بستر، نہ کھانے کو پیٹ بھر روٹی۔ ادھر پے دَر پے فاقے اور اُدھر دشمن کی فوج خون کی پیاسی، سامانِ جنگ ندارد، خزانہ خالی، مؤمنین تنگ حال کا بوجھ سر پر، منافقین مار آستین اور مشرکین واہل کتاب دشمن در بغل یہ دنیا بھی عجیب تماشۂ قدرت ہے۔ محبوب رب العالمین اور اتنے جنجال اس پر صبر اور شکر مطلوب، اس پر نہ کبھی آہ دل سے نکلی، نہ کبھی فغاں لب پر آئی، نہ گلہ، نہ شکوہ، ہمیشہ خوش دل، ہمیشہ خوش حال، اے اللہ میری ناشدنی جان بھی تو اس قابل نہیں کہ ایسے رسول پر فدا ہو۔

Marfat.com

اسی طرح نکاح کے معاملہ کو خیال کرو۔ آپ نے دنیا کی چیزوں سے کیا دلچسپی لی۔ قوم تو سینکڑوں بیبیاں کرتی رہی، اور آپ نے شباب میں نکاح بھی کیا تو ایک بیوہ عورت سے۔ جب سن اترا اور رسالت کی خدمت سپرد ہوئی تو ضرورتوں نے کئی شادیوں پر مجبور کیا جو بیان کیا جائے گا۔

ذرا اس کو بھی تو خیال کرو کہ سارے مسلمانوں کو اللہ نے محرمات کی فہرست دی کہ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ الخ (النساء:23) اتنی عورتیں تم پر حرام کی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے حلال عورتوں کی فہرست دی کہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَكَ اَزۡوَاجَكَ الّٰتِىۡۤ اٰتَيۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ الخ (الاحزاب:50) اے نبیؐ! تم پر مفصلہ ذیل بیبیاں حلال کی گئیں۔ وہ جن کا مہر تم دے چکے ہو۔

ماں باپ کے بھائی بہن کی بیٹیاں جو مہاجرات سے ہوں اور وہ عورت جو اپنے کو ہبہ کر دے بشرطیکہ تمہاری بھی رضا ہو۔ مسلمانوں کو محرمات کی فہرست دے کر دنیا جہاں کی عورتیں اللہ نے حلال کر دیں کہ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ (النساء:24) اور آنحضرت کی نسبت دائرہ تنگ کر دیا گیا کہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ (الاحزاب:52) "اب سے آپ کے لئے عورت حلال نہیں۔" مسلمان بیک وقت چار بیویوں کے مجاز کیے گئے اور نبی کے لئے آئندہ نکاح ہی ناجائز ہوا۔ ذرا تنگی دائرہ کو دیکھتے جاؤ۔ اگر آنحضرت کی بیبیاں انتقال فرما جائیں تو آپ کو مجردانہ زندگی بسر کرنی ہوتی اور مسلمانوں کی بیبیاں مرتی رہیں ان کی راہ بند نہیں۔ ایسے احکام سے کھلا کھلا آپ کی بے نفسی اور تزکیہ نفسی کا اظہار ہے نہ نفس پرستی کا۔ مگر بدبین کی نگاہوں پر پتھر پڑ گئے، وہ سمجھتے ہی نہیں۔ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۚ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۚ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰۤـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ (الاعراف:179)

قرآنِ مجید میں اللہ نے کہیں نہیں فرمایا کہ نبی کے لئے نو بیبیاں جائز۔ ہاں جب اشاعت اسلام کا بوجھ سر پر پڑا تو آپ کو نوبت جان بازی کی پہنچی، جان پر بھی کھیلے۔ مسلمان بھی جان باز ثابت ہوئے، مال و اولاد بلکہ اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ ایسوں کی بیبیاں بے کس ہو گئیں، بے بس ہو گئیں، جس کا کوئی پرسان حال نہ رہا، ان کا بوجھ اٹھانے والے بے پناہوں کو پناہ دینے

Marfat.com

والا رسول کے سوا اور کون ہوسکتا تھا، مسلمانوں کی تو دنیا تنگ ہو رہی تھی، آپ نے ان کو امہات المؤمنین بنا کر دنیا و دین میں ان کی عزت افزائی فرمائی۔ اسی لئے ایک کے سوا آپ نے سب شادیاں مطلقہ سے کیں۔ یہ شادیاں مجبوریوں سے ہوئیں اور رحم دلی سے کہ شوہر کی جگہ ان کو شوہر ملا جو اللہ کا رسول ہے اور اولاد کی جگہ ان کو سارے مسلمان ملے اور ایسی شادیوں کی بھی ضرورت پڑی جس سے مسلمانوں کو اور اسلام کو تقویت پہنچے اور تقویت پہنچی بھی، جب نو بیبیاں ہوگئیں، اور اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہوا، مسلمانوں کا حال بھی درست ہوا تو آئندہ نکاح کرنا ہی ممنوع ہوا۔

عورت کا اپنے کو ہبہ کر دینا ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول کو مزید رخصت دی گئی تھی، حالانکہ یہ دشواریوں کا پہاڑ ڈالا گیا تھا جس کو اٹھالینا قوت نبوت ہی کا کام تھا، کیونکہ اوائل اسلام میں جس وقت مصیبتوں کی گھٹائیں چھارہی تھیں، ایسی عورتیں ہوسکتی تھیں اور ہوتی تھیں جن کے بیٹے، جن کے شوہر جہاد میں شریک ہوئے اور سب کے سب شہید ہوئے۔ جنہوں نے اپنے سب کو ہی قربان کر دیا، ان کے پاس اب اپنی ذات کے سوا رہا کیا تھا۔ ان کے لئے اب چارہ کار سوائے اس کے کیا ہوسکتا تھا کہ وہ اپنی ذات ہی کو رسول کے حوالہ کر دیں، انہوں نے اپنے ہی کو ہبہ اور قربان کیا ایسی عورتوں کو اگر آپ دوسروں کے حوالہ فرماتے تو اس وقت وہ تنگی کا زمانہ تھا کہ مسلمانوں پر اپنا ہی پیٹ پالنا مشکل تھا، بی بی کا نفقہ چلنا تو مشکل تر تھا۔ ایسی عورتوں کے ساتھ کونسا سلوک ان کے زخم دل کا اندمال کرسکتا تھا۔ بجز اس کے کہ ان کو بی بی اور مسلمانوں کی ماں بنا کر دونوں جہان میں ان کی عزت افزائی کی جائے، جو اللہ نے **ان وهبت نفسها للنبی** فرما کر ان کی عزت بڑھائی اور ان کی قدر و منزلت کی۔ اسی لئے ہبہ کی حالت میں رسول کی رضا کی قید لگائی گئی کہ **ان اراد النبی ان یستنکحها** تاکہ نفقہ کا بوجھ ناقابل برداشت نہ ہو جائے۔ اب سوچو کہ یہ مزید رخصت ہے یا سر پر بوجھ ڈالا گیا ہے۔ نفس پرستی کی تو کہیں پر باس تک نہیں آتی۔

قانونِ فطرت کے مطابق نکاح کی ہدایت اللہ نے فرمادی، جذباتِ فطریہ کے مطابق اور ان کو بے راہ روی سے روکنے کے قوانین بھی اس نے دے دیے۔ مگر جس طرح انسان صورت میں نیرنگ ہے، سیرت میں بھی نیرنگ ہے۔ آنکھ ناک سب کو ہیں، مگر صورت مختلف۔ حواس و عقل سب

Marfat.com

کو ہیں، مگر سیرت مختلف۔ پھر اگر یہ ظاہری اور باطنی اختلافات زن وشو میں ہمدردی واتفاق، یک رنگی وہم رنگی نہ پیدا کرے، اور رگڑے جھگڑے ڈال کر تمدن کے لہلہاتے ہوئے چمن کا ناس کر ڈالے، تو کیا وہ گھرانہ تباہی کے حال میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہنم میں پڑا جلا کرے۔ تو اللہ نے اس کی راہیں بھی کھول دی ہیں، اور طلاق و خلع کے متعلق احکام وہدایات دے کر عورت و مرد دونوں کے لئے راہ نجات نکال دی ہے۔

فأمنوا بالله ورسوله والنور الذی انزلنا۔

لا اله الا الله... محمد رسول الله... والقران کلام الله

طلاق و خلع وایلا وظہار

طلاقؔ کے متعلق مفصل احکام قرآنِ مجید میں ہیں تو جتنا کچھ ہے وہی دین اللہ ہے۔ مسئلہ طلاق بھی ایک قدیمی مسئلہ ہے۔ چونکہ یہ دینی اور اسلامی ہے، اس لئے طلاق کی اصطلاح بھی کوئی نئی اصطلاح نہیں۔ موجودہ توریت میں بھی طلاق کی نسبت حکم وہدایت موجود ہے چونکہ صلوٰۃ کی طرح یہ بھی محرف ہوگیا، اس لئے اللہ نے اس کا فیصلہ کر دیا اور چونکہ بعد میں بھی اس مسئلہ کے متعلق خفیف سا اختلاف پیدا ہوگیا ہے، اس لئے مجھے قرآنِ مجید سے اس کا فیصلہ دکھا دینا چاہیے۔

طلاق کوئی محمود چیز نہیں بلکہ یہ مجبوری کی چیز ہے کہ بیوی سے نبتی ہی نہیں اور دنیا جہنم ہو رہی ہے، ایسی حالت میں طلاق سے راہِ نجات نکالی جا سکتی ہے۔ اسی لئے اس حکم طلاق میں اللہ نے فرمایا ہے وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ (طلاق:2) ''جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے تو اللہ اس کے لئے راہِ نجات پیدا ہی کر دیتا ہے۔''

سورۃ طلاق کا پہلا رکوع پڑھ جاؤ۔ بلحاظ طوالت ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ''اے نبی (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کی عدت

Marfat.com

کے شروع میں طلاق دو اور عدت شمار کرتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے۔ ان کو طلاق کے بعد گھروں سے نہ نکالو، یہ خود بھی نہ نکلیں۔ مگر یہ کہ وہ کوئی صریح بے حیائی کا کام کر بیٹھیں۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، جو حدود اللہ سے تجاوز کرے تو بے شک اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تم نہیں جانتے شاید طلاق کے بعد کوئی بات اللہ پیدا کر دے۔ جب عورتیں اپنی عدت کو پہنچیں تو یا تو ان کو خوبی کے ساتھ رکھ لو (یعنی رجوع کرلو) یا ان کو خوبی کے ساتھ جدا ہی کر دو اور دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو (جیسے انعقاد نکاح کے وقت گواہ کی ضرورت ہے ویسی ہی عقد توڑنے کے وقت بھی) اور گواہی اللہ کے لئے قائم کرو، یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ و آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا تو اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اس کو وہ وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اس کا کام پورا کرنے والا ہے اور اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ اور تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئیں اگر تم کو اس کا شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور ان کی عدت بھی جن کو حیض کی نوبت نہیں آئی اور جن کو حمل ہو ان کی عدت وضع حمل ہے اور اللہ سے جو ڈرتا رہتا ہے تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اللہ اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اس کو اجر عظیم دے گا۔ مطلقہ عورتوں کو رہنے کے لئے گھر دو، جہاں تم خود رہو، اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ایذا نہ دو کہ لگو تم ان پر تنگی کرنے۔ اگر وہ حاملہ ہوں تو تا وضع حمل ان کا خرچ اٹھاتے رہو۔ پھر اگر وہ تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور آپس کی صلاح سے دستور کے موافق اجرت منقح کرلو اور اگر آپس میں ضد کرو تو اور کوئی عورت بچہ کو دودھ پلائے۔ چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے موافق خرچ کرے اور جو تنگ روزی ہو وہ اسی کے مطابق جو اللہ نے اسے دے رکھا ہے۔ اللہ کسی کو اس سے زیادہ جو اس نے اس کو دے رکھا ہے، تکلیف نہیں دیتا۔ عنقریب اللہ تنگ دستی کے بعد فراخ حالی پیدا کر دے گا۔" (طلاق: 7) ذرا خلاق فطرت کے اسرار کو خیال کرو، اس نے فرمایا کہ "شروع عدت میں طلاق دو" یہ کیوں؟ اسی لئے کہ حیض کے بعد

Marfat.com

ہیجان کا وقت ہوتا ہے اس وقت عورت راضی کر لے گی۔ اس لیے فرمایا ''متعلقہ عورتوں کو رہنے کے لئے گھر دو، اور گھر سے نہ تم نکالو نہ وہ خود نکلیں'' یہ کیوں؟ اس لئے جیسا کہ اس نے فرمایا: لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔ تم کیا جانو شاید اس کے بعد اللہ کوئی بات کر دے۔ یعنی ان کا گھر میں رہنا دونوں کے پہلے ربط وضبط کا پھر محرک ہو اور کھونے کے بعد چیز کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس لئے رجوع کرنے کے مواقعات حاصل رہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح نکاح کے وقت شاہدین عادلین ضروری ہیں اسی طرح طلاق کے وقت بھی شاہدین عادلین ضروری ہیں۔ واشھدوا ذوی عدل منکم۔ ان ہدایات سے اللہ کی مرضی صاف صاف کھلی ہوئی ہے کہ طلاق ایک مجبوری کی چیز ہے، گھروندا بنانے کی نہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ (بقرہ: 228) ''مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض روکے رہیں اور ان کو اپنا حمل چھپانا جائز نہیں اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور اس مدت میں ان کے شوہر زیادہ حق دار ہیں کہ رجوع کر لیں اگر اصلاح کی نیت ہو۔ مردوں پر عورتوں کا حق ویسا ہی ہے جیسا عورتوں پر مردوں کا حق ہے۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے اور اللہ عزیز وحکیم ہے۔''

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ: 231) ''جب عورتوں کو تم نے طلاق دے دی اور ان کی عدت پوری ہوگئی تو یا رجوع کر لو یا خوبی کے ساتھ ان کو رخصت ہی کر دو۔ ان کو ستانے کے لئے روک نہ رکھو کہ لگو ان پر زیادتیاں کرنے۔''

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ..... (البقرہ: 232) ''جب تم اپنی بیویوں کو

Marfat.com

طلاق دے دو، اور عدت پوری ہو جائے تو انہیں اس بات سے روکو نہیں کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں۔''

سورہ بقرہ کی ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کے اندر مرد طلاق سے رجوع کر لے تو وہ اس کا حقدار ہے، اگر نیت بخیر ہو، بعد عدت ان کو روکے نہیں، یا رجوع کر لے، یا رخصت ہی کر دے۔ یعنی بعد عدت رجوع کرنا عورت کی رضا سے ہوگا اگر وہ جانا ہی چاہے تو روک نہیں سکتے۔ تیسری آیت سے واضح کر دیا کہ بعد عدت اگر وہ کسی سے نکاح کرنا چاہے تو روک نہیں سکتے۔ عدت میں اور بعد عدت رجوع کرنے کا فرق ظاہر ہو گیا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔

(البقرہ: 229-230) ''طلاق دو ہی مرتبہ ہے، تو یا بھلائی کے ساتھ رجوع کر لو، یا بسلوک رخصت کر دو۔ اور تم کو یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس وقت کہ دونوں خائف ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اگر تم کو ان کا خوف ہو تو اس صورت میں کچھ مضائقہ نہیں کہ عورت کچھ بدلا دے دے۔ یہ حدود اللہ ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو جو تجاوز کرے گا وہ ظالم ہے۔ پھر اگر اس نے طلاق دے دی یعنی تیسری مرتبہ تو اب وہ عورت حلال نہ ہو گی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ پھر اگر اس دوسرے شوہر نے طلاق دے دی تو اس میں اب کوئی مضائقہ نہیں کہ پہلا شوہر رجوع کر لے، اگر دونوں یہ گمان کرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں جن کو وہ سمجھدار کے لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔''

Marfat.com

طلاق دومرتبہ ہے کہ اس میں رجوع کرسکتا ہے۔ ایک مرتبہ طلاق دی پھر رجوع کرلیا، پھر نوبت طلاق کی پہنچی، پھر رجوع کرلیا، تو یہ کرسکتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ اس نے طلاق دی، تو اب وہ رجوع نہیں کرسکتا، جب تک وہ دوسرے مرد کی مطلقہ نہ ہولے۔ یہی قرین انصاف ہے جو تین دفعہ طلاق دے چکا وہ اعتماد کے قابل نہ رہا کہ رجوع کرے گا تو بحسن سلوک نباہ بھی لے گا۔ اس سے اس کی بندش مقصود ہے کہ بیک وقت چار بیویاں جائز ہیں۔ اب اگر کوئی آٹھ بیویاں کرے اور پھر بدل کر چار کو ہمیشہ مطلقہ رکھے تو یہ عورتوں پر صریح ظلم ہے۔ اس لئے اللہ نے اس کی بندش کردی کہ تیسری طلاق کے بعد مرد رجوع ہی نہیں کرسکتا۔

مرتٰن کے معنی دومرتبہ طلاق کے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک دفعہ طَلَّقتُ کہو تو ایک طلاق، دو دفعہ کہو تو دو، اور تین دفعہ کہو تو تین ہو جائے گی۔ یا ایک جلسہ میں طَلَّقتُ کہو تو ایک طلاق، دو جلسوں میں کہو تو دو اور تین جلسوں میں کہو تو تین طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی کہے کہ ہم تین طلاق دیتے ہیں یا پچاس طلاق دیتے ہیں تو طلاق ایک ہی مرتبہ ہوگی۔ رجوع کرلے اور پھر طلاق دے تو دومرتبہ طلاق ہوئی پھر رجوع کیا اور پھر طلاق دی تو یہ تیسری مرتبہ ہوئی۔ نہ طلاق کے واسطے اللہ نے الفاظ ہی مقرر کردیے ہیں۔ نہ اس کے عربی، فارسی اُردو کی کوئی قید ہے۔ کسی زبان میں طلاق دی جائے مگر نیت طلاق کی ہو اور وہ نیت کسی لفظ سے ظاہر ہو تو طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح رجوع کرتے وقت نیت اصلاح کی ہونا ضروری ہے، یہ نہیں کہ طلاق دیتے رہو، اور رجوع کرتے رہو اور یوں عورتوں پر ظلم کرتے رہو کہ وہ مردوں سے محروم کردی جائیں۔ نہ یہ کہ آٹھ بیویاں کرو کہ پھیر بدل کر چار تو بیویاں رہیں اور چار مطلقہ۔ اسی لئے اللہ نے رجوع کرنے میں اصلاح کی قید بھی لگائی کہ نیت اصلاح کی ہو۔ اسی لئے اس نے تیسری مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کرنا ممنوع کردیا۔ جب تک بغیر کوشش وہ دوسرے کی مطلقہ نہ ہولے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِيۡضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوۡهُنَّ ۚ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞ وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ

Marfat.com

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ: 236-237) ''بے ہاتھ لگائے اور مہر مقرر کیے ہوئے تم عورتوں کو طلاق دو تو کوئی گناہ نہیں، لیکن ان کو کچھ خرچ دے دو۔ تونگر کو تونگر کی طرح اور غریب کو غریب کی طرح دستور کے ساتھ کچھ خرچ دینا چاہیے نیکی کرنے والوں پر یہ حق ہے۔ اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم نے ایسی عورتوں کو طلاق دی جن کا مہر مقرر کر چکے ہو تو اس کا نصف دینا ہوگا۔ سوا اس صورت کے کہ وہ عورتیں یا جن کے ہاتھ میں عقد نکاح تھا معاف کر دیں اور اگر تم پورا دے ڈالو تو یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ ایک دوسرے پر احسان کرنا بھول نہ جاؤ تمہارے اعمال کو اللہ ضرور دیکھتا ہے۔''

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب: 49) ''مومنو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر ان کو قبل چھونے کے طلاق دو، تو تمہارا ان عورتوں پر یہ حق نہیں ہے کہ تم ان سے عدت کی گنتی پوری کراؤ تو ان کو کچھ دے دو اور خوش اسلوبی سے رخصت کر دو۔'' طلاق کے متعلق اور احکام و ہدایات بھی قرآنِ مجید میں ہوں گے تو قرآنِ مجید ہی موجود ہے اور وہ احکام و ہدایات ربانی کے لئے بہت کافی اور مفصل ہے۔ اتنی تفصیل پر بھی جو بیان کی گئی قرآن مجید کو مجمل کہنا ظلم ہے۔ بس جو کچھ اللہ نے فرمایا یہی دین اللہ ہے۔ اور فاحکم بینهم بما انزل الله۔

خلع

وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

Marfat.com

(البقرہ: 229)''تم جو عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے تم کو کچھ بھی واپس لینا جائز نہیں، مگر یہ کہ زن وشو کو اس کا خوف ہو کہ اللہ نے زن وشو کے حقوق وسلوک کی جو حدیں ٹھہرا دی ہیں ان پر قائم نہ رہ سکیں گے، تو اس صورت میں عورت اپنا پیچھا چھڑانے کے عوض کچھ دے دے تو اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ حدود اللہ ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو۔ جو حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔'' خلع بیوی کا شوہر کو کچھ دے کر شوہر سے طلاق لینا ہے۔ اللہ نے مردوں کے لئے یہ راہ کھول دی تھی کہ اگر مرد کے لئے بی بی کے سبب سے اس کی دنیا جہنم ہو جائے تو وہ طلاق سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مرد کے سبب سے عورت کی دنیا جہنم ہو جائے تو خدا نے عورت کے لئے بھی یہ راہ کھول دی ہے کہ وہ کچھ مال دے کر خلع سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ اللہ تو سب کا ہی اللہ ہے جیسا مرد کا ویسا ہی عورت کا۔

خلاق فطرت کی نگہداشت فطرت کو دیکھو کہ چونکہ عورتیں فطرتی کمزوریوں کے سبب مغلوب الغیظ ہوتی ہیں نازک مزاج اور زود رنج ہوتی ہیں۔ کینہ رکھنے والی اور مال کی حریص ہوتی ہیں چونکہ حاصل کرنا نہیں بلکہ لینا ہی جانتی ہیں اس لئے خلع میں عورت کو کچھ مال گانٹھ سے نکالنا پڑتا ہے۔ اگر مرد خلع پر راضی نہ ہو، وہ مال کی مناسب مقدار قبول نہ کرے، اگر امام یا اسلامی قاضی نہ ہو تو یہ مقدمہ ازروے دفعہ قانون الٰہی **و ان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها الخ** کی ثالثی میں جائے گا۔ ایک آدمی مرد کے کنبہ کا اور ایک عورت کے کنبہ کا مل کر فیصلہ کر دیں گے۔ یا تو دونوں میں صلح کرا دیں گے یا خلع کرا دیں گے۔

ایلا

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ (البقرہ: 226)''جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں، ان کو چار مہینے کی مہلت ہے، اس مدت میں اگر رجوع کر لیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ (یہ غلطی معاف کر دے گا) اور اگر طلاق ہی کی ٹھان لیں تو اللہ سمیع وعلیم ہے (ان کا طلاق دینا بھی منظور۔ اللہ نے سن

Marfat.com

لیا)۔" بس ایلا اسی قدر ہے اس کو سوالات سے ایک کتاب بنانے کی ضرورت نہیں۔

ظہار

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ (الاحزاب: 4) "نہ اللہ نے تمہاری بیبیوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں بنایا اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے۔ یہ تمہاری منہ بولی باتیں ہیں۔ اللہ تو حق بات فرماتا ہے اور لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

یہ پورا رکوع دیکھ لو قرآنِ مجید موجود ہے۔ یہاں پر نقل کرنا ناحق کی طوالت ہے۔ ظہار کی اصطلاح عمل متواتر اور تاریخ مذہبی سے یہ پائی جاتی ہے کہ لوگوں میں یہ رسم تھی کہ وہ غصہ میں بیوی کو کہتے کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی جگہ ہے، یا کسی عضو کو کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دیتے، یعنی تو میری ماں کی جگہ ہے اور اس کو طلاق سمجھتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ طلاق نہیں، کسی کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں ہو جاتی نہ کسی کو بیٹا کہنے سے وہ بیٹا ہو جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح منہ بولے بیٹے کی بی بی داخل محرمات نہیں ہوتی، اسی طرح ماں کہنے سے بی بی ماں ہو کر حرام نہیں ہو جائے گی۔ ہاں ایسا کہنا ماں کے ساتھ بے ادبی اور خلافِ تہذیب ضرور ہے، مستوجب سزا، تو اس کے بعد کی آیت میں اللہ نے فرمادیا کہ ایسا کہنے والا قبل بی بی کے پاس جائے ایک بردہ آزاد کرے۔ یہ نہ ہو سکے تو لگاتار دو مہینے روزے رکھے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حدود اللہ ہیں تو ان کو نہ توڑو۔ خلافِ تہذیب باتوں کی سزا دیکھ لو اور سالا بہنوئی کی تفریح اور گالی گلوچ سے احتیاط کرو۔ یہ خلافِ تہذیب ہے، غیر مذہبوں کی رسم۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب چہارم

فوجداری احکام

قتل کے قصاص کی آیات اور حرابہ کی آیات جن میں معاشرہ کے دشمن فسادیوں کی سزائیں بتائی گئی ہیں۔ خواہ وہ عمومی امن وامان کے مجرم ہوں یا مالی لوٹ کھسوٹ کرنے والے سودی مجرم یا ڈاکہ زنی کرنے والے مجرم غرض سیاسی باغی ہوں یا معاشی ومعاشرتی باغی ان کی سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں عموماً کوئی الجھن پیدا نہیں کی جاتی اس لیے ہم سرقہ وزنا کی سزا پر کچھ لکھتے ہیں جن پر اکثر اعتراض کئے جاتے ہیں۔

سرقہ

خدا نے فرمایا: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٩﴾ (مائدہ: 38,39) ''چور مرد ہو یا عورت اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو، سزا دو بمقابلہ اس جرم کے جس کے وہ مرتکب ہوئے۔ یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ عزیز وحکیم ہے اور جس نے چوری کرنے کے بعد توبہ کر لی اور وہ توبہ کو نباہ بھی لے گیا تو اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور غفور ورحیم ہے۔'' یہ حکم مجمل قرار دیا گیا کیونکہ یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کتنے مال کی چوری میں یہ سزا ہے۔ دوسرے یہ بھی نہ بتایا کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے یا بایاں۔ تیسرے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ **فاقطعوا** کا مخاطب کون ہے۔ تو اس کی تفسیر وتفصیل کی گئی حدیث کی کتاب اور اجماع امت سے۔ یوں یہ آیت اختلافوں کی رزمگاہ اور طبع آزمائیوں کی تماشا گاہ میں ڈالی گئی۔

میری سمجھ میں ایسا تو ہے نہیں کہ جب سے اسلام آیا، چوری بھی آئی۔ پہلے سرقہ کو کوئی جانتا نہ

Marfat.com

تھا۔ یہ سکھایا اسلام نے۔ بلکہ سرقہ وغیرہ جرائم تو ہمیشہ سے ہوتے آئے اس لیے لوگ سرقہ وغیرہ کی اصطلاح سے واقف تھے۔ جب واقف تھے تو اللہ نے سرقہ کی سزا بتا دی۔ اس میں اجمال کیا ہوا۔ ایک خرما کی چوری چوری نہیں ہے غلطی ہے۔ جب ایسی مقدار ہو کہ اس کو زبان زدعام میں سرقہ کہا جائے تو سرقہ کی نسبت اللہ کے تین احکام ہیں۔

1- انتہائی سزا یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ **فاقطعوا ایدیھما** یہ سزا بعوض مال نہیں بعوض جرم ہے۔

2- درمیانی سزا یہ ہے کہ جزا دو چور کو بمقابلہ اس کے جو اس نے جرم کیا **جزاءً بما کسبا**۔

3- ابتدائی سزا یہ ہے کہ جس نے توبہ کی اور توبہ کو نباہ لے گیا تو اس کا گناہ معاف۔ **فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ یتوب علیہ**۔

چونکہ چوری ایک سخت جرم اور سخت ظلم ہے جو مفسد امن اور مہلک جان و مال ہے اس لیے خداوند عالم نے بنظر تہدید انتہائی سزا سے ابتدا فرمائی کہ خوف سزا غالب رہے۔ ابتداءً توبہ پیش کرنا ہے جس کو آخر میں فرمایا۔ توبہ اقرار گناہ ہے، اور اقرار گناہ سے مال کے مل جانے کی بھی توقع ہے تو اولاً مل جانے کے بعد ناکامی اور توہین اقرار باعث ہو سکتی ہے کہ وہ توبہ کو نباہ لے جائے اور اقرار گناہ اور توہین خود ایک سزا بھی ہو گئی۔ لیکن اگر وہ پھر مرتکب سرقہ ہو یا توبہ ہی نہ کرے، تو اس کے لیے درمیانی سزا ہے یعنی جیسا جرم ویسی سزا۔ **جزاءً بما کسبا**۔ **جزاءً** نصب ہے، یعنی **جاز وھما جزاءً بما کسبا**۔ با بمعنی مقابلہ بھی آتی ہے۔ یعنی سزا کروان کی بمقابلہ یا مطابق ان کے کرتوت کے۔ اس کو قاضی اور حاکم کی رائے پر چھوڑا، وہ جرم کے مطابق سزا دے گا ممکن ہے کہیں وہ کوڑے مارے، بینت لگائے، جیل میں بھیج دے۔ انگلی دو انگلی ہی کاٹنے کا حکم دے۔ جیسا جرم ویسی سزا۔ اگر مال کے ساتھ اس نے جان کو نقصان پہنچایا یا جسم کو بیکار کیا، تو قاضی اسی کے مطابق سزا دے گا۔ اگر پھر چوری کرے تو انتہائی سزا بعوض جرم سرقہ ہاتھ کاٹ ڈالنا ہے۔ **السارق** میں الف لام بمعنی **الذی** ہے یعنی **الذی سرق** جس نے چوری کی۔ اور **یدٌ** ہاتھ کے جزو و کل سب کو بولا جاتا ہے تو اس کو بھی قاضی کی رائے پر چھوڑا کہ وہ انگلی ہی کاٹے، پہنچوں

Marfat.com

تک کاٹے، کہنیوں تک کاٹے، مونڈھوں تک کاٹے۔ جب تصریح نہ کی تو اس کے معنی ہیں کہ اس کو مجاز کیا۔ ہر مجاز فعل کو یا مصطلح الفاظ کو مجمل کہہ دینا کہ حکم معلوم ہی نہ ہوا صحیح نہیں ہے۔

الختصر چور کی سزا ابتداً توبہ پیش کرنا ہے۔ توبہ اس کی اصلاح حال کے لیے کافی ہوگی اور مدعی کا مال بھی مل جائے گا۔ دوسری دفعہ جیسا جرم ویسی سزا، تیسری دفعہ پھر وہ چوری کرے تو جرم اور اس پر اصرار وہ بھی جرم حق العباد تو اس کے ہاتھ کاٹو۔ وہ اصرار کرتا جائے تم ہاتھ کاٹتے جاؤ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو۔ جو جسم سڑ جائے اسے کاٹ دو تا کہ اس کی سُمیّت سارے جسم کو نہ تباہ کرے۔ اسی طرح چور دست درازیاں کرتا رہے تو اس کے ہاتھ کاٹتے جاؤ تا کہ اس کے پاس چوری کا آلہ ہی نہ رہے۔ اور دلی توبہ نہیں تو مجبوری توبہ اس کو نصیب ہو۔ وہ اپنے کو نہ بچائے تو خلق اللہ تو اس کی آفت سے محفوظ رہے۔ اس سے بہتر عدل وانصاف کا اور کونسا قانون ہوسکتا ہے۔

چوری کا جرم آج کل کے قانون سے نہ انسداد پذیر ہوا نہ ہوگا۔ مال دنیا میں ایسا مرغوب و محبوب ہے کہ دنیا کے سارے جنجال تو اسی کے کرشے۔ اسی کے چلتے آدمی عزت و آبرو دین و مذہب سب کچھ کھو بیٹھتا ہے، خصوصاً اس مادی روشنی کے زمانہ میں۔ اگر مال مفت میں، تھوڑے جوکھم سے ہاتھ آجائے تو اس کا چسکا مٹنے کا نہیں، جیسے سائلوں کے سوال کی عادت۔ اس لئے یہ حکم تشدد کا نہیں بلکہ اس سے زیادہ انصاف کا اعتدال کا، مصلح تمدن، فساد مٹانے والا دوسرا کونسا قانون ہوسکتا ہے، کیا یہ جیل؟ جہاں کی بود و باش چور جیسے کمینوں کے لیے جو جیل کے کھانے کو سسرالی ضیافت سمجھتے ہیں اس سے نہ چوری کا انسداد ہوا نہ ہوسکتا ہے۔ قانون فلاسفی کی حمایت میں مجرم پر رحم تو ہوتا ہے مگر اتنا کہ وہ فریادی پر ظلم ہو جاتا ہے جو مظلوم بن کر آیا ہے۔

خدا نے فرمایا: **نکالا من اللہ** ''یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے۔'' یعنی اس معاملہ میں سرکار خداوندی مدعی ہے۔ صاحب مال مدعی ہو نہ ہو۔ اس لیے صاحب مال اپنا مال معاف کرسکتا ہے مگر اس مقدمہ میں وہ صلح کا مجاز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ چور پر رعایت کرنے سے خلق اللہ خطرہ میں رہے گی۔

چوری کا انسداد کم سے کم اتنا تو ہونا چاہئے کہ ''جاگ کے سوؤ'' کہ صدا نیند، راحت اور امن وسکون میں فتور نہ ڈالے۔

Marfat.com

چوری کے مسئلہ میں چونکہ نہایت شدومد سے سختی اور وحشیانہ پن کا اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس لیے چند سطریں میں نے لکھیں تا کہ واضح ہو کہ نہ تو عدل و انصاف کا اس سے بہتر کوئی قانون ہوسکتا ہے، نہ قرآن مجید یا احکام الٰہی کو مجمل کہہ کرنا کارہ کرنا صحیح ہوسکتا ہے، اور نہ قرآن مجید کو حدیث کی کتاب یا اجماع کے الفاظ سے محدود کرنے کا کوئی مجاز ہوسکتا ہے۔ بندہ کو بندگی لازم ہے نہ حکم میں اصلاح۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

زنا

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:32) ''زنا کے نزدیک نہ جاؤ یہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔'' اسے بھی مجمل کہہ دو کہ زنا کو اللہ نے بتایا ہی نہیں۔ تو زنا تمہاری ہی بول چال کا لفظ تو ہے، عربی ہی زبان کا لفظ ہے کسی اور زبان کا نہیں۔ پھر جو کوئی اس فعل کا مرتکب ہو اس کو سزا دو، اس نے اس کی سزا بتا دی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (نور:2) ''زانیہ اور زانی کو سو سو درے مارو اور دین اللہ میں ان پر نرمی نہ برتو اگر تم کو اللہ اور آخرت پر ایمان ہے (یعنی قیامت میں اللہ تم سے اس کی نسبت باز پرس کرے گا) اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو۔'' اسے بھی مجمل کہہ دو تا کہ طبع آزمائیوں کے موقعے ہاتھ آئیں کہ اولاً زنا معلوم نہیں کہ کونسی چڑیا ہے۔ پھر دُرّہ نہ بتایا گیا کہ کیسا ہو، نہ یہ بتایا گیا کہ کس ڈگری کی طاقت سے وہ مارا جائے۔ یہ اجمال کہنا نہیں، یہ تو اندھیر ہے۔ لوگ زنا کو جانتے ہیں۔ کہا گیا کہ زانی کو سو درے لگاؤ۔ درہ بھی لوگ جانتے ہیں اور مارنا بھی۔ کہا گیا: ولا تاخذ کم بھما رافۃ فی دین اللہ یعنی رحم کر کے نہیں

Marfat.com

بلکہ سزا مارو، جس سے سزا محسوس کی جائے، طاقت کی ڈگری بھی بتادی۔

اب لوگوں نے قرآن پر اصلاح دی، اور لگے اللہ کی غلطیاں چننے، اور محصن وغیر محصن میں اور محصنہ وغیر محصنہ میں فرق نکالنے۔ غیر محصن کو کوڑے کی سزا تجویز کی، اور محصن کے لیے سنگسار کرنا۔ اللہ تو ایک حکم فاجلدوا فرمائے اور یہاں دوسرا حکم سنگسار کا بھی نکالا جائے چونکہ سنگسار کا حکم فاحکم بینھم بما انزل اللہ کے خلاف ہے، چونکہ سنگسار کا حکم فاستمسک بالذی اوحی الیك کے خلاف ہے، اس لیے سنگسار کا حکم ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہوسکتا ایسی حدیث جو پائی جاتی ہے، وہ آپ کی نہیں۔ درے کی جگہ پر سنگسار کرو گے تو اللہ کا حکم اٹھ جائے گا عدول حکمی ہوگی، اور حدود اللہ ٹوٹ جائیں گی۔ سنگسار کا حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام دین بما انزل اللہ دیا کرتے تھے۔

اگر الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموا ھما کو اللہ کا کلام منزل مانو، اور رجم کا حکم اس آیت مفروضہ سے نکالو تو یہ ظلم ہے کیونکہ یہ اللہ کے کلام کی کوئی آیت نہیں چونکہ و انا لہ لحفظون کے خلاف ہے۔ اس کے سوا شیخ کے معنی محصن کے نہیں ہیں۔

اس فرمان کی طرف بھی خیال کرو: فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَٰحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى ٱلْمُحْصَنَٰتِ مِنَ ٱلْعَذَابِ ۚ (النساء: 25) یعنی مملوکہ زانیہ کی سزا اللہ نے نصف سزائے محصنات فرمائی، اور رجم نصف نہیں ہوسکتا۔ دوسرے اللہ نے سارے گناہوں کو بتا دیا، سب کی سزائیں فرمادیں۔ زنا کو بھی منع فرمایا، اس کی سزا بھی درے لگانا تجویز فرمادی۔ پھر یہ بھی تاکید فرمادی کہ درے مسلمانوں کی اک جماعت کے سامنے لگائے جائیں۔ یہ بھی فرمادیا کہ درے لگانے میں رحم نہ کیا جائے۔ ساری باتیں جزئیات تک تو مشرح بیان ہوں اور محصن ومحصنہ کے لیے رجم کا حکم ہی رہ جائے، اور ایسا مہتم بالشان حکم:

ٱلزَّانِى لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ③ (نور: 3) ''زانی زانیہ اور مشرکہ ہی سے نکاح کرے اور زانیہ سے زانی اور مشرک ہی نکاح کرے۔ مسلمانوں کے لیے ایسے تعلقات حرام ہیں۔'' کیونکہ

Marfat.com

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت۔
''گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں۔ نیکو کار عورتیں نیک کار مردوں کے لیے اور نیکو کار مرد نیکو کار عورتوں کے لیے ہیں۔'' یہ اصول ہے جو موجب برکات تمدن ہے۔ ورنہ دودھ میں ترشی ڈال دو تو دودھ پھٹ جائے گا۔ ایسا ملاپ تو اجتماع ضدین ہے۔

قذف

کسی پاک دامن کو زنا سے مُتّہم کرنا تو زنا سے بھی بدتر ہے، اور لوگ اس میں بے باک ہو گئے ہیں، اور اس کو جرم ہی نہیں سمجھتے، اللہ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (نور:4) ''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اسی درے مارو، اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ تو فاسق ہیں۔'' یہ کوئی معمولی جرم نہیں۔ سارے معاملات میں تو دو گواہ طلب ہوں اور ثبوت تہمت کے لیے چار گواہ۔ زنا کی سزا سو درے اور اتہام زنا کی سزا اسی درے۔ بیس درے کم تو ہوئے، مگر وہ ہمیشہ کے لیے مردود شہادت قرار دیا گیا۔ جو ایک سخت ترین سزا ہے۔

اس کے سوا زنا کی تہمت لگانے والے پر اللہ نے لعنت بھی کی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ [نور:24-23]
''پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر جو اتہام لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، ان پر بڑا سخت عذاب اس دن ہوگا جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔'' مگر افسوس ہے کہ لوگ نہ اللہ کی لعنت سے ڈرتے ہیں اور نہ اس کے عذاب سے، اور مُتّہم کرنے میں بے باک ہی نہیں ان کو مزہ آتا ہے۔ یہ ہے روشنی اس روشن نما تاریک زمانہ کی۔

Marfat.com

لعان

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ
عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ
شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩

[نور:6-10] ’’جولوگ اپنی بیبیوں پر تہمت زنا لگائیں، اور ان کے سوا دوسرے گواہ نہ ہوں، تو ہر ایسے شخص کے لیے شہادت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں دفعہ کہے ’جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہے۔‘ عورت پر سے حکم سزا اس طرح ٹل سکتا ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ ’یہ مرد جھوٹا ہے‘ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ ’وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب پڑے۔‘ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، (تو تم پر مشقت اترتی) اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور واقف مصالح ہے۔‘‘ ہر شخص اپنے گھر میں آتا جاتا رہتا ہے، فرض کرو کہ اس نے اپنی بی بی کو مرتکب بدکاری پایا۔ تو دنیا کے سارے قوانین کی رو سے اسے گواہ لانا چاہئے، مگر وہ عورت بازار میں بیٹھی تو ہے نہیں کہ گواہ مل سکیں، وہ تو ایسے امن میں ہے کہ گواہ مل نہیں سکتے، پھر یا تو جھوٹے گواہ بناؤ یا اس کو اجازت دو کہ وہ شوہر کے سر پر بدکاری کرے، اللہ نے اس کا راستہ ایسی سخت قسموں سے بتلایا جو ایک طرح کا مباہلہ ہے اور گویا اللہ کی لعنت اور غضب کے سامنے مقدمہ پیش ہوتا ہے اور اسی راہ سے اثبات جرم اور برأت دونوں کی راہ نکالی گئی ہے۔ ایسا باریک بین اللہ جو ایسے جزئیات کو بھی دیکھ سکتا ہے وہ سنگسار کا حکم بھول جائے یا کوئی حکم ایسا مجمل دے جس کی تعمیل ہی نہ ہو سکے غیر ممکن اور محالات سے ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ ...والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

باب پنجم

احکام مالی

(زکوٰۃ کا تذکرہ عبادات میں گزر چکا۔ باقی مالی ہدایات یہاں بیان کی جاتی ہیں)

مال کی بھی عجیب نیرنگیاں ہیں:

جان میطلبی سخن در آن نیست　　　　زر میطلبی سخن در این ست

مال ہی کی محبت کا نام دنیا ہے اور حب الدنیا راس کل خطیئۃ بہت صحیح کلیہ ہے۔ مال کی محبت کے کیا کچھ کرشمے دنیا میں پھیلے ہوئے نہیں ہیں۔ سارے خون خرابے دیکھو تو قریب قریب کل ملک و مال ہی کی بدولت ہیں۔ رشوت، چوری، ڈاکہ، رہزنی، مقدمات، جھوٹی، گواہی، دغابازی، فریب، وغیرہ وغیرہ سارا کچھ فساد محبت مال ہی کی بدولت ہوتا رہتا ہے۔ مذہب، حیا، اخوت، شرافت، کیا کچھ مال پر قربان نہیں کیا جاتا۔ پھر اسی کے ساتھ ہر برے کام کی چیز بھی ہے، کہ سارے کام کا دارو مدار اسی پر، یہ نہ ہو تو سارے کام بند۔ یہ اگر برائی کی جڑ ہے، تو بہت کچھ بھلائی کی بنیاد بھی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی قوتوں میں ایک قوت یہ بھی ہے جیسے ہاتھ پاؤں، کان آنکھ دل و دماغ کہ اگر ان سے اچھے کام لو تو یہ ساری نیکیوں کا باعث ہیں اور برے کام لو تو ان کے ہونے سے نہ ہونا بہتر۔ میری سمجھ میں بلاشبہ مال بہت سی نیکیوں کی جڑ ہے، مگر مال کی محبت بہت سے فسادات کی جڑ۔ اس لیے مال بری چیز نہیں، مال کی محبت بری چیز ہے۔ مال حاصل کرو۔ اور اس کو بہترین مصارف میں صرف کرو، جو اللہ نے بتا دیے ہیں، تو اس سے عاقبت خرید سکتے ہو، اور بہترین عبادت یعنی بہتیرے خیر جاریہ کی بنیاد ڈال سکتے ہو۔ اور مال کی محبت تو سراسر ظلم ہے، کیونکہ محبت منعم حقیقی کا حصہ ہے، اس کو بے جگہ صرف کرو گے تو اسی کا نام تو ظلم ہے۔ اسی لیے محبت مال پر غلبہ حاصل کرنا جہاد مالی مفروضۂ خداوندی ہے۔ اور جہاد مالی جہاد جانی پر مقدم ہے۔ ہر جگہ اللہ نے فرمایا ہے: **یجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم** جہاد مالی کو جہاد جانی پر مقدم

Marfat.com

کیا ہے۔اور ایسا ہی ہونا تھا، کیونکہ مال کی محبت جہاد جانی کو کامیاب ہونے نہ دے گی، اور ہمت و جان بازی میں رخنے ڈالے گی۔ دوسرے جہاد جانی کے لیے خرچہ جنگ مقدم بھی ہے۔ جہاد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں۔تو جس جہاد میں جان سے معاملہ پڑے اور قتل وخون ریزی کا بازار گرم ہوا سے میں جہاد کہوں گا اور جس جہاد میں صفات مذمومہ جیسے دشمن سے مقابلہ ہو، یا صرف مال سے معاملہ پڑے اسے میں مجاہدہ کہوں گا۔تو جہاد کے لیے مجاہدہ مقدم ہے، اور مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بہرحال فضیلت ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ (النساء:95)

مجاہدہ وجہاد کی آیتیں تو قرآن مجید میں اتنی ہیں کہ اس کتاب میں ان کی سمائی نہیں ہوسکتی اور ایسا بھی نہیں روا ہوا کہ میں اس کے متعلق کوئی آیت بھی نہ دوں، ایک ہی آیت سہی۔ اللہ فرماتا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ㉑ [توبہ:21-20] ''جو ایمان لائے، ہجرت کی، اور راہ اللہ میں جان و مال سے کوشش کی، یعنی مجاہدہ و جہاد کیا، تو اللہ کے یہاں ان کا بڑا درجہ ہے اور یہی فائز المرام ہیں۔ اللہ ان کو اپنی رحمت، اپنی رضا مندی، اور جنت کی بشارت دیتا ہے۔ جہاں ان کے لیے دوامی نعمت ہے۔'' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا مجاہدہ اور مالی جہاد ہے اور جس نے اللہ کی ہدایتوں سے منہ پھیرا، اعراض کیا، مال جمع کیا، اور سینت رکھا، تو جہنم کی آگ اسی کو پکارتی ہے۔ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ⑰ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ⑱ (معارج:18-17)

غرض مجاہدہ و جہاد مالی کے متعلق اللہ نے احکام و ہدایات اقتضائے فطری کے مطابق مصلح تمدن، دنیا و دین کے اعلیٰ ترین فوائد کی نگہداشت کے ساتھ دے دیے ہیں، جن کی تفصیل مصلہ ذیل سرخیوں میں واضح کی جاتی ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ ...والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

تعریف اسراف، بخل اور سخاوت

مال، بیجا صرف کرنا، اور لایعنی اڑا دینا، جس سے نہ دین کا بھلا ہو نہ دنیا کا، وہ اسراف ہے۔
اور صرف کرنے کی جگہ نہ صرف کرنا اور سینت رکھنا بخل ہے اور بجا صرف کرنا، مال کا اعتدال و میانہ روی سے ہاتھ اٹھانا اور ادائے حقوق کی نگہداشت کے ساتھ صرف کرنا سخاوت ہے اور زراعت آخرت۔ لوگوں نے مسرف کا نام سخی رکھا ہے اور سخی کا نام منتظم، یعنی اک طرح کا بخیل۔ مگر بخیل کو بخیل سب کہتے ہیں، اور لائق ملامت بھی سمجھتے ہیں۔ میں ان تینوں کو تفصیل دار بیان کروں گا، جو اللہ نے بیان کیا ہے اس کے بعد مصارف مال بیان کروں گا جو خدائے ذوالجلال نے تعلیم فرمایا ہے۔

اسراف

مال نعمت ایزدی ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم اسے برباد و ضائع کر کے اس کی نعمت کی بے قدری کرو، کہ یہ ناشکری الگ ہوگی اور وہ نعمت تم سے الگ چھن جائے گی۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مال کے بندے بن کر اس کی بندگی سے نکل جاؤ، اور اسے سینت کر مار خزانہ بن بیٹھو، تو جیسے سانپ کے سب دشمن، تمہارے بھی سب دشمن۔ اس نے مال کی نعمت دی، تو حقوق بھی لازم کر دیے ہیں، اور ادائے حقوق کے جذبات بھی فطرت میں رکھ دیے ہیں۔ تو ان جذبات کو فطرت کے خلاف بے جا صرف کرو، اور یوں ودیعت فطری کو پامال کرو، تو حساب کے دن جمع خرچ کی میزان ہی نہ دیکھی جائے گی، بلکہ ہر ایک مد کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

خدا فرماتا ہے: لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾ [بنی اسرائیل] ''دولت بکھیر کر اڑا نہ دو بے شک مسرف شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اللہ کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔'' مال و دولت جس کو اللہ نے خیر اور فضل کے ساتھ قرآن میں فرمایا ہے کیونکہ یہ اتنے کار خیر کا آلہ ہے کہ سراسر خیر ہے، اور اتنی نیکیاں اس

Marfat.com

سے حاصل ہو سکتی ہیں کہ یہ تمام تر فضل خداوندی ہے، اس کو اگر تم بے جگہ صرف کرو تو کیا یہ ظلم نہ ہو گا، ظلم آخر کہتے ہی کسے ہیں۔ اور شیطان کے بھائی بن کر نافرمانی کا طوق گلے میں ڈال لو، اور اس کی نعمت کو بیجا صرف کرو، تو کیا یہ کفران نعمت اللہ کی ناشکری اور اس کے حکم کی ناقدری نہ ہو گی، آخر ناشکری کہتے ہی کسے ہیں۔ دیکھو، ہوشیار رہو: لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف: 31) ''اسراف وفضول خرچی نہ کرو اللہ مسرفین کو پسند ہی نہیں کرتا۔'' کیا اللہ کا ناپسند کرنا تھوڑی بات ہے۔ اس حکم کی تاکید سورہ انعام میں بھی اس نے فرمائی ہے کہ مال بیجا نہ اڑاؤ مال بیجا اڑانے والا اللہ کو ناپسند ہے۔ طرح طرح سے منع کرنا تو اسراف کو حرام ہی کرنا ہے۔ حرام کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں جیسے شراب حرام ہوئی ویسے ہی اسراف بھی اللہ کی شان دیکھو کہ مسرف کو اللہ تو ناپسند کرے اور مسلمان خطابت دیں اس کو سخی کا۔ اللہ تو فرمائے کہ مسرف شیطان کا بھائی ہے اور شیطان اللہ کا کافر اور مسلمان اس کو سخی بنا کر اس کے لیے جنت تیار کرائیں۔ مگر ان کے ہاتھ میں جنت نہ جہنم۔ تقریبوں میں، چاہے خوشی کی ہو یا غم کی، خوب اسراف کرواور رنڈیاں نچاؤ، مگر ایک دن تم نچائے جاؤ گے اور انگاروں پر، سن لو: لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل: 29) ''ہاتھ ایک دم سے کھول نہ دو۔'' ایسا کرو گے تو دست حسرت ملو گے۔ فتقعد ملوما محسورا کہ ہائے سب کھو بیٹھے، اور ہوش نہ کیا۔ کتنے گھرانے اسراف کے ہاتھوں تباہ ہوئے اور ان کی اولاد در در گدا ہے۔ وہ خود بھی کھو گئے اور اپنی اولاد کو بھی کھو بیٹھے۔ بہتیروں کی تباہی تم نے سنی ہو گی اور بہتیروں کی تباہی تم نے دیکھی ہو گی۔ افسوس ہے جو دیکھ سن کر بھی ہوش نہ کرو۔

اسراف سے اس شدید امتناع کا یہ مطلب نہیں کہ ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے گڑھے میں گرو، اور بخیل بن جاؤ۔ بخل تو اور بھی بدتر ہے۔ اسراف تو اس لئے برا ہے کہ اس سے انسان اپنی، اپنے ورثا کی اور اہل حقوق کی حق تلفی کرتا ہے اور کفران نعمت اور بخیل اس لیے برا ہے کہ اس سے انسان نہ صرف اپنی نہ صرف اپنے ورثا اور اہل حقوق کی حق تلفی کرتا ہے اور کفران نعمت، بلکہ اللہ ورسول، قوم و ملک سب کی ہی حق تلفی کرتا ہے اور نہ منعم ہی کی بلکہ نعمت کی بھی ناقدری کرتا ہے اور شرافت، حیا اور غیرت سب کو کھو کر بزدل اور پست ہمت ہو جاتا ہے۔ وہ ایسے درخت کی مانند

Marfat.com

ہوتا ہے جس میں نہ پھول ہوں نہ پھل لگیں نہ اس کے سوکھے پتے ہی کسی کام کے نہ اس کی چھال ہی کسی مصرف کی نہ وہ سایہ دار ہی کہ اس کے سایہ میں مسافر آرام پائیں، جلانے کے سوا کسی کام کا نہیں۔اور ورثا کا اس انتظار میں ناک میں دم کہ یہ چلتے بنیں تو ہم پھاگ اڑائیں۔فضول خرچ اپنا نقصان کرتا ہے۔مگر اس سے دوسروں کو بے فائدہ پہنچائے ہوئے فائدہ پہنچ جاتا ہے اور بخیل اپنا تو نقصان کرتا ہی ہے اور اس سے کسی کو فائدہ بھی نہیں پہنچتا۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ ...والقرآن کلام اللہ

بخل

لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ (بنی اسرائیل:29) ''نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہی رکھو اور نہ اس کو ایک دم سے کھول ہی دو کہ بیٹھ رہو ملامت زدہ اور حسرت خوردہ۔'' بخل کے سبب دنیا تم کو ملامت کرے گی اور اسراف کے سبب تم دست حسرت بنو گے۔

بخل تو نفس کا فطرتی کھوٹ ہے۔وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النساء:128) اس لئے نفس تزکیہ طلب ہے۔تزکیہ نفس کرو۔قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ فلاح اس نے پائی جس نے تزکیہ نفس کیا۔اگر یہ بخل جو نفس کا فطرتی کھوٹ ہے اصلاح پذیر نہ ہوا تو فلاح نہیں۔

بخیلو! اللہ کے فرمان سنو: لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (ال عمران:180) ''وہ جو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جو اس نے اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ یہ بخیلی ان کے حق میں بہتر ہے نہیں یہ ان کے حق میں برا ہے۔عنقریب قیامت کے دن ان کا مال ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔'' یقیناً یہ طوق تو مرتے ہی وقت ان کے گلے میں پڑ جائے گا، جب اپنے مال کو حسرتوں کی نگاہوں دیکھتے ہوئے، اور اس کی محبت کی

Marfat.com

خاموش مگر دھکتی آگ میں جلتے ہوئے، وہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوں گے۔ جس مال کے لیے وہ جان دیتے رہے وہ ساتھ نہ جائے گا اور اس مال کی بے جا محبت اسے اس جہنم میں لے جائے گی جس کی آگ کبھی ٹھنڈی ہونے کی نہیں۔ دنیا میں تو حواس پردے ڈالتے رہتے ہیں، کہ بڑی سی بڑی مصیبت بھی بھولی بسری ہو جاتی ہے، اب روح کے ساتھ پردہ ڈالنے والے حواس کہاں، وہ تو یہیں چھوٹے۔

بخیلی کو کون پسند کرتا ہے، انسان تو انسان اللہ بھی تو پسند نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ [النساء:37] ''بے شک اللہ ان کو پسند نہیں کرتا جو اتراتے اور بڑائی مارتے پھرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل پر ابھارتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں (یہ کفران نعمت ہے) تو ایسے کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔'' یہ ذلت تو اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جو اس دنیا میں کاٹے کھائے گی۔

اے لوگو! یادرکھو: الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ [التوبۃ:34,35] ''جو سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ان کو عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔ جس دن وہ آتش جہنم میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانی، گردن، اور پیٹھ داغی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کیا تھا، تو اب اپنے مخزونہ کا مزا چکھو۔'' اس دنیا میں بھی جس قوم میں بخیلوں کی تعداد غالب ہو جائے وہ غائب ہو جائے گی۔ اللہ فرماتا ہے: فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ڰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ڰ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ

Marfat.com

اَمۡوَالَکُمۡ ﴿۳۶﴾ اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡهَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَیُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ
هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا
یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا
غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ﴿۳۸﴾ [محمد:35 تا38] ''تم کم ہمت نہ بنو، اور نہ طلب گار صلح ہو، تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے کاموں میں وہ گھاٹا اور نقصان نہ ہونے دے گا۔ حیات دنیاوی پر بھولنا نہیں، یہ تو اک کھیل تماشا ہے۔ اگر ایمان پر قائم رہو اور پرہیز گار بنو، تو وہ تمہارا سب مال نہیں مانگتا ہے۔ اگر وہ تم سے سب مال مانگے اور تنگ کرے، تو تم لگو بخل کرنے، اور اللہ تمہاری کدورتیں ظاہر کردے۔ سنو وہ تم ہی ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو، تو بعض بخل کرتے ہیں، اور جو بخل کرتا ہے وہ اللہ سے نہیں اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اللہ تو غنی ہے، اور تم محتاج۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہارے بدلے دوسری قوم لے آئے گا جو تمہاری جیسی نہ ہو گی۔'' قوموں کے گرنے اور مٹنے کے رازوں میں ایک یہ بھی ہے اولاً جب مال وجاہ کی تسلیط ہوتی ہے۔ اس سے حاجتمند رشوت خوار اور غیرت فروش ہو جاتے ہیں اور دولتمند بخیل اور قوم فروش۔ بخل قومی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتا اور قومی خزانے سے بے راہ کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ قوم تباہ ہو جاتی اور دوسری قوم جس میں ہمت و ایثار ہو اس کی جگہ لے لیتی ہے اسی کو اللہ نے فرمایا کہ اگر تم بخل کرو گے تو وہ دوسری قوم اٹھا کھڑی کرے گا جو تمہارے جیسی نہ ہو گی۔''

بخیلو! مال وخزانے، دولت وثروت جس پر تم مرتے ہو یہ تو تمہارے ساتھ جانے سے رہے، کیونکہ یہ تو اللہ نے امتحاناً تمہیں دے رکھا تھا، وہ اب جسے دے، اور جس کا امتحان لے، تمہاری اولاد کو دے، یا مختار وکیل اٹارنی اور بیرسٹر، یا عملگان کچہری، یا حکامان رشوت خوار کو دے، مگر تم سے تو یہ سب چھن گئے، اور اس کے فرائض تمہاری گردن پر رہ گئے۔ یہی ستر گز والی طوق ہے جو تمہیں پہنائی جائے گی۔ اور یہی مال کی محبت ہے جس سے تمہاری روح کو پھانسی دی جائے گی۔ اس وقت نہ تمہاری کوئی فریاد سنی جائے گی، اور نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا۔

Marfat.com

آدمی مال وخزانہ کے غرور میں چکنی چپڑی باتیں بناتا ہے، اور مال کے بھوکے جو اللہ سے امید و واسطہ نہیں رکھتے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، وہ اس سے بدمست ہو جاتا، اور اپنی رفتار کا آپ ثناگو رہتا ہے۔ اس کو جب بخل وامساک کی برائیاں سمجھاؤ، تو ساری عمر کا جوڑ جمع کر کے کہنے لگتا ہے کہ ہم نے تو ڈھیروں خرچ کر دیا، اور روز ہی گنتا ہے۔ کھاتا وہی پاؤ آدھا پاؤ، جو روزانہ کھاتا ہے۔ جب اعتراضوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے، تو مغرور کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم جمع تو کرتے ہیں اپنا مال، نہ اس میں کسی کا حق، نہ اس پر کسی کا قابو۔ یہ مقابلہ میں پیش بھی کرتا ہے تو مسرف کو، مسرف کی طرح یہ بھی ایک طرف کھچ گیا، اور اللہ کو بھول بیٹھا، تو اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ [البلد] ''ہم نے آدمی کو پیدا کیا ہے۔ کہ سدا مشقت میں رہے۔ کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا۔ کہتا ہے کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا، کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اسے کسی نے دیکھا نہیں۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے، اور اس کو بھلائی برائی کی دونوں راہیں نہ دکھا دیں، مگر اس سے یہ نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہو۔ تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ مصیبتوں سے گردنوں کو چھڑانا، یا فاقہ مستی کے دن رشتہ دار، یتیم، یا محتاج خاک افتادہ کو کھانا کھلانا، بعد ازاں ان لوگوں میں ہونا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی اور شفقت کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔'' مگر مال داروں کی توجہ کرے، یہ روشن زمانہ ہے، اس زمانہ میں ان کو روپیہ جمع کرنے، سودی روپیہ بڑھانے، یتیموں، بیواؤں اور بیکسوں کے بھی خون چوسنے سے فرصت نہیں وہ کریں کیا کہ زمانہ کی ہوا یہی ہے، بیوقوف سمجھے جائیں اگر بے اپنا نفع کیے ہوئے کسی کی گردن مصیبت سے چھڑائیں۔ اب تو رشتہ اور قرابت کیا ہے ماں بیٹے اور بھائی بہن میں سود کی

Marfat.com

تلوار چلتی ہے۔ یہ اپنے پرائے سب سے مستغنی ہیں، مگر ایک دن ان کی یہ روش رنگ لائے بغیر نہ رہے گی: وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ۭ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ۭ [اللیل] ''جس نے بخل کیا، بے پرواہ رہا، حق کو جھوٹ جانا تو ہم اس کو عسرت وتنگی کے حال کو پہنچائیں گے، اور جب وہ گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کو کچھ کام نہ آئے گا۔'' صرف یہی نہیں کہ جلد یا بدیر اس کی دنیاوی ہی سزا ہوگی، بلکہ اس جرم میں جرمانہ اور قید دونوں ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝۳ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝۴ۡۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝۵ۭ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝۶ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَي الْاَفْـــِٕدَةِ ۝۷ۭ [الھمزہ] ''ہر عیب چین اور غیبت کرنے والے کی خرابی ہے جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا، اس کا خیال ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔ تم کیا سمجھے کہ حطمہ ہے کیا چیز؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کو جھانک لیتی ہے۔'' جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور حقوق نفس، والدین، اقربا، پڑوس، اور حقوق قوم وملک نہیں ادا کرتے وہ بخیل ہیں، ان کو کسی جہاں میں فلاح نہیں، وہ ہر ایک کے مجرم ہیں، یہاں تک کہ اپنے آپ کے دشمن بخل کی نسبت قرآن مجید میں بہتیرا کچھ ہے کہاں تک لکھا جائے۔ اور کیوں لکھا جائے، کیونکہ غرور اور حب مال کا مریض دق اور سل سے کم نہیں، جس کی صحت اللہ کے کئے تو آسان ہے، ورنہ مشکل قریب بہ محال ہے۔ یہ سمجھائے سے نہیں سمجھنے کا تو پھر میرا سمجھانا بھی فضول۔ میں نے صرف اللہ کی چند آیتیں تبلیغ کر دیں کہ وہ ہدایات ربانی سے واقف ہو جائیں، اور اپنے نفع ونقصان کو سمجھیں، اگر اللہ توفیق دے۔

خدا نے فرمایا کہ اسراف نہ کرو، اور مال جمع کر کے بخل بھی نہ کرو، تو اس نے اعتدال ومیانہ روی کی ترازو بھی دیدی ہے، کہ اسراف سے نہ کوئی پلڑا ہلکا ہو، نہ بخل سے کوئی پلڑا جھک جائے، بلکہ دونوں پلڑے برابر رہیں۔ وزنوا بالقسطاس المستقیم۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

سخاوت یعنی میانہ روی

لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾ (بنی اسرائیل:29) ''نہ اپنی گردن سے اپنا ہاتھ بندھا رکھو، اور نہ ایک دم سے کھول ہی دو کہ بیٹھ رہو ملامت زدہ اور حسرت خوردہ۔'' یعنی نہ بخل کو راہ دو نہ اسراف کو، نہ افراط کی چال چلو نہ تفریط کی بلکہ میانہ روی سے گزران کرو۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ (الفرقان:67) ''(عباد الرحمن) وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کریں تو نہ اسراف کریں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ میانہ اور معتدل ہو۔'' تو اے اللہ کے بندو! شادی و غمی اور اپنی روزانہ زندگی میں اپنے اخراجات کا جائزہ لو، اگر قرین اعتدال نہ ہوں تو جواب دہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اسلام کی راہ تو صراط مستقیم کی ہے۔ نہ اس میں افراط نہ تفریط۔ ساری ہدایات اعتدال اور میانہ روی ہی کی ہیں۔ سورہ حج کے چوتھے اور پانچویں رکوع میں اللہ نے فرمایا ہے: فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر اور فکلوا منھا و اطعموا القانع والمعتر ''خدا کی دی ہوئی روزی میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ'' اور دوسری آیت میں اس نے فرمایا: ''خدا کی دی ہوئی روزی میں سے خود بھی کھاؤ اور نہ سوال کرنے والے، اور سوال کرنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔'' اللہ نے حق نفس کو مقدم کیا کہ یہی فطرت کا اقتضا ہے۔ اسی کے ساتھ دوسروں کی احتیاج کی جانب بھی متوجہ کیا۔

مگر محتاجوں کو دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ واقعی محتاج ہوں۔ سائلان پیشہ ور مراد نہیں جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور ان میں سے بعض روپے سود پر لگاتے ہیں اور ہٹے کٹے توانا ہیں، کمائی کو کہو تو کوسوں بھاگیں۔ مگر محتاجوں کی احتیاج رفع کرنا بہترین عبادت ہے۔ اللہ نے فرمایا:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ

Marfat.com

اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا
تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۷﴾
الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿۲۱﴾ [الیل] ''جس نے (کارخیر میں) دیا، اور دینے میں پرہیزگاری برتی، اور سچ جانا اچھی بات کو، تو مقام یسر و آسانی کی راہ ہم اس پر آسان کردیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (حقوق سے) بے پروا رہا، اور اچھی بات کو جھوٹ جانا، تو آہستہ آہستہ ہم اس کو مقام عسر و تنگی تک پہنچائیں گے۔ اور جب وہ جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس کا مال اس کو کچھ کام نہ آئے گا۔ ہمارے ذمہ راہ دکھا دینا ہے، اور دنیا اور آخرت ہمارے ہی ہاتھ میں ہے، تو ہم نے تم لوگوں کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے کہ اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، اور اس پر کسی کا احسان نہیں کہ وہ بدلا اتارتا ہے، بلکہ وہ اپنے پروردگار عالی شان کی رضا جوئی کے لیے دیتا ہے۔ اور وہ بہت جلد راضی ہوگا۔'' مال کس طرح خرچ کرو اللہ نے بتا دیا ہے، اور اپنی رضا سے اس نے آگاہ کر دیا ہے، جو اس کے بعد کی سرخیوں میں بیان ہوگا، تو مال اس کی رضا جوئی میں صرف کرو، یہی سخاوت اور میانہ روی ہے۔ کر کے دیکھ لو، میانہ روی گھر الگ بھرے گی، اور قومی فنڈ الگ معمور کرے گی، جس سے تم الگ مطمئن الحال رہو گے اور قومی ترقیوں کی راہیں الگ کشادہ ہو جائیں گی۔ اور تمہاری دعا: **ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ** قبول ہو جائے گی۔

میانہ روی کے یہ معنی نہیں کہ رسوم دیرینہ کے لایعنی اخراجات کی جگہ نئی روشنی کے تباہ کن اخراجات سے دوسرے ملک و قوم کے خزانے بھرو، اور ایسی تباہ کن آرائشوں کو موجب ترقی سمجھو تو اس اسراف سے تو وہ اسراف بہتر جس سے قوم منتفع ہو اور دولت پھر پھر کر ملک ہی میں رہے۔

میری غرض توانا و تندرست، چست و چالاک، سائلان پیشہ ور سے نہیں، ان کو دینا تو قوم کی عادت بگاڑنی، اور روپیہ کو بے جگہ صرف کرنا ہے جو ظلم ہے۔ مگر یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لایعنی بھڑک اور تکلیف دہ تکلفات میں اور یورپین روپ بھرنے میں تو ہزاروں اٹھاؤ اور قومی کام میں

Marfat.com

کوڑی نہ دو۔ اپنی قوم تباہ ہو تم کو غرض نہیں، اپنی بے نوا قوم کا غریب و مفلس سوال کرے، تو اس کو ڈانٹ دو، جھڑک کر نکال دو، اور اما السائل فلا تنہر کو بھول جاؤ، حالانکہ تم کو چاہئے تھا کہ مستحق کو پوشیدہ یا علانیہ جو دے سکو دیدو۔ اور غیر مستحق کو اگر وہ بالیقین غیر مستحق ہو تو سمجھا دو کہ وہ مستحق کی راہ نہ مارے۔ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ (بنی اسرائیل:28) ''اگر روپیہ آنے کی توقع میں سائلوں سے اعراض کرو تو ان سے نرمی سے کہہ دو۔'' کیونکہ تمہیں کیا خبر کہ واقعی وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہے یا نہیں۔ آج کل بخیلوں یا نئے تعلیم یافتوں کو جو فضول خرچیوں میں باؤلے ہو رہے ہیں جلال جو آتا ہے تو سائلوں پر، اندھوں، لنگڑوں اور کوڑھیوں پر۔ دربان کی غفلت دیکھ پایا، اور غصہ کا بھوت سر چڑھا۔ لال پیلے ہو گئے۔ دربان پر آفت آئی، اور سائل نکال دیا گیا۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ واقعی یہ قابل رحم ہے یا نہیں۔ مگر تقریروں میں ان سے چکنی چپڑی باتیں سن لو۔ سب طرح کے چندے یہ مانگیں جن میں نام و نمود کی توقع ہو، مگر ان مجبوروں اور بیکسوں پر رحم کھا کر نہ ان کے لیے چندہ ہی کریں، نہ اپنی گانٹھ ہی سے کچھ نکالیں، کیونکہ ایڈریس کے خول کے لیے، اسٹیچو بنانے کے لیے اور ایسے ہی کاموں کے لیے بڑی مقدار خرچ کر چکے ہیں، اور انگریزی دکان کا بل الگ سر پر ہے۔ تو ایسے بیکسوں، مجبوروں اور یتیموں کا اللہ والی ہے، اور ایسی قوم کا اللہ ہی حافظ۔

خدا نے اسراف و بخل سے روکا اور میانہ روی کی تعلیم دی، اسی کا نام سخاوت ہے اور میانہ روی کو بتا بھی دیا اور اس کی راہیں بھی کھول دیں۔ مثلاً صدقہ، زکوٰۃ، نفقہ، قرض حسنہ، یہ سب مجاہدہ مالی کے طریقے خدا نے بتا دیے ہیں۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

Marfat.com

صدقہ

صدقہ اصطلاحاً جو تاریخ مذہب (حدیث) سے واضح ہوتا ہے ہر نیک کام کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے کیا جائے۔ مثلاً راہ سے کانٹے الگ کر دینا کہ رہروزحمت سے بچیں صدقہ ہے، کسی کا دل خوش کرنا، اخلاق سے پیش آنا یہ سب صدقہ ہے۔ اس لیے مجاہدہ مالی کی ساری قسمیں صدقہ میں داخل ہیں، زکوٰۃ ہوتو، نفقہ ہوتو، قرضہ حسنہ ہوتو۔ زکوٰۃ وصدقہ میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ زکوٰۃ صدقہ میں داخل ہے لیکن صدقہ زکوٰۃ میں داخل نہیں۔ اس لیے صدقہ کی حدیثیں جوزکوٰۃ کی نسبت سمجھی گئی ہیں اور باب الزکوٰۃ میں بیان کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

صدقہ مالی محبوب ومعبود کے نام پر مال قربان کرنا ہے جس سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچتا ہے اور اپنے نفس کا تزکیہ۔ ساتھ اس کے گناہ وخطا سے طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَيَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ [توبہ] ''کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، اور عمل صالح وعمل غیر صالح کی آمیزش کی، شاید اللہ ان کو معاف کرے کیونکہ اللہ غفور ورحیم ہے۔ تو ان کے مال میں صدقہ لو کہ ان کو پاک وصاف بناؤ اور ان کو دعاء دو کہ تمہاری دعاء ان کے لیے موجب تسکین ہے۔ اور اللہ تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اپنے بندے سے اللہ ہی توبہ اور صدقہ قبول کرتا ہے، اور اللہ تو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔'' یہ آیت تدبر کرنے کی ہے، اس سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1- صدقہ مالی سے گناہ دھل جاتا، اور تزکیہ وتصفیہ نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے گناہوں اور خطاؤں پر فدیہ کی راہ اللہ نے کھول دی ہے مثلاً حج کے متعلق ففدية من صيام او

Marfat.com

صدقة اونسك۔ یا صوم کے متعلق فدیۃ طعام مسکین۔

2- جب گناہوں کے عوض کوئی صدقہ دے تو حاکم کو قبول کر کے بیت المال میں داخل کر لینا چاہیے جیسے زکوٰۃ کا مال۔

3- خدا جس طرح توبہ قبول کرتا ہے، صدقہ بھی قبول کرتا ہے۔ دل سے توبہ کرنا قلبی توبہ ہے اور گناہ کے عوض صدقہ دینا عملی توبہ ہے۔ اللہ کے صدقہ قبول کرنے کے یہ معنی نہیں کہ مال اڑ کر اللہ کے خزانہ میں چلا جاتا ہے، یا وہ قربانی کا جانور اللہ کے باغ میں چرا کرتا ہے۔ کیونکہ مال بہرحال اللہ ہی کے خزانہ میں ہے، اور جانور بہرحال اللہ ہی کے باغ میں چرا کرتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں: لن ینال اللہ لحو مھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم (حج:37) ''خدا تک نہ ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے، نہ ان کا خون ہی، ہاں تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

یہ سمجھو کہ صدقہ مالی سے تمہارا مال گھٹتا ہے، نہیں نہیں بلکہ وہ تو بڑھتا ہے، کیونکہ صدقہ کے مصارف قومی خدمات ہیں اور رفاہ قومی، پھر جو مال شخصی ہاتھ سے قومی خزانہ میں گیا، تو شخصی ہاتھ تو شخصی حیات تک، اور قومی خزانہ قومی حیات تک، اور یہ بدیہی ہے کہ قومی حیات کے مقابلہ میں شخصی حیات اس بچہ کی سی حیات ہے جو پیدا ہوا اور سانس لے کر مر گیا۔

میں نے بیان کیا ہے کہ صدقہ ہر نیک کام کو کہتے ہیں، تو اب اس آیت کو خیال کرو: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:177) ''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو (یعنی ظاہری نماز ادا کر لیا کرو جس کو ٹکر لگانا بولتے ہیں، جس میں اللہ کے دھیان سے کچھ واسطہ ہی نہیں)، یا عادتاً ہو یا ریا

Marfat.com

کی) بلکہ نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ، آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر اور مال صرف کیا اللہ کی محبت میں قرابتمندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں میں، اور گردن مصیبت سے آزاد کرانے میں۔ اور درست کرتا رہا نماز (جس کو نماز کہا جا سکتا ہے) اور دیتا رہا زکوٰۃ اور ایفا کرتا رہا وعدہ، اور صبر کرتا رہا تنگیوں، تکلیفوں اور لڑائیوں میں یہی لوگ سچے نیکوکار ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔''

اسی ''بر'' کو میں نے صدقہ کہا ہے، اور اصطلاحاً صدقہ کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں زکوٰۃ کو اللہ نے الگ فرما دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مصارف جو اللہ نے فرمائے یہ زکوٰۃ کے نہیں، صدقہ کے ہیں۔ دوسرے زکوٰۃ تو خدائی سالانہ خراج ہے جو دولتمندوں سے لیا جاتا ہے اور مستحقین کو دیا جاتا ہے اور صدقہ سالانہ خراج نہیں، اس میں ''علیہ حبہ'' کی قید ہے، یہ اللہ کی محبت میں ہر روز اور ہر حال میں دیا جا سکتا ہے۔ یہ دائمی خراج ہے۔

تو صدقہ مالی کے مستحق، قرابت مند، یتیم، مسکین، مسافر، سائل اور مصیبت زدے ہیں۔ صدقہ کھلا کھلا دو جب بھی بہتر کہ اس سے دوسروں کا حوصلہ بڑھے اور چھپا کر دو تو یہ اس سے بھی بہتر کہ اس سے لینے والے کی آنکھ نہ جھینپے گی۔ ایسے صدقہ سے تمہاری برائیاں تم سے دور ہو جائیں گی۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ (بقرہ:271)

زکوٰۃ دی، فرض سے ہلکے ہوئے۔ مگر صدقہ احسان رکھنے اور اذیت دینے سے ضائع بھی ہو جاتا ہے تو صدقہ کو احسان رکھ کر یا اذیت دے کر ضائع نہ کرو: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ (بقرہ:264) آج کل بہت جگہ یہ دستور ہے کہ ہفتہ میں ایک دن یا مہینہ میں ایک دن صدقہ کیا جاتا اور فقراء کو کھانا بٹتا ہے۔ ایک آدمی ہجوم روکنے کو ڈنڈے رسید کیا کرتا ہے۔ ڈومنیں اور مزدورنیں کمانیوالیاں تو سب سے مستحق لینے والی ٹھہریں اور اندھے، لنگڑے، ناکارے آخر میں بچا کھچا کچھ پالیں تو پالیں۔ یہ صدقہ ہوا۔ وجہ کیا کہ قوم میں نہ فقراء خانہ، نہ یتیم خانہ نہ مسافر خانہ۔ اس لیے صدقہ کا کوئی نظم ہی نہیں۔ کہیں یتیم خانہ ہے بھی تو اس فنڈ کا روپیہ

Marfat.com

یتیموں کی زندگی خوش بنانے میں صرف نہیں ہوتا، وہ عمارتوں کی تعمیر میں اور دکھاوے کے کاموں میں صرف ہوتا ہے کہ حکام دیکھیں اور پبلک خدمت کے عوض کوئی خطاب دیں۔ اگر یتیم خانوں میں اس وضع کا نظم ہوتا کہ یتیم بچے علم دین اور کوئی ایک دستکاری حاصل کر کے مختلف ممالک اور ساری دنیا میں پھیل جائیں دستکاری سے اوقات بسر کریں اور تبلیغ اسلام واشاعت دین کی خدمت انجام دیں تو اسلام کا دوسرا دن ہو جاتا۔ بچیوں کی بھی اسی طرح کی تعلیم ہوتی، اور انہیں میں ازدواج کیا جاتا۔ تو ان کو ساری دنیا میں پھیلنے کے لیے کسی کی محبت مزاحم نہ ہوتی۔

اے لوگو! حقوق کا خیال رکھو: وفی اموالهم حق للسائل والمحروم۔ حقوق کی تفصیل منہاج الحق میں اخلاق کی سرخی میں دیکھو۔ انسان تو ادائے حقوق وفرائض کی خدائی مشین ہے اگر یہ بگڑی تو تجارت اُخروی کے کارخانے بند ہو جائیں گے اور تم سراسر گھاٹے میں رہو گے۔ اس لیے مشین کا کوئی کل پرزہ بگڑنے نہ دو اور احکام مالی کی جو قومی حق ہے خلاف ورزی نہ کرو۔ میں نے تم کو خبر کر دی ہے خبردار رہو۔

فامنوا بالله ورسوله والنور الذی انزلنا

لا اله الا الله... محمد رسول الله ...والقرآن کلام الله

نفقہ

جس طرح صلوٰۃ وزکوٰۃ کے لیے خداوند عالم نے سخت سے سخت تاکید کی ہے، اسی طرح نفقہ کے لیے بھی اس نے کچھ کم تاکید نہیں کی ہے، مگر قوم نے اس کو کوئی علیحدہ حکم نہیں سمجھا۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو تو دعاء اور پاکی کے لغوی معنی میں نہیں لیا اور ان کے مصطلح معنی لے کر ان کو حکم مفروضہ خداوندی سمجھا۔ برخلاف اس کے نفقہ کو لغوی معنی میں سمجھا، اور ہر جگہ انفقو کے معنی لیا کہ خرچ کرو، اس لئے ہر خرچ کرنا حکم نفقہ کی تعمیل سمجھی گئی۔ حالانکہ صرف خرچ کرنا حکم نفقہ کی تعمیل نہیں ہے۔ رنڈی، شراب، اور عیش وعیاشی کے اخراجات کو کیا نفقہ میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں اور جو لوگ نفقہ کو مصطلح معنی میں سمجھتے ہیں وہ مراد لینے کے عادی ہیں، انہوں نے نفقہ سے بی بی کا کھانا کپڑا امراد

Marfat.com

لیا ہے، اور اب تو نفقہ بمعنی نان ونفقہ ہی مستعمل ہے۔ حالانکہ احکام مالی کے متعلق زکوٰۃ ایک متعین خراج ہے، اور نفقہ غیر متعین خراج۔ زکوٰۃ کا چند شرطوں کے ساتھ چند چیزوں میں بمقدار معینہ سالانہ خراج کے طور پر طوعاً وکرہاً ادا کیا جانا لازم ہے، اور نفقہ میں نہ شرط ہے نہ کسی چیز کی تعیین۔ نہ مقدار ہی معین ہے، نہ اس میں سال وماہ کی قید۔ بلکہ جس طرح زکوٰۃ طہارت وتزکیۂ نفس کے لیے ہے کہ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ:103) اسی طرح نفقہ ''علی حبہ'' ہی اللہ کی محبت میں دیا جاتا ہے، وہ تقرباً الی اللہ یا ابتغاءً المرضات اللہ ہے جو موجب ہے تقرب الٰہی کا۔ زکوٰۃ کے لیے ایک محدود مقدرت شرط ہے، اور نفقہ تنگی میں بھی بہ اقتضائے حال دینا ہدایت خداوندی ہے۔ مصارف بھی زکوٰۃ ونفقہ کے الگ الگ تفرقہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ یہ فرق زکوٰۃ ونفقہ میں اور خداوند عالم کے دونوں حکموں میں ہے۔

نفقہ مامور اور صریحی فرض ہے: یا ایھا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم (بقرہ:34) ''مومنو! ہم نے جو تم کو روزی دی ہے اس میں سے نفقہ کیا کرو۔'' نفقہ کے حکم سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے: (بقرہ: 281, 271, 261, 241، آل عمران:41 ,10 ,2، نساء: 61، انفال: 4,81 ,1، التوبہ 71، الشوریٰ 4، الحدید 1، المنٰفقون 21، التغابن 21، الطلاق 11) ان آیتوں کو دیکھو اور ان میں تدبر وتفکر کرو، اور ہدایات ربانی سے دل ودماغ کو روشن کرو۔ اتنی آیتوں کو لکھنا مزید طوالت کا باعث تھا، اس لیے میں نے فہرست لکھ دی کہ دیکھنے والے دیکھیں اور سوچیں۔

حکم نفقہ تو اتنی جگہ مگر مسلمانوں نے اس کو لغوی معنی میں لے کر بخل کے مخالف سمجھا، اور اس سے اسراف کی راہ کھولی۔ تو اس سے اس حکم کے فوائد اور اس کی ودیعتوں سے محروم ہو گئے۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اس حکیم وعلیم نے جس طرح ایک دوسرے کے اغراض ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیے ہیں، اسی طرح ایک دوسرے کے حقوق بھی ایک دوسرے کے ساتھ منضم کر دیے ہیں۔ دولتمند دولت لئے ہوئے پیدا نہیں ہوئے، سلسلہ اسباب وعلل سے اللہ نے ان کو دولت دی، تو غریبوں کے لیے بھی قومی فنڈ یعنی بیت المال صدقہ، زکوٰۃ، نفقہ اور قرض حسنہ وغیرہ کے سلسلے قائم کر

Marfat.com

کے ان کی خبر بھی لی، تا کہ غربا احتیاج سے مغلوب ہو کر اور مساوات دولت کے دعویدار ہو کر حدود اللہ کو نہ توڑیں، دنیا میں خون خرابہ نہ کریں، مایوس ہو کر دریا میں اپنے کو نہ ڈبوئیں اور اپنے حقوق پا کر ان کے ممنون ہوں۔ فی الحقیقت زکوٰۃ اور نفقہ قومی ترقیوں کی بنیاد ہے، بلکہ نفقہ میں ایثار کی اک صفت زیادہ ہے۔ غرض زکوٰۃ و نفقہ وہ قومی فنڈ ہے جس سے قومی ترقیوں کے سارے چشمے نکلتے اور پھر اسی میں گر کر نہر کو دریا اور دریا کو سمندر بناتے ہیں۔ یہی وہ راس المال ہے جس سے دینی و دنیوی دونوں تجارتوں کی راہیں کھلتی اور دونوں تجارت کی منڈیوں کو گرم کرتی ہیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی یہ دونوں منڈیاں ان کی کرتوتوں کے سبب سونی پڑی ہیں۔

نفقہ کے متعلق خداوند عالم نے طرح طرح سے حکم دیا، طرح طرح سے سمجھایا اور ماله وما علیه کچھ نہ چھوڑا جو کھول کر بتا نہ دیا، مگر افسوس کہ قوم نے قرآن مجید سے آنکھیں پھیر لی ہیں۔

نفقہ کی نسبت فرمان ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (طلاق:7) ”چاہئے کہ ذی مقدرت اپنی مقدرت کے موافق نفقہ کرے، اور تنگ حال اسی میں سے جو اللہ نے اسے دے رکھا ہو، اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسی میں تو وہ مکلف کرتا ہے (وہ تکلیف مالا یطاق کچھ تھوڑے دیتا ہے) اگر تنگدستی سے ڈرو تو اللہ بہت جلد تنگدستی کی جگہ آسایش پیدا کر دے گا۔“ لا یکلف اللہ صاف نفقہ کی فرضیت کو بتا رہا ہے۔ اللہ نے نفقہ کا حکم دے کر انسان کو مکلف کیا ہے۔ تو اس کو بھی زکوٰۃ کی طرح کا ایک فرض سمجھنا مامور خداوندی۔

اپنی روزی میں سے جو کر سکو وہ پوشیدہ یا علانیہ نفقہ کیا کرو۔ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (رعد:22) ان مصارف میں نفقہ کیا کرو جو آئندہ بیان ہوں گے۔

بقرہ کا چھتیسواں اور سینتیسواں رکوع نفقہ کے آداب و ہدایات کے متعلق ہیں بلحاظ اختصار میں ترجمہ ہی پر اکتفار کرتا ہوں۔

”یہ نہ سمجھو کہ نفقہ سے تمہارا کچھ گھٹ جاتا ہے، بلکہ نفقہ فی سبیل اللہ کی مثال تو اس دانہ جیسی ہے جس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔ جو لوگ نفقہ فی سبیل اللہ کرتے

Marfat.com

ہیں اور نہ اس کا احسان جتاتے اور نہ اس کے بعد ستاتے ہیں وہ اللہ کے یہاں ماجور ہیں۔اس صدقے سے جس کے ساتھ اذیت لگی ہو نرم باتیں اور درگزر کرنا کہیں بہتر ہے۔تو مسلمانو! احسان جتا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقہ کو باطل نہ کرو۔اور ان کے سے نہ ہو جاؤ جو ریا کاری سے نفقہ کرتے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں (جو حال جمعراتی خیرات کرنے والوں یا کسی کے مرنے میں خیرات تقسیم کرنے والوں کا ہوتا ہے کہ زیادہ تر پیشہ ور فقیروں کو کھانا تقسیم کیا جاتا اور ڈنڈوں سے ان کی خبر لی جاتی ہے) اور یہ دکھاوے کی رسمی اور محض ریا کارانہ خیرات ہوتی ہے مومنو! اپنی کمائی میں سے اور اپنی پیداوار میں سے اچھا مال نفقہ کیا کرو۔یہ نہ کرنا کہ خراب چیز نفقہ کرو جس کو تم بھی بغیر چشم پوشی کے لینا گوارا نہ کرو (اس کی ہدایت چوتھے پارہ کے شروع میں بھی آئی ہے کہ:لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون۔ ہرگز تم نیکی کے درجہ کو نہ پہنچو گے جب تک اپنی پسندیدہ چیز نفقہ نہ کرو۔سڑا، گلا، باسی بگڑا ہوا کھانا، پھٹے پھٹے، ردی بیکار کپڑے، ٹوٹی پھوٹی بے صرف ردی چیزیں کسی کو دینا صدقہ یا نفقہ نہیں نہ اس کا کچھ ثواب ہے۔ثواب ملے گا بھی تو ویسا ہی سڑا گلا پھٹا چٹا ہوگا۔یا سڑا تخم اگے گا ہی نہیں) تو اچھی چیزیں نفقہ کیا کرو شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے۔اور اللہ تم سے مغفرت اور برکت کا وعدہ فرماتا ہے جو کچھ تم نفقہ کرو گے وہ تم کو پورا پورا پہنچا دیا جائے گا۔تم گھاٹے میں نہ رہو گے۔''

''ان فقرا کو نفقہ دو جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں۔اس کی قدرت نہیں رکھتے کہ ملک میں چل پھر سکیں بے سوالی کی وجہ سے انجان انہیں غنی سمجھتا ہے مگر تم ان کو ان کی صورت سے پہچان جاؤ گے۔یہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔'' یہ تو اللہ کا فرمان ہوا (مگر قوم انہیں کو دینا نیکی اور موجب ثواب سمجھتی ہے جو فقر کا پیشہ کرتے اور طلب وسوال کے ڈنڈے رسید کرتے ہیں اور بددعاؤں سے ڈراتے رہتے ہیں)۔

متقین کی تعریف اللہ نے کی ہے: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ الخ (آل عمران:134) ''جو تونگری اور تنگدستی دونوں حال میں نفقہ کرتے ہیں۔'' نفقہ اتقا کا مالی ثبوت ہے، اور ایمان ومحبت مفروضۂ خداوندی کی بین دلیل۔

Marfat.com

مومن کی تعریف اللہ نے کی ہے: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ (انفال:4-3)''وہ جو نماز پڑھتے اور اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے نفقہ کرتے ہیں۔ یہی تو سچے مومن ہیں۔'' نماز و روزہ روحانی وجسمانی مجاہدہ اور دلیل ایمان ہے۔اور زکوٰۃ ونفقہ روحانی اور مالی مجاہدہ اور دلیل ایمان ہے دلیل نے دعویٰ ثابت کیا تو اس فیصلہ کا مستحق ہوا۔اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ زکوٰۃ تزکیہ کے لیے ہے، اور نفقہ تقرب کے لیے۔وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ (توبہ:99)''وہ جو نفقہ کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ، تو جان لو کہ بے شبہ یہ نفقہ ان کے لیے باعث تقرب ہے۔عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔'' بے شبہ نفقہ جو تقرب الی اللہ ہو وہ تقرب کا باعث ہے نفقہ تو کرو مگر نفقہ میں کل کا کل لٹا نہ دو، یہ بھی اس کی رضا کے خلاف ہو گا۔اس نے تو فرما دیا ہے جیسا کہ پورا بیان ہوا کہ مقدرت جتنے کی اجازت دے اتنا ہی نفقہ کرو۔

اس کے سوا بھی عبادالرحمن کی تعریف میں اس نے فرمایا: الذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما (الفرقان)''جو نفقہ کرتے ہیں تو اس میں نہ اسراف کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا نفقہ میانہ اور معتدل ہوتا ہے۔''

صلوٰۃ وزکوٰۃ کی طرح تاکید پر تاکید کے ساتھ اللہ نے نفقہ کا حکم دیا تو اس کے انعام سے بھی باخبر کر دیا: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ (حدید:7)''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نفقہ بھی دیا تو ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' اگر ایک طرف نفقہ کا انعام ہے تو دوسری طرف اس کے نافرمانوں کی سزا بھی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (توبۃ:34) ''جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں نفقہ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔'' اگر نفقہ محکوم (تاکیدی حکم) نہ ہوتا تو اس پر عذاب کی تہدید نہ ہوتی۔

نفقہ کے احکام سے مطلع ہوئے تو اس کے مصارف بھی سمجھ لو۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ نفقہ صرف خرچ کرنے کے لغوی معنی میں نہیں مستعمل ہوا ہے، بلکہ زکوٰۃ کی طرح یہ ایک خاص اصطلاح ہے۔ اور اس لیے اس کے بھی مخصوص اخراجات ہیں جن کو اللہ نے فرمادیا ہے: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ (بقرہ: 215) "اے نبی تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا نفقہ کریں تو ان سے کہ دو کہ جو کچھ اچھے مال میں سے نفقہ کرو تو وہ ہونا چاہئے والدین، اقربا، یتیم، مساکین اور مسافروں کے لیے، اور جو نیکیاں تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔"

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ (بقرہ: 219) "تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا نفقہ کریں تو کہہ دو کہ جو بچ رہے اس میں سے۔ ایسا ہی اللہ اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے کہ تم دین و دنیا کے بارے میں فکر کرو۔" دین و دنیا کے بارے میں فکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ نفقہ ہی نہ کرو کہ دین میں گھاٹا اٹھاؤ اور ایسا بھی نہیں کہ کل کا کل لٹا کر خود محتاج بن بیٹھو کہ دنیا میں گھاٹا اٹھاؤ۔ بلکہ فاضل از احتیاج میں میانہ روی کی نگہداشت کے ساتھ نفقہ کیا کرو۔ یعنی: لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ (القصص: 77) "خدا نے جو حصہ تمہارا دنیا سے لگا دیا ہے اس کو بھول نہ جاؤ۔ اور احسان کرو جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے۔ (اس نے تمہاری احتیاج کو دیکھ کر بے مانگے تمہیں نعمتیں دی ہیں، یوں ہی تم بھی دوسروں کی ضرورت و احتیاج کو دیکھ کر بے مانگے دیا کرو) ورنہ اس کی خلاف ورزی سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے تو دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔" اگر احتیاج والوں کی خبر نہ لو گے تو وہ چوری، ڈاکہ، اور خون خراجہ پر تل جائیں گے اور اس سے فساد پھیلے گا۔ دوسرے پیشہ ور گداگروں کو تاڑی شراب افیون گانجا یا سود پر لگانے کے لیے نہ دو کہ یہ بھی فساد پھیلاتا ہے۔ ہر برے کام کی اعانت فساد پھیلانا ہے۔ اس لیے سمجھ بوجھ کر دو، اور یاد رکھو لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ (بقرہ: 237) آپس میں دے دلا کر بھلائی کرنے کو نہ

Marfat.com

بھولو۔

المختصر صدقہ میں تو ہر نیک کام داخل ہے جو کسی کے ساتھ کیا جائے، اپنا ہو، پرایا ہو، غیر قوم ہو، کوئی بھی ہو، اور کسی طرح کی بھی نیکی ہو۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف اوپر زکوٰۃ کے بیان میں بیان ہو چکے اور نفقہ کے پانچ مصارف اللہ نے فرمادیے یعنی والدین، اقربا، یتیم، مساکین، مسافر۔

قرض حسن

خداوند عالم نے بقرہ کے 36,37 ویں رکوع میں پہلے نفقہ کو بیان فرمایا ہے جس کو میں نے بیان کیا۔ اس کے بعد 38 ویں رکوع میں ربا کو بیان کیا ہے۔ پھر 39 ویں رکوع میں قرض کو بیان کیا ہے۔ مجھے بھی قرض کو ربا کے بعد بیان کرنا تھا، مگر میں قرض کو ربا کے پہلے اس لیے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس طرز بیان سے مسئلہ ربا زیادہ واضح ہو جائے گا۔

خدا نے حاجتمندوں کی مصیبتوں کا طرح طرح سے خیال کیا ہے۔ صدقہ، زکوٰۃ اور نفقہ سے جس جس طرح اس نے حاجتمندوں کی خبر لی ہے وہ بیان کی گئی۔ **وفی الرقاب** فرما کر قرض داروں کی گردنیں بھی اس سے ہلکی کی گئیں۔ مگر زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے یہ ایک مصرف ہے، یہ ایک مد صرف بلحاظ قوم کے بالکل ناکافی ہے۔ کیونکہ قرض ایسی چیز ہے کہ اسے لازمۂ حیات سمجھو۔ اس سے نہ امیر بچ سکتا ہے، نہ غریب، نہ فقیر نہ بادشاہ، نہ زمیندار نہ تاجر۔ اس لیے خداوند عالم نے قرض دینے کی طرح طرح سے ترغیب دی، اور اس کی ضرورت تھی۔ اگر قرض کا دروازہ بند کیا جائے تو کتنے زندہ درگور ہو جائیں، اور کتنی لاشیں بے کفن و دفن پڑی رہ جائیں۔ چونکہ قرض بشدت لازمۂ حیات ہے اس لیے اللہ نے ترغیب و ہدایت کی، اور جب اس نے ہدایت کی تو دین کو ترکہ پر مقدم کر کے زرقرضہ کی حفاظت بھی کی۔ یعنی حیات تک قرض دار خود ذمہ دار ہے اور بعد ممات ترکہ پر دین کو مقدم کر کے اللہ ذمہ دار ہوا ہے۔ اس کو ذمہ دار ہونا بھی تھا، کیونکہ وہ قرض دینے کی ہدایت اس شد و مد سے کرتا ہے کہ اللہ کو قرض دو قرض حسن۔ اللہ کو قرض دینے کے معنی اللہ کے بندوں کو قرض دینا ہے۔

Marfat.com

اس نے فرمایا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (مزمل: 20) ''نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ یعنی اللہ کے بندوں کو قرض دیا کرو قرض حسن۔'' قرض حسن کے معنی یہ ہیں کہ قرض پر کسی طرح کا نفع نہ حاصل کرو۔ نماز و زکوٰۃ کے ساتھ ایک حکم قرض کا دینا بھی ہے جس قرض پر نفع نہ لیا جائے، اور تشدد نہ ہو، بلکہ اس کو آسانی تک کی مہلت دی جائے، یہ مفروضہ خداوندی ہے۔

زکوٰۃ و نفقہ جو دیا جاتا ہے اس سے مالک کو تعلق نہیں رہتا، نہ وہ واپس ہوتا، نہ وصول کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ بحکم خداوندی نکالا جاتا ہے، اس لیے یہ تعمیل حکم ہے کسی پر احسان نہیں، اسی لیے احسان رکھنے سے نفقہ باطل ہو جاتا ہے، اور اسی لیے ایسا مال جس کا نفع مالک مال کو اس دنیا میں بظاہر نہیں معلوم ہوتا کم نکلتا ہے، اور خلق اللہ کی احتیاج کہیں زیادہ، اس لیے قاضی الحاجات نے قرض حسن کی راہ نکالی کہ صاحب مال کا مال بھی رہ جائے اور مخلوق کی حاجت روائی بھی ہوا کرے۔

قرض حسن کی راہ کھول کر اللہ نے قومی ترقی کی شاخیں بھی تمام دنیا میں پھیلا دی ہیں مگر سود کے چھرے نے ان شاخوں کو کاٹ ڈالا اور اتنا کہ درخت ہی کھوکھلا ہو گیا۔ اگر تجار کو ایسے روپے ملا کریں تو جو تجارت سود کے زور پر ہوگی اور مہاجن کے بھروسے پر وہ اُس کے سامنے بالیقین ماند پڑ جائے گی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ (الحدید: 11) ''ایسا کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض حسن دے، اللہ اس کو دو نا دے گا اور اسے معزز اجر بھی ملے گا۔'' تاکیداً پھر بھی فرمایا: اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمْ وَلَہُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ (الحدید: 18) ''بے شک صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں اور جنہوں نے اللہ کے بندوں کو قرض حسن دیا، تو وہ ان کے لیے دگنا ہو جائے گا اور ان کو عشرت کا ثواب ملے گا۔'' اللہ کے یہاں بھی معزز، خلق اللہ میں بھی معزز، اور جس پر قرض دے کر احسان کیا اس کے نزدیک معززتر۔

لوگوں نے اقرضوا اللہ سے اللہ ہی کو مقروض بنایا ہے مگر وہ نہ مقروض ہوتا، نہ مجبور ہوتا،

Marfat.com

نہ ایسی باتیں اس کے شایان شان ہیں۔

جس طرح اسلام کے سارے احکام صلوٰۃ وزکوٰۃ، صوم وحج وغیرہ ازلی ہیں، اسی طرح قرض دینے کا حکم بھی۔ یہ بھی کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ (المائدہ:12) ''خدا نے کہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کے بندوں کو قرض حسن دیتے رہو گے، تو ضرور ہم تم سے تمہارے گناہ اور برائیاں دور کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' لیکن بنی اسرائیل نے کیا کیا؟ جس طرح اور حکموں کی نافرمانی کی، اسی طرح اس کی بھی۔ قرض بھی دیا تو اس پر نفع حاصل کیا، جو ربا اور حرام تھا، جس کی امتناع اللہ نے فرمادی تھی، جس کا بیان ربوٰ کے بیان میں خود آئے گا۔

اے لوگو! قرض دیا کرو اور قرض حسن، کہ اخوت و ہمدردی کی پود ثمر لائے، اور احسان کی بارش سے تمہاری آخرت کی کھیتی لہلہا اٹھے۔ اس نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ[1] اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (بقرہ:245) ''کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض حسن دے کہ اللہ اس کے لیے اس کا مال کئی گنا بڑھائے گا۔ اللہ ہی تو تنگی اور فراخ بخشتا ہے، اسی کی طرف تو تمہاری بازگشت ہے۔'' ایک دن اس کے حضور میں جانا ہے وہ سوال کرے گا کہ میرا بندہ ایسی شدید احتیاج سے مجبور اور نالاں تھا تم نے میری خلافت کیسی انجام دی کہ تم اس کی مدد کر سکتے تھے کیوں تم نے مدد نہ

---

[1] بالعموم قرض حسنہ سے مرد ایسا قرض لیا جاتا ہے کہ مقروض کو اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو مگر قرآن کی جتنی آیات قرض حسنہ سے متعلق ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرض اللہ خود مانگ رہے ہیں اور بڑھا چڑھا کر واپس کریں گے تو یہ رقم دنیا میں ناقابل واپسی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (امتیاز)

Marfat.com

کی، اور اسلامی ہمدردی کا کیوں خون کیا۔ جو کچھ تمہارے پاس تھا یہ تو میں نے ہی دیا تھا، اور میں نے ہی حاجت روائی خلق کے لیے قرض حسن دینے کا فرمان بھی بھیجا تھا، پھر یہ نافرمانی کیسی۔ کیا تم سے ہم نے نہ کہا تھا: اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعِفۡهُ لَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ (التغابن: 17) ''اگر تم اللہ کے بندوں کو قرض حسن دو گے تو اللہ تمہارے لیے اس کو دو چند کر دے گا اور تم کو بخش بھی دے گا۔'' اللہ نے احتیاج و تنگدستی کا خیال کر کے قرض حسن کی راہ کھولی تو دائن کے مال کی بھی پوری نگہداشت کی، کہ حاجتمند کا کام بھی نکلے اور صاحب مال کا مال بھی محفوظ رہے۔ بقرہ کا انتالیسواں رکوع اسی بیان میں ہے۔ قرآن مجید اٹھا کر دیکھ لو، میں بلحاظ طوالت نقل نہیں کرتا مگر کسی قدر ترجمہ لکھ دینا ضرور ہے۔

''اے ایمان والو! جب قرض کا لین دین میعاد معینہ تک کے لیے کرو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور ضرور ہے لکھنے والا عدل و انصاف سے لکھے۔ جو لکھنا جانتا ہو وہ کتابت سے انکار نہ کرے اور مضمون بتائے مدیون، اور اللہ سے ڈرتا رہے، اور اس میں کانٹ چھانٹ نہ کرے، اگر مدیون کم عقل یا کمزور ہو، یا خود لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا مختار عدل و انصاف سے لکھواتا جائے، اور اس پر دو مردوں کی گواہی بنوالیا کرو، یہ نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سہی، جن کو تم پسند کرو، تاکہ اگر ایک عورت بھول جائے تو اس کو دوسری یاد دلائے۔ اور گواہ جب گواہی کو بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔ میعادی معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھ لینے میں کاہلی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ کارروائی ہے، اور گواہ کے لیے نہایت انسب، کم سے کم تم کو شبہ تو نہ واقع ہوگا۔ ہاں اگر سودا نقد ہو دست بدست تو لکھو نہ لکھو، اور سودا کرنے میں گواہ تو کر لیا کرو۔ اور گواہ یا کاتب کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے، ایسا کرنا گناہ ہے۔ اللہ سے ڈرو، وہ تم کو سکھاتا ہے اور وہ ہر چیز کا دانا بے حال ہے۔ اگر تم سفر میں قرض لو اور کاتب نہ ملے تو کچھ گروی ہونا چاہیے، جس پر قبضہ بھی ہو۔ اگر کوئی ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اس کو چاہیے کہ دوسرے کی امانت ادا کرے، اور اللہ سے ڈرے اور شہادت نہ چھپائے چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تو تمہارے حال کا کماحقہ دانا ہے۔''

اے لوگو! جہاد مالی کی ساری قسموں میں خدائی اصول کو بھولنا نہ چاہیے یعنی صدقہ، نفقہ،

Marfat.com

زکوۃ، قرض حسنہ جو کچھ دو وہ ریاکاری سے نہیں نیک نیتی سے دو، کیونکہ ہر کام کی بنا نیت پر ہے: من یرد ثواب الدنیا نوتہ منھا و من یرد ثواب الاخرۃ نوتہ منھا (مدثر) ''جیسی نیت ویسی برکت، جیسا تخم ویسا پھل۔ اسی طرح دوسرا اصول بھی نہ بھولو، کہ جو کچھ دو لوجہ اللہ دو، یہ نیت نہ کرو کہ اس احسان سے تم کو فائدہ پہنچے گا۔ لا تمنن ولا تستکثر بہ ایں نیت نہ احسان کرو کہ تمہاری بڑھتی ہوگی۔''

خدا نے قرض حسن دینے کی کس درجہ تاکید فرمائی ہے اور اپنے ساتھ منسوب کر کے قرض دے کر اس پر منافع اور سود لے کر حاجتمند مدیون کا خون چوسنے کو نہیں فرمایا کہ یہ ربا ہے۔

فامنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقرآن کلام اللہ

ربا

ربا کی حرمت بھی قرآن مجید سے صریحاً ثابت ہے۔ اللہ نے فرمایا: اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (بقرہ: 275) ''خدا نے بیع کو حلال کیا، اور ربا کو حرام'' اس کی حرمت میں تو کلام ہو نہیں سکتا، صریح آیت موجود ہے۔ رہا یہ کہ ربا تھا کونسا معاملہ جو حرام ہوا۔ ربا قومی اصطلاح ہے۔ یہ معاملہ قوم میں جاری تھا اور اس کی حرمت سارے ادیان میں تھی، اس لیے یہ کوئی نیا اور انوکھا لفظ نہیں۔ قوم اس اصطلاح سے واقف تھی، ربا کہا گیا، وہ سمجھ گئی، یہ سوال پیدا ہی نہ ہوا کہ ما الرِّبٰوا۔ نہ مخالفوں ہی نے اس کا غلغلہ بلند کیا کہ بے معنی لفظ بھی بولا جائے، اور اس کو اللہ کا حکم کہا جائے، تعجب اور حیرت ہے۔

دین اسلام ازلی تو اس کا حکم بھی ازلی۔ اصولی احکام سب دینوں میں ایک ہی تھے، تو ربا کی امتناع بھی ہر دین میں تھی۔ اللہ نے فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ (النساء: 160,161) اس آیت کے آخر ٹکڑہ سے میرا مطلب ہے۔ اللہ نے یہود کا

Marfat.com

ظلم گناہ ہے، اس میں فرمایا ہے: **واخذهم الربوا وقد نهوا عنه** ایک ظلم ان کا سود[1] خواری بھی تھا جس سے وہ منع کیے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ربا کی حرمت پہلے سے آ رہی ہے۔ اس لیے یہ لفظ مصطلح ہے، کوئی انوکھا لفظ نہیں، جس سے قوم ناواقف ہو۔ اور جب قوم واقف تھی تو اجمال نہیں حکم صریح اور واضح ہے۔

الذین یاکلون الربوا۔ جو اللہ نے فرمایا یہ بھی بتا رہا ہے کہ لوگ ربا کھاتے تھے، جب تو حرام کیا گیا۔ ورنہ ربا معلوم نہ تھا تو حرام کیا کیا گیا، صرف لفظ۔ اللہ نے فرمایا: **ذروا ما بقي من الربوا** (بقرہ: 275) ''جو سود باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو۔'' جب قوم ربا سے واقف ہی نہ تھی تو وہ چھوڑتی کیا، اور اس کے چھوڑ دینے کا حکم کیسا اور واقف تھی تو اجمال کہاں رہا۔ جیسے اللہ نے زنا، سرقہ، جھوٹ، غیبت، ظلم، صوم، صلوۃ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ کی نسبت احکام صادر کیے، اور انگریزی قانون کے مطابق تعریف کسی ایک اصطلاح کی بھی بیان نہ فرمائی۔ کیونکہ قرآن مجید مصطلحات کی کتاب نہیں بلکہ مصطلحات قوم میں نازل ہوا ہے اس طرح اللہ نے ربا کو بھی بیان فرمایا، کیونکہ قوم اس لفظ اور اس معاملہ سے کما حقہ واقف ہے۔

ایسے حال میں خلیفہ دوئم سے منسوب وہ حدیث کس طرح صحیح ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، اور ربا کا معاملہ نہ پوچھنے کے سبب ناصاف اور مجمل رہ گیا۔ حالانکہ ناصاف کیا رہا۔ ربا کا معاملہ جو قوم میں جاری تھا، اور جسے ہر کوئی سمجھتا تھا۔ اور جسے بوجہ افرادِ قوم میں سے ہونے کے خود خلیفہ دوئم نے بھی سمجھا ہوگا، وہ حرام ہوا۔ نہ اس سے زیادہ، نہ اس سے کم۔ پھر ناصاف کیا رہا۔ خدائی احکام ہرگز ناصاف نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی، فرمودۂ خلیفہ نہیں ہو سکتی۔

ربا کی نسبت جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں، بعض کی تو صحت میں کلام ہے۔ جن کی صحت میں

---

[1] لفظ سود فارسی کا لفظ ہے اس کا معنی وہی ہے جو عربی اردو میں نفع اور انگریزی میں پرافٹ (Profit) کا ہے اب اگر نفع اور پرافٹ حلال ہے تو سود کیسے حرام ہو گیا؟ قرآن نے جسے حرام بتایا ہے وہ "الربو" ہے طالب علم کی رائے میں ان اصطلاحات قرآنیہ کا ترجمہ ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ امتیاز عثمانی

Marfat.com

کلام نہیں وہ پانچ ہیں، جو حقیقت میں ربا کو نہیں بیان کرتیں۔ ان پانچوں حدیثوں کا مطلب گویا ایک ہی ہے۔ مثلاً جو بعوض جو، گیہون بعوض گیہون، سونا بعوض سونا، چاندی بعوض چاندی نہ بیچو، کیونکہ اس میں جو زیادتی ہوگی وہ ربا ہے۔" اس میں آپ نے ربا کی تعریف یا تفسیر نہیں فرمائی، بلکہ یہ حدیث بیع کی نسبت ہے ربا کی نسبت نہیں۔ دوسرے بیع جنس بالجنس بالکل مساوی تو ہو ہی نہیں سکتی یہ تو فعل لغو ہوگا اس لئے آپ نے ادھار بیع کی نسبت فرمایا ہے یعنی ادھار بیع جنس بالجنس اگر فضل وزیادتی کے ساتھ ہوگی تو وہ ربا کی علت حرمت **لا تظلمون ولا تظلمون** کی حد کے اندر داخل ہو کر بیع فاسد ہو جائے گی۔

پھر یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اگر یہ حدیثیں ربا کو بیان کرتی ہیں، تو خلیفہ دوئم سے منسوب حدیث صحیح نہیں ٹھہرتی۔ اگر وہ صحیح ٹھہرتی ہے، تو یہ حدیثیں ربا کے اجمال کی کھولنے والی نہیں ٹھہرتیں۔

مفسر حدیثیں اجمال کی کھولنے والی نہیں، اور ان کی رائے میں قرآن ٹھہرا مجمل، تو کس درجہ افسوس کا مقام ہوگا کہ جرم تو ایسا جس کا مجرم محاربہ اللہ و رسول کے لیے للکارا جائے، اور وہ جہنم میں جھونکا جائے اور اس کو جرم بتایا ہی نہ جائے کہ وہ کس ایسے جرم کا مجرم ہوا ہے جس کی یہ سزا ہے، جو سزا کافروں کی ہے۔ یہ خدائی سلطنت اور خدائی راج ہے، یا اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ خدائی احکام ایسے ناصاف نہیں ہو سکتے۔ کسی محاورہ کی تحقیق سے اگر عجز ہو، تو اس کا باعث لاعلمی ٹھہر سکتی ہے، مگر اس سے اللہ کا کلام مجمل نہ ہو جائے گا۔ معاملہ ربا کی تحقیق کرو، قرآن مجید کو مجمل کیوں کہو۔

اصطلاح ربا بھی ایک قدیمی اصطلاح ہے۔ تورات، کتاب خروج، صفحہ 25-22 "اگر تو نے شعبی فقیر کو قرض دیا جو تیرے پاس ہے تو اس سے سودخواری کا معاملہ نہ کرو، اور اس پر ربا نہ چڑھا۔" یعنی ربا قرض پر منافع حاصل کرنا تھا۔

کتاب تثنیہ میں ہے: اپنے بھائی کو ربا کی شرط پر قرض نہ دے۔

یعنی ربا قرض پر منافع حاصل کرنا تھا۔

انجیل، لوقا، درس 35، اپنے دشمنوں سے محبت کرو، احسان کرو، اور ان کو قرض دو در آں

Marfat.com

حالیکہ اور کسی قسم کی زائد امید نہ رکھو، تو تمہارا اجر بڑا ہوگا، اور تم اللہ کے بیٹے ہوگے۔" یعنی قرض پر نفع نہ لو۔ اللہ کی قدرت کہ محرف کتابوں میں بھی مصطلح الفاظ کچھ نہ کچھ رہ ہی گئے۔

تورات میں کئی جگہ ربا کی ممانعت آئی ہے۔ مثلاً **لا تقرض بربوا**۔ ربا پر قرض نہ دو، اللہ کی شان، توریت وانجیل میں حکم امتناعی رہتے ہوئے بھی ہیں دونوں قومیں رباخواری میں کامل اور مسلمانوں کی استاد نکلیں۔ خیر ان کا کیا ان کے ساتھ، میری غرض صرف اتنی ہے کہ توریت وانجیل سے قدیمی اصطلاح تو معلوم ہوئی کہ معاملہ قرض میں جو منافع حاصل کیا جاتا تھا وہ ربا کہلاتا تھا، اور وہی ممنوع ہوا۔

موجودہ توریت وانجیل سے صحیح تر تاریخ مذہبی یعنی حدیث میں بھی موجود ہے کہ حضرت ابن ابی اسامہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہ ایں عبارت روایت کی ہے کہ **النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قرض جرّ نفعًا**۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرض سے جس میں نفع جاری ہو منع فرمایا۔ ایک اور حدیث ہے۔ **کل قرض منفعة فهو ربوا**۔ ربا کی تعریف آپ نے فرمادی کہ کل قرض جس میں نفع جاری ہو وہ ربا ہے۔ کیا اس سے ربا کی اصطلاح نہیں واضح ہوتی۔

ابن جریر نے طبری میں بروایت مجاہد، نیز روایت قتادہ، روایت ابن زید، نیز تفسیر نیشاپوری، تفسیر امام رازی، اور حجۃ اللہ البالغہ میں سب نے ایام جاہلیت کا ربا جو عرب میں مروج تھا یہ لکھا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد گزر جانے پر مدیون سے مطالبہ کرتے تھے کہ یا تو روپیہ دیدو، یا راس المال سے زیادہ دینا قبول کرو تو مہلت لے لو۔ یا مدیون کہتا کہ تم میری میعاد بڑھا دو میں تمہارا مال بڑھا دیتا ہوں۔ یہی زیادتی جو زر قرضہ پر ہوتی تھی، اور یہی اضافہ جو راس المال پر ہوتا تھا ربا کہا جاتا تھا۔

تورات وانجیل حدیث وتفسیر سب نے اصطلاح ربا کو بلا اختلاف واضح کردیا کہ ربا، زر قرضہ پر منافع حاصل کرنا تھا۔ تو یہی حرام ہوا۔ اس میں اجمال کیا ہوا۔

اب قرآن مجید کی طرف توجہ کرو۔ میں ربا کے متعلق کل آیتوں کو تو لکھوں گا ہی تاکہ تدبر وتفکر

Marfat.com

میں سہولت ہو، اور حکم احکم الحاکمین منکشف ہو جائے۔ مگر ربوٰا کے قبل اور بعد کی آیتوں پر بھی توجہ کرو، تو اشارۃ النص سے ربوٰا کی اصطلاح قرآن مجید سے بھی وہی واضح ہوگی جو اوپر بیان ہوئی۔

سورہ بقرہ کے 39, 38, 37, 36 یہ چاروں رکوع قابل توجہ ہیں۔ رکوع 36، 37 میں صدقہ ونفقہ کے متعلق ترغیب وہدایات ہیں۔ رکوع 38 ربا کے متعلق ہے اور رکوع 39 قرض کے متعلق۔ صدقہ ونفقہ کا بیان ہو چکا۔ قرض کی ضرورت بھی دکھائی، اور اس کا بیان بھی ہو چکا، مگر قرض اسی وقت نفع بخش ودافع مصیبت وآلام ہو سکتا ہے جب اس پر نفع اور سود نہ چڑھایا جائے، ورنہ وہ خون آشام اور تباہ کن ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے رکوع 38 میں قرض کی ہدایت کے پہلے قرض پر منافع حاصل کرنے کو نہایت سختی سے منع فرمایا ہے کہ یہ سود ہے اس سے بچو اور اس سے بچ کر قرض دیا کرو۔ پھر زرقرضہ کی حفاظت اور وثیقۂ قرض کے متعلق ہدایتیں فرمائی ہیں۔ جو بیان ہو چکیں۔

معاملہ قرض میں ایک نیکی نہیں نیکیاں مضمر ہیں۔ راس المال قائم کا قائم، اور دوسروں کا نفع، حفاظت مال سے سبکدوشی ہوئی، اور قومی بھلائی۔ حقوق ادا ہوئے، اور حق ہمدردی ادا ہوا۔ اپنا کچھ گیا نہیں، اور مدیون پر احسان، دوسروں کے دل میں اپنی محبت پیدا ہوئی، اور اپنے کو تقرب خداوندی۔ اسی لیے قرض دینے کا اجر بھی بڑا ہے۔ اور گھر بیٹھے حج اکبر

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

پھر کوئی قرض پر سود ٹھہرائے تو ظاہرا اس وقت کام تو نکلا مدیون کا مگر درحقیقت یہ ظلم ہوا دائن کا۔ بظاہر تو رفاہ ہوا، مگر در پردہ یہ خون آشامی ہوئی۔ یہ ظلم ربا ہے، یہ ربا حرام ہونے کے لائق ہے۔ اس لیے حرام ہوا۔ اور حرمت کی علت بھی اللہ نے بتا دی: لا تَظلمون ولا تُظلمون (بقرہ:381) ''نہ تم کسی کا گھاٹا کرو، نہ تمہارا کوئی گھاٹا کرے۔'' زرقرضہ پر نفع لینا نہ اہل مال کو جائز کہ یہ ظلم ہوگا اور نہ راس المال کو ہضم کرنا یا کم کرنا مدیون کو جائز کہ یہ بھی ظلم ہو وہ بھی حرام جو مدیوں پر ظلم ہو وہ بھی حرام۔ اس لیے مدیون کو بغیر مجبوری وعدہ خلافی کرنی جس سے دائن کا نقصان ہو ظلم ہوگا اور حرام۔ قرآن مجید میں ربا کے متعلق مفصلہ ذیل آیتیں ہیں۔

1- اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

Marfat.com

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ:275) ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس شخص کے مانند کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے اپنے جھپیٹ سے خبط الحواس کر دیا ہو۔ ان کا یہ حال اس سبب سے ہوگا کہ وہ کہتے تھے کہ بیع مثل ربا کے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام۔ تو جس کسی کو اللہ کی ہدایت پہنچ گئی اور وہ ربا سے رک رہا، تو بر گزشتہ صلوٰۃ اس کا حکم اللہ کے حوالہ ہے، اور جو کوئی پھر سود کھائے گا، تو وہ اہل جہنم ہے، اور وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔'' اللہ اللہ یہ حقوق عباد کی نگہداشت ہے کہ سود خواری کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا کافر کی سزا قرار پائی ہے۔ اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(1) **یاکلون الربوا** سے واضح ہوتا ہے کہ حکم ربا مدیون کے متعلق نہیں، مدیون تو کچھ نفع کھاتا نہیں۔ البتہ دائن رائس المال سے فاضل کھاتا ہے۔ تو یہ آیت دائن کے متعلق ہوئی کہ وہ سود نہ کھائے۔ مدیون تو غرض اور ضرورت کا باوَلا قرض کا خواہاں ہوگا ہی، یہ تو دائن کو لازم ہے کہ وہ مدیون مجبور پر سود کی تلوار نہ چلائے کہ مرے پر سو درّے۔

(2) **ربوا** کے لغوی معنی زیادتی اور نفع کے ہیں، تو ہر نفع حرام نہیں، بیع کا نفع حلال ہے، اور زر قرضہ پر نفع ربا اور حرام۔ **احل اللہ البیع و حرم الربوا**۔

(3) ربا کو ممنوع فرما کر اللہ نے فرمایا: **فمن جآءہ موعظۃ من ربہ**۔ تو اللہ کی موعظت مجمل ناقابل تعمیل نہیں ہو سکتی۔ ایسی موعظت جو سمجھ سے باہر ہو رحمت نہیں زحمت ہے۔ اس لئے مسئلہ ربا مجمل اور ناصاف نہیں ہو سکتا۔

(4) پہلے جو سود کھا چکے وہ معاف، اب سے جو سود کھائے گا وہ جہنمی ہے **خلود فی النار** کا مستحق۔ اگر قرآن کو مجمل مانو، اور بالخصوص ربا کو مجمل تر تو تعجب کا مقام ہوگا کہ خدائے عادل و رحیم سود کو تو بتائے نہیں، اور سود خوار کو جہنم میں جھونک دے۔

Marfat.com

2- يمحق الله الربوا و يربی الصدقٰت والله لا يحب كل كفار اثيم (بقرہ:381)
"خدا ربا کو گھٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ناشکرے گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔" اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(1) ظاہراً ربا میں بڑھوتی ہے، مگر اس کو اللہ گھٹاتا ہے اور ظاہراً صدقہ میں گھاٹا ہے مگر اللہ اس کو بڑھاتا ہے۔

(2) سود کھانا گناہ، اور اللہ کی دی ہوئی دولت کی ناشکری ہے، تو ایسا ناشکرا اللہ کو پسند نہیں۔

اسی کفران نعمت کے سبب اوپر کی آیت میں سود خوار کو خلود فی النار کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

اسے میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ کس طرح ربا کو گھٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر ربا میں فاضل مال آتا اور صدقہ میں مال ہاتھ سے جاتا ہے۔ حقیقت میں افزایش اور بڑھتی ہاتھ سے نکلنے ہی میں ہے۔ کسان تخم نہ ڈالے، تاجر گانٹھ سے روپے نہ نکالے، تو نہ زراعت ہو نہ تجارت، کاروبار عالم ہی درہم و برہم ہو جائے۔ مال مخزونہ جو نکلے نہیں وہ بجز امیدوں کا سبز باغ دکھانے کے اور کس کام کا۔ اس میں اور مٹی میں فرق نہیں، خزانہ سے نکلا، تو عالم کی آراستگی کا باعث ہوا۔ اس لیے مال وزر کے لئے چلتا پھرتا ہی رہنا فائدہ بخش ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ زرومال جیسے کام میں لگایا جائے گا، ویسا پھل پھول لائے گا۔ اب دیکھو۔ صدقہ کیا ہے، مال لوجہ اللہ نکالنا اور ربا کیا ہے، قرض دے کر معاوضہ احسان میں مال بلاعوض للنفس لینا، اس میں رحم وایثار ہے، اور اس میں ظلم۔ صدقہ سے جس میں زکوٰۃ، نفقہ، قرض حسنہ سب داخل ہیں قوم مستفیض ہوتی ہے۔ اور قومی نفع بلاشبہ مستقل، روز افزوں، فیض بخش وفیض رسان، اور موجب برکات ہے۔ اور ربا سے اپنا نفس متمتع ہوتا ہے۔ اور نفس کا تمتع جو عدل کے خلاف ہو، جس میں امساک کی صورت، بخل کی ظلمت، ظلم کا رنگ، ہوس کی افزونی ہو، وہ شرافت کھونے والا، غیرت ڈبونے والا، زر کا غلام، اور زر پرست بنا کر، ہر طرح اور ہر پہلو سے اپنا، اپنی اولاد کا، اقران کا، پڑوس کا، قوم کا، ملک کا، اور اللہ و رسول کا حق تلف کرا کر، اور حق تلفی پر بے حیا بنا کر سب کا ہی مجرم بنا دیتا ہے۔ اس لیے خلاق فطرت نے فرمادیا۔ يمحق الله الربوا و يربی الصدقٰت۔ دیکھ لو

Marfat.com

اخلاق وتمدن کا کہاں تک خون ہوا۔ بھائی بھائی سے، بیٹا ماں باپ سے سود لینے لگا، کہتے ہیں کہ قرض بے سود کوئی کیوں دے، اور ماں باپ کو بے سودی دے کر بھائی بہنوں کا نفع کوئی کیوں کرے۔ کیا ایسی چال سے خاندان تباہ وبرباد نہیں ہوتا۔ بینکوں پر خیال نہ کرو۔ یورپ کے بینک تو تجارتی اصول پر کھلے ہیں، وہ روپے لیتے ہیں، تجارت میں لگاتے ہیں، اور مزید منافع حاصل کرتے ہیں، روپے جمع کرنے والوں کو منافع دیتے ہیں۔ تاجر بھی اپنے مزید فوائد کے موقع پر اس سے روپیہ لیتا اور فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے سوا بینکوں کے ذریعہ سے اور بھی سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن مہاجنوں کی کوٹھیاں جو قرض دینے اور سود کھانے کے لیے قائم ہوتی ہیں، کوئی بھی کامیاب نہ ہوئیں۔ کتنے گھرانوں کو تباہ کر کے میری آنکھوں کے سامنے کتنی کوٹھیاں تباہ ہو گئیں۔ بجائے اس کے کہ ان کوٹھیوں سے وہ امیر الامرا ہوتے، ان کا دیوالیہ ہی نکل گیا۔

3- وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾ (روم:39) ”جو تم سود لاتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتی اور ترقی ہو تو اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا۔ ہاں جو تم زکوٰۃ لوجہ اللہ دیتے ہو تو یہ البتہ دو گنے ہوتے ہیں۔“ ربا سے قومی ترقی نہیں ہوتی، ہاں زکوٰۃ و صدقہ اور نفقہ کا قومی فنڈ البتہ قومی ضرورتوں کا کفیل، اور قومی مشکلوں کا مشکل کشا ہے۔ زکوٰۃ ونفقہ کے فنڈ کا روپیہ کسی مدیون نے واپس نہ بھی کیا تو عدول حکمی نہ ہوگی، اللہ اور قوم کے نزدیک وہ برا ہو گا، مگر اس سے قومی ترقی میں رکاوٹ نہ ہوگی، نہ قومی خزانہ خالی ہو جائے گا۔

4- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ (بقرہ: 280-278)

”مومنو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو۔ اگر تم کو ایمان ہے۔ اور ایسا نہ کرو تو اللہ اور رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر توبہ کرو تو تمہارا راس المال ہی ہے زیادہ نہیں۔ نہ تم

Marfat.com

کسی کا نقصان کرو نہ تمہارا کوئی نقصان کرے۔ اور اگر مدیون تمہارا غریب و مفلس ہو تو اسے سہولت تک کی مہلت دو کہ وہ با آسانی ادا کر سکے۔ اور اگر چھوڑ ہی دو تو کیا کہنا یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔'' اس آیت سے مفصلہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(1) ربوا حرام ہوا تو اب تک جس کا سود کسی کے ذمہ باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دے اور پھر کبھی سود نہ کھائے۔

(2) کوئی کسی کو قرض دے تو زر قرضہ اس کا راس المال ہے اسی کا وہ مستحق ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

(3) ربا کی حرمت کی علت اللہ نے بتا دی **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔ یہی اصول ہے جس پر حرمت ربا کی بنیاد ہے۔ اس اصول کو اصول اخلاق پر بھی جانچو تو پتہ لگے گا کہ اللہ کے اصول کی کڑیاں قانون فطرت کی ایک مسلسل کڑی ہے۔ اصول اخلاق جو اللہ نے تعلیم کیا ہے وہ میں نے منہاج الحق میں اخلاق کی زیر سرخی بیان کیا ہے کہ وہ نعمائے الہیہ کا صحیح استعمال ہے۔ **لتسئلن یومئذ عن النعیم۔** خداوند عالم نعمائے الہیہ کے جائز و ناجائز استعمال کا سوال کرے گا۔ نعمتوں میں سب ہی داخل ہیں۔ ہماری طرح قوتیں ہوں تو، مال و دولت ہو تو، غرض انہیں نعمتوں میں ہمارے ساری صفات بھی داخل ہیں، جن میں صفت عدل و رحم بھی ہے، جس کی پناہ میں دنیا چل رہی ہے، گرچہ نفسانی خواہشوں میں آ کے خلاف ورزی بھی کر جاتی ہے۔ تو جس طرح جان کے بدلے جان، مال کے بدلے مال، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت عدل و انصاف کا حکم ہے، اسی طرح عدل و انصاف یہی ہے کہ جس قدر مال قرض دو اسی قدر واپس لو، اس سے زیادہ نہ لو۔ مجبور ہو کر تو اس نے قرض لیا مجبور پر اور جبر کیسا۔ ہاں رحم کا یہ اقتضا ہو سکتا ہے کہ کچھ لو ہی نہیں اور مجبور کو معاف ہی کر دو۔ ضرورت کے بدلے مدیون کو قرض دے کر زیادہ لینا سراسر خلاف عدل اور بے رحمی ہے۔ اصول ربا اور اصول اخلاق دونوں کے خلاف، عدل کا اقتضا مساوات کا ہے اور رحم کا اقتضا معافی کا۔ یہی

Marfat.com

اصول دنیا کے ہر کام میں جاری وساری ہے۔

(4) اگر تمہارا مدیون غریب ومفلس ہوتو اسے فراخی تک کی مہلت دو، اور اس کی مجبوریوں پر رحم کھا کر چھوڑ ہی دو تو کیا کہنا۔ اللہ تو مدیون پر رحم کھا کر مہربانیاں کررہا ہے، اور دائن چاہتا ہے راس المال سے زیادہ لے کر ظلم کرنا، یہ کب روا ہوسکتا ہے۔

(5) یہ آیت ربا کے متعلق ہے تو اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ربا کا معاملہ قرض میں ہوتا تھا جیسا کہ اصطلاح ربا کی تحقیق اوپر بیان ہوئی۔

(6) یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ ربا غریبوں ہی سے لینا حرام ہے امیروں سے نہیں کیونکہ اللہ کا کوئی حکم بھی امیر وغریب کے تفرقہ کے ساتھ نہیں آیا۔ ربا حرام قطعی ہے چاہے مدیون امیر ہو یا غریب، عام طور پر ربا حرام کر کے اللہ فرماتا ہے۔ **وان کان ذو عسرۃ** اگر مدیون تنگ حال ہو تو اس کو فراخی تک کی مہلت دو وغیرہ وغیرہ۔ اگر ربا غریبوں ہی سے حرام ہوتا تو اللہ "وان کان ذوعسرۃ" نہ فرماتا۔

5- **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٣٠﴾** (ال عمران:130) "ایمان والو! سود درسود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" سود کو اصل میں ملا کر اس کا بھی سود لینا **اضعافا مضاعفه** سود درسود ہے۔ لوگ سود کھاتے تھے اور سود درسود بھی کھاتے تھے۔ اللہ نے اسے بھی مخصوص کر کے حرام کیا۔ کیونکہ سود گناہ ہے تو سود درسود گناہ عظیم ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اللہ نے جہاں جہاں سود حرام کیا تمام جگہ اس سے مراد سود درسود ہے۔ صریح آیتوں میں بھی مراد لینے کی ایک ہی کہی یعنی سود درسود حرام ہوا اور سود حلال ہو جائے اسی طرح حلال کیا ہوگا یہودیوں نے، جو بجرم ربا مستحق عذاب ٹھہرے۔

جو کچھ میں نے لکھا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

Marfat.com

ربا[1] معاملہ قرض میں ہوتا ہے۔ زرقرضہ راس المال ہے اس کا لینا جائز اور اس پر نفع ربا ہے اور ربا حرام۔ یہ سارے امتناعی احکام یعنی حرمت ربا اور اس کی سزا سب ظالم دائن کے لیے آئے ہیں جو راس المال سے فاضل لے کر مدیون پر ظلم کرتا ہے اور مدیون تو ظالم نہیں، وہ تو مظلوم ہے، وہ سود خوار نہیں۔ سود خوار جہنمی ہے۔ ربا کی حلت حرمت بیان ہوئی: **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ تم کسی کا گھاٹا کرو نہ تمہارا کوئی گھاٹا کرے۔ مدیون مفلسی اور تنگی میں ہو تو اس کو فراخی تک کی مہلت دو، اور معاف ہی کر دو تو سبحان اللہ۔ سود در سود نہ کھاؤ یہ بھی حرام ہے۔

دیکھو احکام خداوندی سے واقف ہونے کے بعد قرض پر نفع لے کر سود خوار نہ بنو۔ اور اللہ کا الٹی میٹم: **فأذنوا بحرب من الله و رسوله** کو بھول نہ جانا۔ اور یہ خیال نہ کرنا کہ ہم کسی کو قرض کیوں دیں کیا اللہ نے نہیں فرمایا: **واقرضوا الله** یہ سمجھنا کہ ہم کسی پر احسان کیوں کریں کیا اللہ نے نہیں فرمایا: **لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ** (بقرہ:237) ''آپس میں ایک دوسرے پر احسان کرنا نہ بھولو۔'' پھر احسان بھی خود غرضی سے نہ کرنا **لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ** (مدثر:6) بہ ایں نیت احسان نہ کرو کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔

احکام قرآنی جو بیان ہوئے وہ صاف اور واضح ہیں۔ نہ مجمل ہیں نہ ناکافی ہیں، نہ ناقص ہیں، نہ محتاج تفسیر، تو ان احکام کو نہ گھٹاؤ نہ بڑھاؤ، کیونکہ اس کے تم مجاز نہیں۔

اب معاملات کی نت نئی صورتوں کو احکامات پر تول لو، پرکھ لو، نہ نفسانیت سے ناجائز کو جائز کرو، نہ تورع کا نام لے کر جائز کو ناجائز کرو اور اپنے کو متقی جتاؤ۔ اللہ کے خالص بندے ہو کر اس کے حکم کو پیش نظر رکھو، پھر ایمان جو فیصلہ کرے اس پر عمل کرو۔ میں ہر معاملہ کی نسبت اپنی رائے لکھوں تو وہ شخصی رائے ہو گی جس کی پابندی کسی کو لازم نہیں، وہ ایک انسان کی رائے ہو گی جو خطاو

---

[1] قرض میں بھی ربا صرف اس وقت حرام ہوتا ہے جب قرض لینے والا صدقات وخیرات کا مستحق ہو کیونکہ قرآن میں ربا، صدقہ وزکوٰۃ کی ضد کے طور پر آیا ہے۔ سورہ روم 39، بقرہ 276 لہٰذا تجارت کی غرض سے لیے قرض پر نفع لیا دیا جا سکتا ہے۔ قرآن میں ربا زکوٰۃ کی ضد کے طور پر آیا ہے، چنانچہ زکوٰۃ، صدقات کے مستحقین کو قرض دے کر اگر نفع لیا جائے تو صرف وہی ''الربا'' ہے جسے قرآن نے حرام کیا ہے۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

نسیان سے مرکب ہے۔ مگر چونکہ بہت سے معاملات لوگوں نے ربا میں داخل کیے ہیں اور اسکو تورع اور احتیاط سمجھا ہے، جس سے جائز ناجائز ہو جاتا ہے، یا آج کل کے جدت پسند ربا کے جواز کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، اور یہ دونوں روش اللہ کے صریح فرمان کے مقابلہ میں صحیح نہیں ہے۔ اس لیے چند مشہور معاملات کی نسبت میں کچھ بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی طرف سے کچھ مفتی تو ہوں نہیں جو فتویٰ دوں مگر جب اللہ کے احکام صریح اور صاف ہیں تو فتویٰ کی ضرورت بھی نہیں۔

کسی کو روپیہ قرض دینا جس پر کچھ بھی نفع ٹھہرایا گیا ہو، صریح ربا[1] اور قطعی حرام ہے۔ اور مدیون پر ظلم۔ رہن رکھ کر بھی قرض بالمنافع دینا قطعی ربا اور حرام ہے۔

معاملات تجارت میں روپیہ فی الحقیقت قرض نہیں دیا جاتا، گرچہ وہ قرض بولا بھی جائے، بولنے سے حرام و حلال نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تجارت کی ایک گونہ شرکت ہے، اور جو سود مقرر ہوتا ہے گرچہ وہ بلفظ سود[2] ہو، مگر وہ سود نہیں ہے، بلکہ وہ نفع تجارت ہے جو منقح ہوتا ہے، اور قرآن مجید میں تنقیح نفع تجارت کہیں ممنوع اور حرام نہیں ہے۔ اور ممنوع کیوں ہو، اس لیے کہ اگر کوئی تجارتی حساب و کتاب سے ناواقف ہو، یا کوئی بیوہ بے کس عورت، یا کوئی یتیم تجارت میں شریک ہو، اور وہ تجارتی حساب سمجھنے کے نااہل ہو، اگر وہ نفع تجارت منقح و مشخص کر لے مثلاً سو روپے میں اتنا منافع ہم لیا کریں گے۔ اور فاضل نفع یا گھاٹا تمہارا، تو یہ کسی آیت کی رو سے ناجائز اور حرام نہیں، اور حرام کرنے کا حق اللہ ہی کو ہے۔ اس لئے تجارتی کاروبار میں قرض نہیں ہے تو اس میں ربا بھی نہیں مثلاً بینک یا لائف انشورنس کمپنی یا کوئی کمپنی ہم سے قرض مانگنے نہیں آتی، نہ ہم زبردستی قرض دینے جاتے ہیں، تو اگر بینک میں فکسڈ ڈیپوزٹ ہم نے روپیہ جمع کیا، یا کسی کمپنی میں روپیہ لگایا یہ معاملہ قرض نہ ہوا، وہ تجارت میں روپیہ لگاتی اور نفع کرتی ہے، اگر اس نے ہمارے روپے کا منافع مقرر کر دیا تو یہ منقح نفع تجارت ہے، سود کیوں ہونے لگا، کس اصول پر، یہ تو ربا کی علت حرمت میں بھی

---

[1] یعنی مستحق صدقہ وزکوٰۃ کو۔ (امتیاز عثمانی)

[2] سود اور نفع ایک ہی ہیں اصل میں شیخ کہنا چاہ رہے ہیں وہ سود یا نفع ہے الربا نہیں۔ (امتیاز عثمانی)

Marfat.com

نہیں آتا۔ ایسے معاملات میں کسی کا گھاٹا نہیں، بلکہ دونوں کا نفع ہوتا ہے۔

ہنڈی جو تجارتی ہوتی ہے اس کا سود تو روپیہ پہنچا دینے کی مزدوری ہے، اس کے لیے لفظ سود مستعمل ہے۔ ہاں قرض کے کاروبار جو بذریعہ ہنڈی یا ہینڈ نوٹ کے ہوتے ہیں اس کا منافع قرض اور ربا ہے۔ ناجائز ہے۔

تفصیل کی ضرورت نہیں، معاملات کی بہت سی مثالیں ہیں، اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ معاملہ قرض پر نفع لینا ربا ہے اور حرام۔ ہر معاملہ کو اسی اصول پر رکھ لو، مگر کج بحثی سے نہیں ایمان کے ساتھ نہ ہر معاملہ روپے کا قرض ہے، نہ ہر نفع ربا ہے، نہ مدیون پر ظلم ہونا چاہئے، نہ دائن پر۔

قرآن مجید میں مدیون، یا گواہ، یا وثیقہ نویس، اللہ نے کسی کو جہنم میں نہیں جھونکا۔ اب تم جھونکو تو زانی کرایہ دار کے مالک کو اس کے کوچوان، اور اس کے معالج اور دوافروش کو بھی جہنم میں جھونکو۔ تو یہ تمہارا غرور ہوگا۔ جس کو اللہ نے اپنے کلام میں جہنمی نہ کہا ہو، اور جس کو وہ جہنم میں نہ بھیجے وہ کسی کے جہنم میں بھیجنے سے جہنم میں نہ جائے گا، اگر یہ کہا جائے کہ اللہ نے تو جہنم میں نہ بھیجا اس کی کوئی آیت نہیں، مگر ان کو رسول نے جہنم میں بھیجا ہے کیونکہ حدیث میں ہے، تو یہ حدیث صحیح نہ ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف ورحیم ہیں جہنم میں بھیجنے والے نہیں۔

بعض علما نے غیر مسلم سے دارالحرب میں سود لینا جائز کہا ہے۔ میں نے قرآن مجید میں اس کا کھوج لگایا تو دارالاسلام اور دارالحرب کے جھگڑے تو مجھے قرآن مجید میں نہ ملے، ہاں غیر مسلم سے جواز ربا کا کچھ پتہ لگا۔ ممکن ہے کہ اسی بنا پر انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہو۔ یعنی حرمت ربا دائن کے لیے ہے جو سود کھاتا ہے، اور غیر مسلم اس کا پابند نہیں ہوسکتا، وہ قرض بالمنافع دے گا اور سود کھائے گا ہی۔ اور محتاج اور ضرورت کا مارا مدیون جس کو سود لینے کی امتناع نہیں ہے وہ لے گا ہی کیونکہ اللہ نے مدیون کے لیے کوئی امتناع نہیں فرمائی چونکہ وہ ضرورت کا زخمی ہے۔ تو جہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہوں تو غیر مسلم ہتھیار بند ہوگا اور مسلم نہتا۔ اس لیے ان علما نے ناگزیر مجبوریوں کو دیکھ کر غیر مسلم سے سود لینا بایں دلیل جائز کیا ہوگا جو اللہ نے فرمایا: **فان اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم**۔ اگر وہ تم پر حد سے تجاوز کرے تو تم بھی ویسے ہی اس پر حد

Marfat.com

سے تجاوز کرو جیسا اس نے تجاوز کیا، غیر مسلم نے خلاف حکم خداوندی جو نا جائز اور تباہ کن تلوار اٹھائی تو اس کا جواب بھی ویسی ہی تلوار سے دو۔

والحرمٰت قصاص ترکی بترکی جیسے ماہ حرام یا حرم میں کوئی مقابلہ کرے، تو باوجود امتناع کے ماہ حرام ہی میں یا حرم کے اندر ہی مقاتلہ کا تم کو بحکم خداوندی جواب دینا چاہیے۔ بس انہیں اصولوں پر، اور انہیں آیات واحکام کی بنا پر ان علماء نے کفار ومشرکین کو سود دینا جائز کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو یہ سود کا جواز نہیں بلکہ حملہ کا جواب ہے، اور ظلم کا بدلہ۔

مسلمانو! قوم یہود صرف اس وجہ سے مغضوب نہ ہوئی کہ اس نے حرام کو حلال کیا تھا، بلکہ اس کا جرم یہ بھی تھا کہ اس نے حلال کو بھی حرام کیا تھا۔ خداوند عالم نے یہود کا تجاوز عن الحل ہونا بتایا ہے تا کہ تم ویسے نہ بنو۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ بلا شرکت نفس اللہ کے خالص بندے ہو کر اس کے احکام کو سمجھیں، اور ان کی تعمیل بلا چوں وچرا کریں۔ نہ حرام کو حلال کر کے آزادی دکھائیں، اور نہ حلال کو حرام کر کے تورع جتائیں، تورع تو حرام وممنوعات سے بچنے کا ہی نام ہے۔ بندہ کو بندگی چاہیے، نہ حد بندی توڑنا۔ تفقہ دین میں سمجھ پیدا کرنے کا نام ہے، نہ حلال کو حرام کرنے کا۔ کسی چیز کو حرام کرنے کا اللہ کے سوا کوئی مستحق ومجاز نہیں تو اللہ کی قائم کردہ حد بندی کو نہ توڑو۔ نہ ربا کو حلال کرو، نہ معاملات جائز کو ربا کہہ کے حرام۔ واللہ علی ما نقول شہید۔ وکفی باللہ شہیدا۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

باب ششم

وصیت

وصیت کی نسبت اللہ نے فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:180) ''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب کسی کے آگے موت آ کھڑی ہو، تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو والدین اور اقربا کے لئے بھلائی کے ساتھ وصیت کر جائے۔ یہ پرہیز گاروں پر حق ہے۔''

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ:240) ''جو لوگ تم میں بیویاں چھوڑ کے مرنے لگیں تو وہ اپنی بیوی کے لئے ایک سال تک گھر سے نہ نکالنے کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کر جائیں۔''

تاکہ ان کو موقعہ ملے کہ وہ بہ اطمینان اپنا دوسرا آسرا تلاش کر سکیں، تا کہ ان کو موقعہ ملے کہ وہ اپنا جائز ترکہ حاصل کر سکیں، اور تا کہ یکا یک وہ بے خانماں نہ ہو جائیں۔

یایھا الذین امنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت الخ آخر رکوع تک وصیت کی گواہی کے متعلق ہے۔ سارا رکوع لکھنے میں طوالت ہو گی، قرآنِ مجید ہر کسی کے پاس موجود ہے وہ دیکھ لے۔ مگر ترجمہ کسی قدر لکھ دینا ضرور ہے ''مومنو! جب کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہو تو وصیت کرتے وقت دو معتبر شخصوں کی گواہی ضرور ہے، اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت آ پڑے تو تمہارے سوا دو غیر شخص گواہ ہوں۔ اگر تم کو شک ہو تو نماز کے بعد ان دونوں کو کھڑا کرو کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں۔ اس طرح کہ ہم اپنی قسم مال پر نہیں بیچتے ہیں۔ اگر چہ وہ ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو، اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے، ایسا کریں تو بے شک ہم گناہ گار

Marfat.com

ہیں۔ پھر اگر خبر ہو جائے کہ یہ دونوں حق کو چھپا کر گناہ گار ہوئے تو اور دو شخص قریبی رشتہ داران میں سے جن کا حق دبایا گیا ہے ان کی جگہ پر کھڑے ہوں، اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ معتبر ہے پہلوں کی گواہی سے ہم نے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ ایسا کریں تو ہم بے شک ظالم ہیں۔ ایسا کرنے سے امید ہے کہ وہ ٹھیک گواہی دیں۔ یا اس سے ڈریں کہ ان کی قسموں سے ہماری قسمیں رد کر دی جائیں'' (المائدہ: 106،107) **اذا حضر احدکم الموت** کے معنی یہ ہیں کہ جب موت کا خیال ہو، تیقن ہو جائے۔ پیری کے سبب سے بیماری کے سبب سے یا ہیضہ و طاعون کی گرم بازاری کے سبب سے، یا اللہ کی قدرتوں اور بے نیازیوں کو دیکھ کر یا اس عالم فانی کی دگرگونی اور نیرنگیوں کو، یا کسی سبب سے سہی جب موت کا خیال پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ اگر وہ کچھ مال رکھتا ہو تو اقربا اور والدین کے حق میں وصیت کر جائے اور بیوی کے لئے حسن سلوک اور ایک سال تک گھر میں رہنے دینے کی فاضل وصیت۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وصیت کسی کارِ خیر کے لئے نہیں ہے۔ کارِ خیر جو کرنا چاہو کر جاؤ تمہارا عمل تمہارے ساتھ۔ دوسروں کے سر کیوں تھوپ جاؤ، وہ کرے نہ کرے، اور کرے بھی تو ریاکارانہ یا فاسقانہ بنا کر اسے بے اجر کر دے، نیکی برباد گناہ لازم۔ بلکہ وصیت تو ورثا کے لئے ہے، جیسے وراثت ورثا کے لئے۔ مگر وصیت اور وراثت میں فرق یہ ہے کہ موصی (وصیت کرنے والا) حصص وراثت کا پابند نہیں، جس وارث کو ضرورت ہو اور جس انداز کی ضرورت ہو، یا جس کو جتنا کچھ دینے کی مصلحت ہو اس کو اتنا دینے کی وصیت کر جائے۔ وصیت نہ کر سکا یا وصیت سے کچھ بچ رہا تو وراثت کے لئے حصص مفروض ہیں۔

وصیت کا حکم جو اس شدومد سے دیا گیا کہ **کتب علیکم** اور **حقًا علی المتقین** اور اس کی شہادت کے متعلق اتنا کچھ نظم کیا گیا تو یہ کچھ لغو اور بیکار نہ تھا۔ مگر قوم نے اس کے راز کو نہ سمجھا اور ان ساری آیتوں کو وراثت کی آیت سے منسوخ کر دیا، درانحالیکہ وراثت کی تینوں آیتوں میں تینوں جگہ بعد وصیۃ ہے۔ یعنی ناسخ آیتیں منسوخ آیتوں کی موید اور موکد ہیں۔ اللہ نے تو وصیت کو ترکہ پر مقدم کیا ہے اور قوم نے حدود اللہ کو توڑ کر دو حصہ حکم کا اٹھا دیا ہے کہ وصیت ثلث میں ہے

Marfat.com

اور یوں آیات وصیت کو بیکار کر دیا۔ معلوم نہیں اللہ کو اتنا کچھ کلام بیکار ہی کر دینا تھا تو فرمایا ہی کیوں تھا، کس مصلحت سے اور کس پالیسی سے، کون سی شدید ضرورت اور مجبوری آپڑی تھی کہ چند دنوں کے لئے وصیت کا حکم دیا گیا اور اس مہتم بالشان صورت سے کہ کتب علیکم اور حقًا علی المتقین اور پھر کیوں ایک لفظ ثلث کا نہ بڑھا دیا کہ وصیت ثلث میں جاری ہوگی تا کہ متواتر غیر متواتر کا محتاج نہ ہو، اور اپنے احکام میں ناقص نہیں کامل ہو۔ اس ناسخ و منسوخ کے خیال نے تھوڑی آفت نہیں ڈھائی، اللہ جانے کتنی آیتوں کی حق تلفی کی، اور کتنی آیتوں کی عدول حکمی۔ کیا وصیت کو ثلث میں محدود کرنا جس کو اللہ نے نہ کیا اس کے حکم سے عدول نہیں ہے اور عدول کہتے ہی کسے ہیں۔

وصیت کا حکم وراثت سے نہیں اٹھ سکتا، یہ دونوں دو الگ حکم ہیں۔ وصیت کا حکم مالک مال کو ہے اور وراثت کا حکم وارثوں کو۔ وصیت یہ ہے کہ مال مملوکہ والدین اور اقربا کے حق میں اس طرح تقسیم کرو جس طرح تقسیم کرنا اقتضائے وقت سمجھو اور وراثت یہ ہے کہ مال متروکہ والدین اور اقربا کے حق میں اس طرح تقسیم کیا جائے جس طرح اللہ نے مالک کا تقسیم نامہ نہ پا کر تقسیم کر دیا ہے۔ وصیت مالک مال کے مرنے کے بعد وصیت نہ کر جانے یا وصیت سے فاضل مال بچ رہنے کی صورت میں اللہ کا حکم ہے۔ وصیت میں حصص کی پابندی نہیں اور وراثت میں حصص مفروض ہیں۔ دو طرح کے الگ الگ احکام کو ناسخ و منسوخ قرار دینا ایک حکم کو اٹھا دینا ہے۔ ہاں تعمیل دونوں کی بعد ممات مالک کے مال سے ہوتی ہے۔ تعمیل کبھی ہو، مگر دونوں دو حکم اور دو ہدایت ہیں، اس لئے وصیت کی آیت کو وراثت سے منسوخ کرنا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے۔

انسان اپنی حیات تک اپنی چیزوں کا مالک ہے۔ خلفا نے کل یا آدھا، تھوڑا یا بہت راہِ اللہ میں لٹا دیا تو کس نے روکا۔ جیتے جی بیٹا باپ کے مال کا سہیم و شریک نہیں ہو جاتا۔ ہر شخص اپنے مال کا مالک مستقل ہے۔ اللہ کی کوئی آیت اس حق کو چھیننے والی نہیں ہے۔

ہاں جب موت آ کھڑی ہو، اور یقین آئے مرنے کا اور اس کی اولاد بھی ہو جو کمزور و ناتواں ہو محتاج مدد تو اس وقت حقوق اولاد رکھتے ہوئے یہ جائز نہ ہوگا کہ کل کا کل لٹا دو، جو اس کو ضرر رساں

Marfat.com

ہو، اللہ نے اس کمزور مخلوق کا خیال کر کے فرمایا: وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ (النساء:10،9) ''جو لوگ اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑ مریں جن سے وہ اندیشہ مند ہوں تو چاہیے کہ وہ ڈریں اور اللہ کا خوف کریں اور عدل وانصاف کی بات زبان سے نکالیں۔ بلاشبہ جو لوگ یتیم کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ آگ ہی نگلتے ہیں اور جہنم میں جائیں گے۔'' نہ تو یہ جائز کہ اولاد کے ہوتے سب لٹا دو اور اپنی کمزور اولاد کو محروم کر دو کہ وہ محتاج ہو جائے اور ماری ماری پھرے اور نہ کسی کو یہ جائز کہ یتیم کے مال کو نقصان پہنچائے۔ اس سے سمجھو کہ اللہ ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ورحیم ہے۔

اسی لئے اللہ نے وصیت کا حکم دیا کہ ہر شخص مرتے وقت اپنے مال کو والدین اور اقربا کے حق میں وصیت کر جائے۔ بالمعروف یعنی بہ نیت بھلائی۔ بھلائی کے معنی یہ کہ جس جس کو جتنا کچھ دینے کی ضرورت ہو اتنا کچھ انہیں دینے کی وصیت کر جائے۔

خدا نے فرمایا: **اباؤكم و ابناؤكم لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعا** باپ اور بیٹے میں کون بلحاظ نفع کے قریب تر ہے تم نہیں جانتے۔ سچ ہے باپ بیٹے پر سو جان سے قربان ہوتا ہے اور بیٹا تغافل کیش۔ بیٹے کے مقابلہ میں والدین کی شان محبی ہے اور والدین کے مقابلہ میں بیٹے کی شان محبوبی۔ کون ہے جو ہمیشہ کے لئے والدین سے فیض یاب نہیں، اور کتنے ہیں جو بیٹے سے فیض یاب ہیں۔ اسی لئے حقوق کی ادائیگی کی ساری صورتوں میں اللہ نے خصوصیت کے ساتھ والدین ہی کو فرمایا ہے۔ نفقہ ہو تو، وصیت ہو تو وراثت ہو تو تمام خصوصیت ہے۔ مرتے وقت والدین کی پیری اور مجبوریوں اور حقوق پرورش وتعلیم وتربیت کا خیال کر کے ضرور ہے کہ وصیت میں پہلے والدین کا خیال کرے، اس لئے اللہ نے پہلے والدین ہی کو فرمایا کیونکہ پیری آئی، آنکھیں گئیں دانت ٹوٹے، قویٰ نے جواب دیا، پیری وصد عیب سو مرض نے آ گھیرا اور سر پر سو طرح کے بوجھ آ پڑے۔ پھر اولاد بعض جوان ہوتی ہے، اپنے پاؤں چلنے والی تعلیم وتعلم، شادی

Marfat.com

بیاہ سے فارغ، بعض تعلیم و تربیت کی محتاج، بعض پرورش تک کی محتاج، بعض شیر خوارہ، بعض بے ماں کی یتیم چھوٹی اتنا احتیاج میں بڑی۔ اسی لئے اللہ نے وصیت کی راہ کھولی کہ مرنے والا ان باتوں کو خیال کر کے جس کو جتنا کچھ دینے دلانے کی ضرورت ہو اتنا دے دلا جائے۔ اگر سب کو مساوی بانٹ دیا جاتا تو بے ضرورت کو بے ضرورت ملجاتا اور محتاج کی ضرورت رفع نہ ہوتی۔ یہ ضرورت ہے وصیت کی۔

خداوند عالم جو بوڑھوں، مجبوروں، یتیموں کا والی ہے اس نے وصیت کا حکم دیا اور کس طرح وصیت کرنی چاہیے اس کے مالہ وما علیہ سے مطلع کر دیا۔ اس نے ضعیف والدین کا خیال کیا، تو کمزور اولاد کا بھی۔ مجبوروں کی مجبوریوں کا خیال کر کے اس نے مجبوروں کی رکھوالی کی اور وصیت کا حکم دے کر کہ جو زیادہ مجبور ہو اس کا زیادہ خیال کیا جائے، تمدن کی بنا مستحکم کی۔ اس کا شکر بندوں نے یہ ادا کیا کہ حکم کو کم و بیش کر کے ثلث میں وصیت جاری کی۔ کیا یہ محدود کر دینے سے اللہ کی حد بندی نہ ٹوٹی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی حدیث ہو نہیں سکتی جو اللہ کی حد بندی کو توڑنے والی ہو۔ آپ نے خدائی قانون نافذ کیا ہے اس کی اصلاح نہیں کی ہے۔

پھر اگر کوئی وصیت نہ کر سکا تو مجبور ماخوذ نہیں ہوتا۔ مثلاً یکا یک مر گیا۔ یا وصیت کا ارادہ ہی کرتا رہا اور ارادہ پورا نہ کر سکا۔ یا وصیت کی بھی تو وصیت سے مال بچ رہا۔ تو وراثت کا قانون اللہ نے ان صورتوں کے لئے دے دیا ہے۔

اصل شے وصیت ہے اور وراثت، بحالت مجبوری، وصیت نہ ہونے یا وصیت سے مال کے بچ رہنے کی صورت میں ہے۔ پھر اگر کوئی وقف علی الاولاد کر جائے، یا کوئی کمپنی اولاد کی کھول جائے کہ اصل مال تقسیم نہ ہو اور زر منافع تقسیم ہوتا رہے، تو اپنے مال کا مالک و مجاز ہے اس کا ایسا کرنا جائز ہوگا۔ قرآنِ مجید نے اس کا حق ملکیت کسی طرح چھینا نہیں ہے اس کی آزادی کو محدود نہیں کیا، پھر دوسرا کون ہے جو اللہ کے دیے ہوئے اور مجاز کردہ اختیارات کو چھینے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وصیت غیر مضار ہونی چاہیے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے، کیونکہ نقصان پہنچانا ظلم ہو جائے گا اور ظلم حرام۔ مثلاً یہ وصیت جائز نہ ہوگی کہ مجبور اولادوں کو محروم کر کے ایک بڑے بیٹے کے لئے کل

Marfat.com

مال کی وصیت کر جاؤ کہ ریاست اور گدی قائم رہے اور باقی اولاد محتاج ہو کر در در گدا ہو، بعض محتاج پرورش ہی مر جائے، یا جاہل رہ کر جیل آباد کرے، یہ وصیت غیر منصفانہ ہوگی، ایسا کرنے سے عدل و انصاف کا رحم و کرم کا خون ہو جائے گا اور وصیت کی راہ جو مجبوریوں ہی کے خیال سے کھولی گئی ہے وہ بیکار ہو جائے گی اور ضرر رساں۔

خدا نے وصیت فرض کی اور پھر ورثا پر اس کی تعمیل فرض کی کہ پہلے وصیت پر عمل کرلو پھر ترکہ تقسیم کرو۔ بندوں کو اس کی تعمیل چاہیے نہ اس کی حد بندی کرنی جس نے وصیت بالمعروف کی، اس نے حکم وصیت کی تعمیل کی اور اللہ کو راضی کیا۔ اللہ نے بھی اپنے حکم سے ورثا سے تعمیل کرا کے مرنے والے کی دلجوئی کی اور مطمئن کیا۔ صدقے اس کی مہربانیوں کے جو قدم قدم پر سایہ فگن اور بے غایت و بے حد ہے۔ تلک حدود اللہ۔ یہ حدود اللہ ہیں، ان کے توڑنے کا یا کم و بیش کرنے کا کوئی بھی مجاز من اللہ نہیں۔

اے انسان! دنیا و مافیہا سب اسی کی ملک ہے۔ تجھے اختیار مستعار دیا گیا ہے کہ اپنی حیات تک اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے، صدقہ دے کر، نفقہ دے کر، زکوٰۃ دے کر، قرض حسنہ دے کر، اہل حقوق اور مستحقین کو دے دلا کر قوم کے حقوق اور وصیت کر کے والدین اور اقربا کے حقوق ادا کر کے، دین و دنیا میں فائز المرام اور بامراد ہو۔ پھر جو مال ان سب سے بچ رہا تو وہ تو اللہ ہی کی ملک سے واسطہ رہا۔ یہ تو اللہ کا احسان بالائے احسان ہے کہ اس نے اپنے مال کو تیرا مال کہا اور تیرے مرنے کے بعد بھی تیرے ہی ورثا کو دلایا اور اس کے لئے قانون بنا دیا، تو اے لوگو! اس کے قانون کے مطابق تقسیم کر دو، اور جس جس کو اس نے دلایا ان کو دے دو۔ افسوس ہے کہ تم اسے مورث کا مال اور مورث کا دیا سمجھتے ہو اور خدائے یکتا جو حقیقی دینے والا ہے اس کا دیا نہیں سمجھتے۔ وہ نہ دیتا اور اپنے قانون ترکہ سے نہ دلاتا تو تمہیں خاک نہ ملتا۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

Marfat.com

وراثت کے متعلق تین امور تنقیح طلب ہیں۔ کس کس کا ترکہ، کس کس کو ملے اور کتنا کتنا ملے۔ وراثت کے متعلق اللہ نے دولفظ استعمال فرمائے ہیں۔ ایک اولوا القربیٰ اور دوسرا اقربون۔ دولفظ ہیں تو معنی بھی دو ہیں اور دونوں کے استحقاق بھی دو طرح کے ہیں۔ میں اولوا القربیٰ کا ترجمہ قرابت مند کرتا ہوں اور اقربون کا اقربا۔ قرابت مند یا اولوا القربیٰ سے مطلب دور کے رشتہ دار ہیں اور اقربون یا اقربا سے مطلب نزدیک کے رشتہ دار۔

اولوا القربیٰ اور اقربون کی آیتیں ذیل میں دی جاتی ہیں۔

1- وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ (النساء:8) ''اگر تقسیم ترکہ کے وقت کوئی قرابت مند (یعنی دور کا رشتہ دار) حاضر ہو اور یتیم و مساکین بھی تو ان کو کچھ دے دو۔'' یتیم و مساکین کے ساتھ اللہ نے قرابت مند کو فرمایا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ دور کے قرابت مند ایسے ہوں جو کچھ پانے کے مستحق سمجھے جائیں تو ان کو کچھ دے دو جو اخلاقاً مروت کی شان ہے اور ان سے خوش اخلاقی کی باتیں کر کے رخصت کر دو۔ **وقولوا لهم قولاً معروفا۔**

2- وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء:33) ''متروکہ والدین و اقربا میں ہم نے کل مال کے لئے ورثا مقرر کر دیئے ہیں۔'' اس نے ورثا بنایا ہے ذوی الفروض کو تو ذوی الفروض کل مال کے مالک ہوں گے۔ ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم نہ ہوگا۔ دور کے قرابت مند پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں، ترکہ کے نہیں۔ اس کی ترکیب یوں بھی ہو سکتی ہے۔ **لکل الوالدین والاقربون جعلنا ورا ثا مما ترکوا۔** یعنی متروکہ والدین و اقربا میں ہم نے والدین اور اقربا کو وارث بنایا۔

ذوی الفروض جن کو اللہ نے ترکہ دلایا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ تو والدین ہیں پھر اولاد اور زن وشو اور بھائی بہن۔ اصطلاحاً اب میں دادا نانا اور پردادا پرنانا داخل ہیں اور ماں میں دادی

Marfat.com

پردادی پرنانی اور بنت میں پوتی، نواسی داخل ہیں جیسا کہ حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم کی حرمت میں دیگر یہ اصطلاح مجازاً ہے اس لئے یہ بھی مجازاً ترکہ پائیں گے اور ذوی الفروض میں داخل ہوں گے۔ مجازاً پانے کے معنی یہ ہیں کہ میت کا باپ مر گیا تو باپ کا ترکہ دادا کو ملے گا اور ان کے نہ ہوتے پردادا کو اور علیٰ ہذا قرآن نے کسی کو محجوب نہیں کیا۔ اسی طرح کوئی بیٹا مر گیا تو اس کا ترکہ پوتا پوتی کو اور ان کے نہ ہوتے پروتا پروتی کو ملے گا اور علیٰ ہذا قرآن نے کسی کو محجوب نہیں کیا۔ معلوم نہیں حجب کا خیال کس آیت کے رو سے دین میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ والدین اور اقربا یعنی ذوی الفروض کا ترکہ والدین اور اقربا یعنی ذوی الفروض پائیں گے اور کل کا کل پائیں گے۔ ان کے سوا کوئی دوسرا مستحق ہی نہیں۔ دوسرے کو دینا ذوی الفروض کی حق تلفی ہے۔

اب تنقیح طلب صرف یہ رہے گا کہ ذوی الفروض کتنے کتنے حصہ کے مستحق ہیں۔ سب مساوی تو ہیں نہیں۔ کیونکہ یہی اقربا بوجہ قرب قرابت کے اولوالارحام ہیں: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ (الانفال: 75) ''اور اولوا الارحام کتاب اللہ میں بعض بعض سے اولیٰ ہیں''۔ ''کتاب اللہ'' نے واضح کر دیا کہ یہ اقربا اور ذوی الفروض کی شان میں ہے جن کو ترکہ دلایا ہے۔ دور کے قرابت مند کی شان میں نہیں ہے، کیونکہ کتاب اللہ میں ان کا ترکہ نہیں ہے۔ یہی ذوی الفروض قریب ترین قرابت میں مامور ہیں وصیت میں محکوم ہیں وراثت میں مستحق ہیں اولوا الارحام کے لقب کے اور مامور ہیں صلۂ رحم میں اور یہی اقتضا ہے اللہ کے قانونِ فطرت کا بھی۔

ہر چند زن و شو میں خونی قرابت نہیں مگر فطری قرابت اور اللہ کی قائم کی ہوئی قرابت ہے اور اس لئے قوی تر قرابت ہے جس کی قوت بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں۔ ذوی الفروض اوپر بیان ہوئے ان میں سے کوئی مرا تو اس کے وارث ذوی الفروض ہیں۔ تو اگر ذوی الفروض میں سے کوئی ایک ہی وارث ہے تو وہ کل لے گا، ترکہ تقسیم ہی نہ ہوگا۔ تقسیم تو اس وقت ہے جب کئی مستحق ہوں،

Marfat.com

اگر ذوی الفروض میں سے ایک کے سوا دوسرا ہے نہیں ۔تو کل کا مالک وہی ہوگا۔

اور اگر ایک ہی طرح کے کئی وارث مساوی حقوق کے ہوں مثلاً دو بیٹے دو بیٹیاں، اولاد نہ ہوتے دو بھائی یا دو بہنیں۔ جب بھی اوپر کی آیت کی رو سے یعنی ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے ترکہ مساوی بٹ جائے گا کیونکہ وارث بھی دو اور دونوں مساوی حقدار۔ ترجیح بلا مرجح ہو نہیں سکتی۔ یہی دونوں کل کے وارث ہوں گے۔

اگر بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی وارث ہے تو اس کا اصول اللہ نے بتا دیا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ مرد کا حصہ عورت کے حصہ کے دونا ہوگا۔ ان ساری صورتوں میں ترکہ پورا تقسیم ہو جاتا ہے لیکن اگر اولاد کے ساتھ والدین بھی ہوں تو اللہ نے وراثت حسب ذیل آیت کی رو سے تقسیم کی ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ (النساء:11) ’’خدا تم کو اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا عورت کے دونا حصہ ہے، اگر عورتیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کا متروکہ میں دو ثلث ہے، اور ایک ہو تو نصف اور والدین میں ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور والدین ہی وارث ہوں تو ماں کا ایک ثلث ہے باقی باپ کا اور اگر بھائی بہن ہوں (بھائی بہن کا ترکہ کلالہ میں بیان ہوگا) تو ماں کا حصہ کم ہو کر چھٹا حصہ ہو جائے گا۔ بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے دین۔ تمہارے باپ اور بیٹے میں کون از روئے نفع کے تمہارے قریب تر ہے تم نہیں جانتے یہ اللہ کا فرض ہے۔‘‘

اس آیت میں والدین کا ترکہ بیان ہوا ہے اور والدین کے ہوتے اولاد کا اور والدین کا ترکہ جو بیان ہوا ہے وہ اولاد کے ہوتے اور نہ ہوتے بھی اور بھائی بہن کے ہوتے اور نہ ہوتے بھی۔

Marfat.com

1- والدین کے ہوتے بیٹا بیٹی دونوں وارث ہوں تو والدین کا چھٹا چھٹا حصہ دے کر جو بچے اس کو بیٹا بیٹی کو للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر بیٹی کا دونا بیٹے کو بانٹ دو۔ اگر ایک ہی بیٹا ہے تو وہ نصف کا دونا کل کا مالک ہوگا بعد والدین کو دے لینے کے۔

2- اگر والدین کے یا ان میں سے کسی ایک کے ہوتے بیٹی یا بیٹیاں وارث ہوں تو والدین کا چھٹا چھٹا حصہ نکال دو پھر ایک بیٹی ہے تو اس کا نصف ہے اور زیادہ ہیں تو ان کا دوثلث ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیٹیاں اور والدین ہیں تو والدین کا ثلث ہوا اور بیٹیوں کا دوثلث لیکن اگر ایک بیٹی یا والدین میں کوئی ایک ہی ہو تو اس صورت میں کچھ ترکہ بچے گا تو جو ترکہ بچے اس کا اصول آئندہ بیان ہوگا۔

3- اگر اولاد کے ہوتے والدین وارث ہیں تو ان میں سے ہر ایک کا متروکہ میں چھٹا حصہ ہے۔

4- اور اگر اولاد نہیں ہیں اور والدین ہی وارث ہیں تو ماں کا ایک ثلث ہے اور باقی باپ کا کیونکہ وارث یہی دو ہیں وورثہ ابویہ اور ایک کا ثلث ہے تو باقی باپ کا ہوا۔ یہ دوسرے اصول کے مطابق بھی ہے کہ للذکر مثل حظ الانثیین۔ مرد کا عورت کے دونا۔

5- اگر اولاد نہ ہو مگر والدین کے ساتھ بھائی بہن وارث ہوں تو ماں کا اصلی حصہ جو اولاد کے ہوتے چھٹا حصہ تھا وہی رہے گا اور اگر باپ بھی ہو تو اس کا ماں کے دونا ہوگا اور بقیہ بھائی بہن کا۔

6- بھائی بہن کو اللہ نے کلالہ کی صورت میں وارث بنایا ہے تو اس کا بیان کلالہ کی آیت میں کیا جائے گا۔

والدین اور اولاد دونوں وارث ہوں تو والدین کا اور اولاد کا کتنا کتنا ہوگا وہ بیان کیا گیا۔ اس میں ایک صورت میں ترکہ کچھ بچ جاتا ہے جب والدین کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بیٹی یا بیٹیاں وارث ہوں تو مابقیہ ترکہ کا بیان آگے آئے گا۔

زن وشو کی وراثت کے متعلق ہے۔ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

Marfat.com

أَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ
فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ
يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا
أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۙ

(النساء:12) ''جو ترکہ تمہاری بیبیاں چھوڑ مریں اگر ان کی اولاد نہیں ہے تو متروکہ میں تمہارا آدھا ہے اور اگر اولاد ہے تو تمہارا متروکہ میں چوتھائی ہے مگر بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے دین اور تم کچھ ترکہ چھوڑ مرو اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیبیوں کا متروکہ میں چوتھائی ہے اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ ہے، بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے دین، والدین اور زن وشو کا حصہ دے لو تو اور ورثا کو تقسیم کر دو۔'' بھائی بہن کا ترکہ اللہ نے کلالہ کی صورت میں دلایا ہے اور کلالہ کو اس نے خود بیان فرمایا ہے: ان امرُؤٌا ھلك ليس له ولد کلالہ وہ میت ہے جس کو اولاد نہ ہو تو اس کی دو صورت ہے اگر بھائی بہن کے ساتھ والدین ہوں تو والدین کا ترکہ اوپر بیان ہوا یعنی ماں کا چھٹا حصہ اور باپ کا اس کے دونا یعنی ایک ثلث اور باقی بھائی بہن کا ہوگا تو والدین کے ہوتے جو بھائی بہن کا ہو یا والدین کے نہ ہوتے جو بھائی بہن کا ہو اس کو کلالہ کی آیتوں کے مطابق بانٹ دو۔

کلالہ کے متعلق دو آیتیں ہیں اور دونوں میں حصص مختلف ہیں تو بھائی بہن بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو سگے بھائی بہن، ماں باپ دونوں طرف سے اور دوسرے سوتیلے، یا ماں کی طرف سے یا باپ کی طرف سے۔ اور کلالہ کی دونوں آیتوں میں سے ایک میں اولاد کی طرح سے ترکہ تقسیم کیا گیا ہے اور دوسرے میں علی التساوی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو ترکہ اولاد کی طرح تقسیم ہوا ہے وہ بلحاظ اقربیت ومماثلت حقیقی بھائی بہن کا ترکہ بیان ہوا ہے اور جو علی التساوی ہے وہ سوتیلے بھائی بہن کا۔

حقیقی بھائی بہن کا ترکہ يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۗ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا

Marfat.com

وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوْٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ (النساء:176) ''لوگ تم سے فتویٰ مانگتے ہیں تو کہہ دو اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مرے جس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو بہن کو متروکہ کا آدھا ملے گا اور بہن کلالہ ہو تو وہ بھائی بہن کا وارث ہو گا اگر اولاد نہ ہو (حصہ بیان نہ کیا اس لئے بھائی کل ترکہ کا وارث ہو گا) اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو متروکہ کی دو تہائی ملے گی۔ اور اگر بھائی بہن دونوں وارث ہوں تو مرد کا حصہ عورت کے دونا ہو گا۔

والدین کے ہوتے جو اولاد کا ترکہ ہے وہی اولاد کے نہ ہوتے حقیقی بھائی بہن کا ترکہ ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اولاد کے ہوتے ماں باپ کا ششم ششم حصہ ہے اور بھائی بہن کے ہوتے ماں کا ششم حصہ ہے اور باپ کا دونا یعنی ثلث۔ جیسا کہ اوپر والدین کے ترکہ میں بیان ہوا۔

سوتیلے بھائی بہن ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے ان کی نسبت اللہ نے فرمایا:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ (النساء:12)

''اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کی اولاد نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں تو اگر ایک ایک ہوں تو ہر ایک کا ششم ششم حصہ ہے اور اگر زیادہ ہوں تو ثلث میں سب شریک مگر بعد وصیت اور بعد ادائے دین کے جو بغرض ضرر رسائی نہ کی گئی ہو یہ فرمان الٰہی ہے۔''

اس رکوع میں سارے احکام ترکہ کے ہیں۔ سب کے آخر میں اللہ فرماتا ہے وصية من الله اس کے معنی یہ ہیں کہ مورث کو وصیت کر جانا لازم تھا اس پر فرض تھا وہ نہ کر سکا، یا مال وصیت سے بچ رہا تو یہ اللہ کی طرف سے وصیت ہے۔ وصیت ضروری اور ترکہ پر مقدم ہے۔ اس کو منسوخ کرنا یا ثلث میں محدود کرنا سراسر ظلم اور قرآنِ مجید کے خلاف ہے اور قرآنِ مجید کے خلاف کوئی حدیث صحیح نہیں ہو سکتی نہ کوئی تفقہ صحیح ہو سکتا ہے۔

خدا نے ورثا کو بیان کر دیا، ان کے حصص کو بھی بیان کر دیا۔ پھر اس تقسیم سے جو بچ رہے وہ

Marfat.com

پھر انہیں حصص کے مطابق انہیں ورثا پر رد کرو۔ کیونکہ اولاً ورثہ بھی اللہ نے انہی کو دلایا۔ دوسرے اللہ نے فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ (النساء: 7) ''مردوں کا حصہ ہے جو چھوڑا والدین اور اقربا نے اور عورتوں کا حصہ ہے جو چھوڑا والدین اور اقربا نے تھوڑا مال ہو یا بہت حصہ مقررہ کے مطابق۔''

یہ آیت ترکہ کے متعلق نہیں بلکہ رَد کے متعلق ہے۔ اسی لئے اللہ نے موالی کا لفظ فرمایا نہ حظ کا لفظ فرمایا بلکہ **نصیبٌ** کا لفظ فرمایا اور اسی لئے **نصیباً مفروضا** فرمایا کہ حصص مفروضہ کے مطابق تابقیہ میں مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے۔ اس لئے **مما ترك الوالدان والاقربون** کا ترجمہ ہونا چاہیے اس میں سے جو چھوڑا والدین اور اقربا نے یعنی جو ان کے ترکہ لینے سے بچ رہا تو اس میں سے پھر انہی مردوں اور عورتوں کا حصہ ہے۔ ذوی الفروض کے سوا کسی کو اللہ نے دلایا ہی نہیں ہے اس لئے دوسرا کوئی پانے کا مستحق بھی نہیں۔ اگر اس رَد سے بھی بچ رہا تو تیسرے قسم کے بھائی بھی ہیں **اخوانکم فی الدین** اللہ کے قائم کیے ہوئے دینی بھائی۔ **ان كان له اخوة** میں یہ دور سے ہی سہی داخل تو ہیں، تو وہ ان کو ملے گا یعنی قومی مصارف میں جائے گا۔ ذوی الارحام اگر ذوی الفروض کو تو اللہ نے کتاب اللہ میں ترکہ دلایا ہی ہے اگر ذوی الفروض سے فاضل کسی اور کو کہو تو کسی اور کو اللہ نے ترکہ دلایا نہیں۔ پھر جس کو اللہ نہ دلائے اس کو کون دے اور کیوں دے اور دے کر حدود اللہ کو کیوں توڑے **ذلك حدود الله**۔ وراثت کی تقسیم بعد تعمیل وصیت اور بعد ادائے دین ہے **بعد وصية** کے معنی **نسخ وصية** کے نہیں ہیں نہ **اضافہ علی القراٰن** کر کے ثلث میں محدود کریں گے۔ وراثت کا قانون وصیت کا ناسخ نہیں ہے بلکہ موید اور موکد ہے جب اللہ نے وصیت کی ہر آیت میں تاکیداً **بعد وصية** فرمایا ہے تو اللہ کی ہدایت کو ہوا پر اڑا نہ دو۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ (المائدہ: 48) پھر جس طرح اللہ نے وراثت تقسیم کی ہے اور وصیت کو مقدم کیا ہے اور ثلث سے محدود نہ کیا تم اللہ کے بندے ہو کر خدائی نہ کرو اور طبع آزمائیوں سے بچو۔ **فاستمسك بالذی اوحی اليك**۔ تمسک وحی

Marfat.com

خداوندی سے پکڑ واور وحی کیا گیا ہے قرآن۔ واحی الی هذا القراٰن۔ قرآن کے سوا کسی سے تمسک پکڑنا جائز نہیں۔ اللہ کی سطوت کے آگے سر جھکاؤ نہ کہ علماء کے۔ اللہ کے علم کے آگے گردن نیچی کرو نہ کہ علماء کے وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (اٰلِ عمران:79-80) ''بلکہ وہ تو کہے گا تم سب رب کے ہو جاؤ۔ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔'' اور اس آیت پر غور و فکر کر کے اللہ کے مطلب کو سمجھو۔

قرآنِ مجید کے ساتھ سراجیہ نہیں اتری۔ نہ احکامات ربانی علما کے شاخسانوں کے محتاج ہیں۔ قرآن کے خلاف میں کوئی حدیث پیش کرو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ خلاف قرآن ہو سکتی ہے نہ متجاوز عن الحد ہو سکتی ہے۔ یہ محال ہے۔

ترکہ کی تقسیم جو میری سمجھ میں آئی وہ میں نے لکھی دی۔ اگر میں نے غلطی کی ہے تو اس کی صحت کرو مگر قرآن مجید ہی سے اور اگر ناقص ہے تو اسے تمام کرو، مگر قرآنِ مجید ہی سے۔ اس کا تم کو حق ہے۔ مگر قرآن مجید پر اضافہ کیوں کرو، اس کا تو حق ہی نہیں۔

عصبہ کی قسمیں، عصبہ لنفسہ، عصبہ لغیرہ، عصبہ مع غیرہ، ان کا سلسلہ پھر ان کے شرائط اور ذوی الارحام کا ترکہ پھر ان کا سلسلہ جو کہیں ٹوٹے ہی نہیں باوا آدم تک پہنچے یہ تو ترکہ کو درگاہ کی ریوڑیاں بنانا ہے۔ یہ سب قرآنِ مجید سے تو نہیں نکلتے۔ قرآنِ مجید میں ان تقسیموں کا کہیں وجود ہی نہیں۔ ان پیچ دار سلسلوں سے تقسیم وراثت ایسی مشکل بنا دی گئی ہے کہ ہر عالم بھی ترکہ کی تقسیم پر قادر نہیں۔ ساری عمر ریاضی پڑھو اور بی۔ ایل پاس کر لو، یعنی محمڈن لا میں امتحان دے لو۔ پھر وکیل ہو کر وراثت کے مقدمات کچھ لڑ لینے کے بعد ترکہ کی تقسیم پر قادر ہو سکتے ہو۔ اللہ کا قانون جو ساری دنیا کے لئے ہو وہ ایسا مشکل نہیں ہو سکتا جسے محکوم علیہ سمجھ نہ سکے۔

Marfat.com

خدا نے نبی بھیجا تو امی[1] فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ (الاعراف:158) ''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول امی پر ایسا رسول جو ایمان لاتا ہے اللہ اور اس کے سب کلاموں پر۔'' اور بھیجا بھی تو امیوں میں۔ هو الذی بعث فی الامیین رسولاً وہ اللہ ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں رسول بھیجا۔ تو یہ ان پڑھ عرب جو ریاضی دان نہ تھے وہ معلوم نہیں کہ ترکہ کی تقسیم کس کتاب کی رو سے کرتے تھے۔ کہیں وہ سراجیہ ملتی جو صحابہ کا دستور العمل تھی۔ وہ جو اتبعوا ما انزل الیکم کو خوب سمجھتے تھے۔ حاشا وہ قرآنِ مجید کے خلاف تقسیم ترکہ نہ کرتے تھے۔ وہ اللہ کی اس ہدایت سے واقف تھے۔ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ (الاعراف:170) ''جو لوگ تمسک بالقرآن کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ مصلح ہیں اور اللہ مصلح کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

باغ فدک

عورت یا مرد جو وہ حاصل کرے اس کا وہ مالک ہے تو ترکہ اسی میں تقسیم ہوتا ہے جس کا آدمی مالک ہوتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ سلطنت میں ترکہ نہیں کیونکہ وہ فوج اور قوم کا محصولہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ قومی مال ہے جو کچھ افسر یا فوج یا بادشاہ کو خصوصیت کے ساتھ بھی ملے چونکہ وہ فوجی سطوت اور من حیث بادشاہت ملا ہے اس لئے وہ قومی چیز ہے شخصی نہیں۔ باغ فدک آنحضرت صلی

1۔ امی کا معنی ان پڑھ درست نہیں، مکہ کے رہنے والے امی تھے کیونکہ مکہ کو قرآن میں ام القریٰ کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کی وجہ سے امی کہا گیا ہے، قرآن میں کہیں آپ کو ان پڑھ نہیں کہا گیا بلکہ صرف اتنا ہے کہ اس قرآن کے آنے سے پہلے آپ کوئی آسمانی کتاب نہیں پڑھتے تھے اگر ایسا ہوتا تب تو مشرکین کو شبہ ہو سکتا تھا کہ سابقہ کتب سے اخذ کر کے قرآن پیش کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہوں آیات العنکبوت:48، فرقان:5، نحل:103، اور حم السجدہ ان مقامات کے سیاق و سباق سے اس طالب علم کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی رسول اللہ نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ آسمانی تعلیم سے ناواقف تھے اس سے آپ کا ان پڑھ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ سورہ فرقان کی آیت 5 سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ لکھنا جانتے تھے۔ امتیاز عثمانی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کو وراثتاً نہیں ملا نہ بلا قومی سطوت کے ذاتی مکسوبہ و محصولہ تھا اس لئے وہ ذاتی مال اور ذاتی محصولہ نہ تھا۔ قوم کا تھا قوم کے ہاتھ میں رہا۔ حضرت بی بی رضی اللہ عنہا نے ہرگز اس باغ کا دعویٰ نہ کیا ہوگا چونکہ وہ قومی مال تھا۔ ایسی راویتیں دنیا داروں اور ہوس ناکوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ روایت حضرت بی بی رضی اللہ عنہا کی شان سے بہت گری ہوئی ہے اس لئے درایت اس کی صحت تسلیم نہیں کرتی۔ رسول کی بیٹی قومی مال کی دعویدار نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان پر اتہام ہے۔ نعوذ باللہ

اے اللہ تیرا ہزار ہزار شکر، اگر چہ ہم بگڑے اور ابھی اس کی حد نہیں ہوئی، مگر قرآنِ مجید تیری ہدایت، تیرا نور، تیرا کلام، تیرے رسول کی رسالت، تیری حفاظت کی بدولت جوں کا توں اب تک ہمارے پاس موجود ہے۔ اس لئے ہم ہزار بگڑیں، پھر سنوریں گے۔ ہزار گریں پھر اٹھیں گے۔ نہ ہماری توبہ کا دروازہ بند نہ تیری استجابت کا دروازہ۔ نہ ہمارے ایمان کی آنکھیں اندھی، نہ تیری ہدایت کا نور دھندلا۔ اس کرم خداوندی کے قربان اور اس رحمت ایزدی کے صدقے۔

فآمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

لا الہ الا اللہ... محمد رسول اللہ... والقران کلام اللہ

مناجات

اے اللہ تیرا اسلام تو مسلمانوں میں اور مسلمان نازک حال ہیں۔ ان کا دین بدحال اور ان کی دنیا بے چین تیرے پیارے نبی کی امت افسوسناک حال میں ہے۔ تیرے رسول کی رسالت کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، اور تیرا پاک اور منزہ کلام جو تجھ سے نازل ہو کر ہمارے مقدس، سرتاج آقا، خاتم انبیاء کے سینہ میں 23 برسوں تک موج زن رہا اور اپنوں اور بیگانوں ہی کے ہاتھوں چہارم، چہلم، فاتحہ خوانی، ثواب رسانی، عملیات، جھاڑ پھونک، وصال محبوبہ، توسیع رزق، فتح یابی

Marfat.com

مقدمات، تسخیر حکام اور درود وظائف کے لئے تجویز ہو کر طاق غفلت پر رکھا گیا اور من حیث ہدایت بیکار و مجمل سمجھا گیا اور من حیث تعمیل ناتمام و نامکمل۔ کوئی اس کا نگران نہیں۔ گھر کے لوگ اغیار کے شادیانے میں شریک ہیں، یا ماسوا کے بزم عشرت کے تماشائی۔ اے اللہ یہ تو غافل ہیں مگر تو غافل نہیں، یہ قصوروار ہیں تو معافی تیرے ہاتھ ہے۔ اے اللہ ہم ان کے تبدل حالت کے امیدوار ہیں۔ ان کی چال بدل دے کہ ان کا حال بدل جائے۔ یہ تیرے ہی نام لینے والے ہیں تو ان کو مشرکوں اور کافروں کے پاؤں تلے نہ روند، کیونکہ ان کے ساتھ تیرا اسلام بھی روندا جائے گا۔ ان کی خبر لے ان کو اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے۔ نور رسالت سے ان کو ڈھانپ لے اور ان کو اپنی مبارک محبت کے زم زم سے دھو، کہ ان کا رنگ بدل جائے تا کہ **فاولئك يبدل الله سياتهم حسنت** کی تجلی سے دنیا چکا چوند میں پڑ جائے۔ تیرا حکم **كلمح البصر** ہے اور تیرا ارادہ **کن فیکون**۔

اے اللہ تجھ پر ایمان لانے والے تیرے مسلمان اگر مبتلائے شرک فی النبوت، شرک فی الحکم شرک فی الاستعانت، شرک فی العبادت، شرک فی القدرت، شرک فی العلم الغیب اور شرک فی الصفات ہوئے، تو یہ شرک خفی کی نیرنگیاں اخلاص کی بے راہ روی سے ان میں آئی۔ یہ حقیقت میں شرک نہیں چوک اور غلطی ہے۔ تو اسے کون معاف کرے، تیرے سوا معاف کرنے والا ہے کون؟ وہ کون سا دن آئے گا کہ تیرے رحم و کرم کی گھٹائیں جھوم جھوم کر اٹھیں گی اور تیرے نام لینے والوں پر تیرے مسلمانوں پر امنڈ امنڈ کر برسیں گی۔ اے خدا! اب تو مسلمان اس حال کو پہنچ گئے کہ ان پر اغیار بھی آنسو بہانے کھڑے ہیں اور تُو ارحم الراحمین ہے تو ان کو اپنی گود میں اٹھا لے، اپنے چہرہ کے نور میں پناہ دے، ان کی بگڑی سنوار دے، ان کو توفیق توبہ دے، شرک کی ملابست سے پاک کر، ایمان سے معطر کر، اخلاص سے منور کر، رضا و تسلیم و خلوت میں ان کی آرام گاہ بنا، نہ اپنا مواجہ ان سے پھیر نہ ان کا مواجہ اپنی طرف سے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کا ایمان ہو اور ان کا عمل، تا کہ ان میں جان آئے، ان میں ہمت آئے اور صفات کے موتیوں کا ہار ان کے گلے میں پڑ جائے اور قرونِ اولیٰ کی طرح ان کی دنیا بھی دین ہو کر چمکے۔

Marfat.com

اے اللہ میری مناجات بھی ادعونی استجب لکم کی تعمیل ہے یا ملاقات کی گئیں ہیں۔ ورنہ میں کیا اور میری فریاد کیا۔ میرا مانگنا کیا، تیرے علم سے کچھ اوجھل ہو تو کوئی تجھے مطلع کرے۔ علیم تُو خبیر تُو۔ کہیں تو دور ہو تو دعا کی درخواست بھیجی جائے واللہ بکل شئی محیط۔ قریب تو اتنا کہ حبل الورید سے بھی قریب تر۔ رحم میں کمی ہو تو کوئی رحم دلائے مگر تو ارحم الراحمین ہے۔ یہ کہنا کہ یوں کر اور دوں کر یہ بھی بیکار یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید۔ پھر کہنے سننے کو کیا رہا۔ ہاں تجھ سے باتیں کرنے میں جو لطف آتا ہے وہ موجب ہوتا ہے پاکی اور قرب کا، اس لئے اتنا اور کہوں گا کہ اے خدا! میری ازلی تمنا ہے کہ پرشش اعمال کے دن ہمارا نامۂ اعمال قرآنِ مجید ہی نکلے، اس کی شریعت کامل بھی اور اس کی روحانیت اتم بھی۔ اپنی بساط سے باہر آرزو لے کر آیا ہوں لیکن اے خدا! مجھے نہ دیکھ، اپنے کو دیکھ، تو کر جو تیری خدائی کے شایان ہو اور تیری عظمت وجلالت کے سزاوار تیرے فضل وکرم کے شایان ہو، اور تیرے رحم وعطیات کے سزاوار تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد میں میرا نام نہ ہو جس وقت خود بدولت کی فریاد ہو گی وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا۔

Marfat.com